ان تمام مسیحی مبلغین کی خدمت میں جو سیدنا عیسیٰ مسیح
کی شہادت برادرانِ مسلمان میں دے رہے ہیں یہ ہدیہ
پیش کرتا ہوں۔

(ایل۔ بیون۔ جونس)

Christianity Explained to Muslims

By

L. Bevan Jones
Principle Henry Martin Institute Islamiat Lundhur .U.P.India
Translated By John Abdul Subhan
Lecturer Henry Martin Institute Islamiat

مسیحی دین کا بیان

برائے اہلِ اسلام

مصنفہ

ایل بیون۔ جونس
پرنسپل ہنری مارٹن مدرسہ اسلامیات ۔ لندھور۔ یو۔ پی۔ مصنف
اہلِ مسجد

مترجمہ

علامہ جان عبد السبحان

1952
www.muhammadanism.org
(Urdu)
Sept.9.2004

فہرس

دیباچہ

مسلمان عقائد پر بہت زور دیتے ہیں - چنانچہ وہ مانتے ہیں کہ محض اسلام پر ایمان لانا دوزخ سے بچاتاہے-اوراس وجہ سے مسیحیت کے خلاف ان کے تعصب کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ ان کے اعتراضات کا نشانہ اس قدر مسیحی پیغام نہیں ہے جتنا کہ بعض کلیسائی عقائد ہیں - لیکن تو بھی مسیحی پیغام کلیسائی عقائد سے لازمی طور پر اس طرح وابستہ ہے کہ مسلمانوں کی خاطر اگران عقائد کو ترک کردیں تو یقیناً مسیحی پیغام کا مفہوم بھی بہت کچھ مفقود ہوجائیگا-

میرا اپنا خیال تو یہ ہے کہ کم ازکم مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ مسیح کے شاگرد ہونے کی یا آپ کے منجی ہونے پر ایمان لانے کی ضروری شرط یہ ہے کہ کسی خاص کلیسائی عقیدہ کو سمجھا جائے اور اسے قبول کیا جائے- اور پھر بھی اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے ان کے لئے مسیح کو پہچاننے اور آپ کو قبول کرنے میں مسیحیت کے خلاف ان کا یہی قدیم تعصب ایک رکاوٹ ہے-

اب اگر حقیقت یہ ہے تو ہمارے سامنے دو باتیں ہیں جن کا کرنا لازمی ہے-

اوّل: مسلمانوں کے اعتراضات کی وجہ کا پتہ لگانا چاہیے یعنی جس تعصب کی بنا پر اعتراض کیا جاتاہے اس کی تہ تک ہمیں پہنچنا چاہیے۔

دوم: ہمیں مسیحی عقائد پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور اگر ضرورت ہوتو انہیں اس صورت میں بیان کرنا چاہیے کہ جس سے غلط فہمی اور ٹھوکر کھانے کا سبب دور ہوجائے۔ اور ان سب باتوں کے پورا کرنے کے بعد اگر ہم یہ دیکھیں کہ پھر بھی بہتیرے مسلمانوں کے لئے خاص ٹھوکر خود مسیح مصلوب ہے توہمیں تعجب نہ کرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایسی دقت ہے کہ خدا کا فضل ہی اسے دور کرسکتاہے۔

اس موقعہ پر یہ بتادینا بیجا نہ ہوگا کہ میں برسوں تک بڑی محنت کرتا رہا کہ ان مضامین کو جن پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے مسلمانوں تک پہنچانے کا کوئی ایسا طریقہ نکالاجائے جو خاطر خواہ معقول اور ساتھ ہی مسلمانوں کی دقتوں کی سمجھ پر مبنی اور دوستانہ ہو۔ غرضیکہ اس کتاب کے کل مضامین کو میں نے اپنے ان لکچروں کو توسیع دے کر تیار کیاہے جو ہنری مارٹن مدرسہ اسلامیات میں گذشتہ دس سال کے عرصہ میں طلبا کو میں نے دئیے ہیں۔

یہ کتاب بالخصوص مسیحی مبلغوں اور مبشروں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے اور پھر مضمون اس صورت میں پیش کیا گیاہے کہ جب مسیحیوں کو مسلمانوں کے اعتراضات کا سامنا کرنا پڑے تو وہ فوراً سمجھ جائیں کہ ان اعتراضات کی تہ میں کون سی باتیں ہیں اور یوں وہ مسیحی پیغام کو زیادہ موثر طریقہ پر مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوں۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مسلمانوں کی نظر سے بھی یہ کتاب گذرے اوراس صورت میں میری یہ دوسری غرض بھی پوری ہوجائیگی اور میں اپنے ان مسلم قارئین کرام کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ حتی الوسع میری یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے جو باتیں لکھی گئی ہیں جہاں تک میرا علم ہے درست ہوں اور ہر ایسی بات سے جو بلاِ ضرورت ان کی دلآزاری کا باعث ہو بڑی احتیاط کے ساتھ احتراز کیا گیاہے۔

مضامین جس صورت سے اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں اس کا فیصلہ ان خاص مبلغوں سے صلاح ومشورہ لے کر کیا گیاہے جو اسلامی ممالک میں تبلیغی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مرحوم پادری سنٹ کلیئر ٹسڈل کی کتاب اعتراض المسلمین " تیس سال کے زائد عرصہ تک نہایت مفید کتاب رہ چکی ہے۔ اور اب یہ کتاب نہ صرف نایاب ہے بلکہ زمانہ کی موجودہ ضروریات کے مطابق بھی نہیں ہے۔

مسلمانوں کے اعتراضات پر غور کرنے میں ہمارا پہلا کلام یہ ہے کہ ہم معلوم کریں کہ آخر ان اعتراضات کی تہ میں کون سی باتیں ہیں یعنی مسلمان کیوں مسیحی مذہب پر حملہ کرتے ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے معاصرین نے آپ کے خلاف کیوں زبان درازیاں کیں۔ انجیل شریف میں ہم

پڑھتے ہیں کہ آپ کے دشمنوں نے بیجا طور پر آپ کو کفر بکنے والا، شرابی، بڑھئی کا جاہل بیٹا، سبت اور دیگر موسوی شرائع کا توڑنے والا ۔ اور ایسا شخص جو کسی مذہبی اختیارات کو کچھ سمجھتا نہیں ہے کہہ کر آپ پر اس قسم کے غلط الزامات لگائے۔ غرضیکہ ہر قسم کی توہین کی باتیں آپ کے خلاف کہی گئی ہیں۔ خود سیدنا مسیح نے اس قسم کی نکتہ چینی کا تجزیہ کرکے اس ایک جملہ میں ان کی مخالفت کا سبب بتایا کہ دنیا مجھ سے عداوت کرتی ہے کیونکہ میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ اس کے کام بُرے ہیں (یوحنا باب ۷ آیت ۷)۔ سیدنا مسیح کے پہلے شاگردوں کی بھی اس لئے مخالفت کی گئی ۔مثلاً دیمیترس نامی سنار اور ارتمس دیوی کے پوجنے والوں کا آپ کے شاگردوں کے خلاف فساد مچادینا اسی بات پر شاہد ہے(ملاحظہ ہو اعمال باب ۱۹ آیات ۲۴تا ۲۷ ، باب ۲۸ آیت ۲۲)۔

اس لئے مسیح اور مسیحیت کی اس قسم کی نکتہ چینیوں کا تعلق بالخصوص اسلام ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ نکتہ چینیاں انسانی طبعیت کے تقاضہ پر مبنی ہیں اور مسیحیت کے اوائل سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اوران کے دووجوہات ہیں۔ اول عادات ، اور خیالات کا اختلاف۔ اب اگر محض یہی اعتراض کی بنا ہو تو سچے متلاشیان حق کی سمجھ میں جب اصل حقیقت آجائیگی تو پھر اس کے قبول کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ اورجب اس قسم کا اعتراض پیش ہو تو اس موقعہ پر مسیحی تعلیم کی تشریح کرکے ان کی تشفی کرنا ہمارا فرض ہے۔ دوم۔ انسان کی اخلاقی زندگی کے لئے مسیحیت کی عملی حیثیت ایک بڑا مطالبہ پیش کرتی ہے اور اعتراضات کی دوسری بنا اسی مطالبہ کی مخالفت ہے اور اعتراضات کا یہ سبب زیادہ عام ہے ۔ عموماً ایسے موقعوں پر بھی جہاں اس قسم کے سبب کی موجودگی کا شبہ نہ بھی ہو معترض کے لئے دراصل یہی حقیقی دقت ہوا کرتی ہے جب اس قسم کا مطالبہ انسان کے سامنے آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو غلطی پر پاکر اس مذہب کی جس نے ایسا مطالبہ اس کے سامنے پیش کیا ہے وہ نکتہ چینی کرنے لگتا ہے ۔ اس لئے بحیثیت روحانی حکیم کے ہمیں چاہیے کہ ہم ایسی حکمت اور دانشمندی سے کام لیں کہ معترض کی خود نکتہ چینیوں کے وسیلہ اس کی زندگی کی برائیوں کی صحیح تشخیص کرکے اس کی روحانی ضرورتوں کا پتہ لگالیں۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کے حق میں کسی نے کہا ہے کہ لوگ ذہنی دقتوں کو لے کر آپ کے پاس آتے تھے اورجب آپ انہیں رخصت کرتے تھے تو روحانی دقتوں کا احساس لے کر جاتے تھے۔ اب اگر ہم اپنے آقا ومولا سیدناع عیسیٰ مسیح کے کامل نمونہ کی تقلید کرنا چاہتے ہیں تو بعض اوقات ہمارے کام کا بھی یہی حال ہوگا اور یہ بات ذیل کے طریقوں سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اوّل: متلاشی حق یا معترض کے سامنے ایک اعلیٰ نصب العین کو صاف اور صریح الفاظ میں پیش کرکے جس طرح سیدنا عیسیٰ مسیح نے اس نوجوان اور دولتمند سردار کو جو ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہتا تھا دعوت دی کہ سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے ہولے۔

دوم۔ کسی ایسی تمثیل کے ذریعہ جس میں معترض کی دقت کا حاصل پایا جائے۔ انجیل میں اس قسم کی تمثیل کی مثال نیک سماری کی تمثیل ہے۔

سوم۔ کسی سوال کے جواب میں ایک دوسرا سوال پیش کرکے ۔ جس طرح سیدنا عیسیٰ مسیح اپنے اختیار کے بارے میں سردار کاہنوں کو اس طرح جواب دیا کہ آپ نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے متعلق ان سے سوال کیا۔

چہارم۔ نتیجوں کی پیش کرکے ۔ جس طرح سیدنا عیسیٰ نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کو قید خانہ میں اس کے سوال کے جواب میں اپنے کام کو پیش کیا۔

اب ذیل میں مرحوم پادری سنٹ کلیئر ٹسڈل کے چند ہدایتوں کو میں پیش کرتا ہوں ۔ جنہیں بشارتی خدمت کے سلسلہ میں یاد رکھنا ضروری ہے۔۔ پادری صاحب موصوف کی ے ہدایتیں حسب ذیل ہیں:

مسلمانوں سے خود بحث مت شروع کرو۔ لیکن جب بحث کرنا ضروری ہو تو اعتراضات کا جواب دو۔

اپنی تبلیغی خدمت میں مسلمان کو اس کے محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہ دیکھو بلکہ اسے ایسا شخص سمجھو کہ مسیح نے جس کے لئے اپنی جان دی۔

تمہارا مقصد معترض کو خاموش کرانے کا یا ہرانے کا نہ ہو بلکہ مسیح کے لئے لوگوں کو جیت لینا تمہارا اصل مدعا ہو۔ اور یہ ان دوصورتوں سے ہوسکتا ہے۔

اوّل۔ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے اور

دوم۔ مسلمانوں کو کتابِ مقدس اور خاص کر نئے عہد نامہ کے پڑھنے کی ترغیب دے کر۔ اپنی بحث کو ایک دو باتوں تک محدود رکھو اور جب تک ان کا فیصلہ نہ ہولے آگے نہ بڑھو۔ اورساتھ ہی کسی خاص نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

بحث میں بڑی احتیاط کے ساتھ منصف مزاجی سے کام لو اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ اور بحث کو کبھی اس طرح بگڑنے نہ دو کہ جھگڑے کی صورت اختیار کرلے۔

یاد رکھو کہ تمہارے بعض مخالفین کی یہ کوشش ہوگی کی تمہیں اشتعال دلائیں اوران کے لئے تمہارا اشتعال میں آجانا تمہاری شکست کی دلیل ہوگی۔

اپنے مخالفین پر یہ ظاہر کردو کہ یہ باتیں تمہارے نزدیک نہایت ہی سنجیدہ ہیں کیونکہ ان کا تعلق جسمانی باتوں سے نہیں بلکہ روحانی معاملات سے ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت محمد کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے تو اس کے جواب دینے سے احتراز کرو۔ تمہارا کام سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق کلام کرنا ہے اور بس۔

حضرت محمد یا کسی اور پیغمبر کا جب نام آئے تو تعظیم کے ساتھ اوراس کے قسم القاب کا استعمال کرکے مثلاً حضرت، آنحضرت اورساتھ ہی سیدنا عیسیٰ مسیح کے لئے بھی تعظیمی القاب کا استعمال کرنا مت بھولو۔

جن مسیحی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہو خیال رہے کہ ان کے مفہوم سے بھی واقف ہو۔ ان اصطلاحات میں سے بعض کا استعمال مسلمان بھی کرتے ہیں مگر بعض ایسی اصطلاحات کا مفہوم ان کے نزدیک وہی نہیں ہے جو تمہارا ہے۔ اسی طرح کتاب مقدس کے الفاظ کا مفہوم بھی اکثر اوقات وہ نہیں سمجھتے۔

کتابِ مقدس کی کسی آیت کو کوئی شخص اور بالخصوص مسلمان جب زبانی پیش کرتاہے تو اپنی قوتِ حافظہ پر بھروسہ کرکے اس کی صحت کو تسلیم کرلینے میں عجلت مت کرو بلکہ کتابِ مقدس سے اس آیت کو نکال کر خود پڑھو۔

قرآن کو اچھی طرح جاننے سے بڑھ کر کہیں ضروری یہ ہے کہ تم کتابِ مقدس سے اچھی طرح واقف ہو۔

اس بات کو خود تسلیم کرو اور لوگوں پر ظاہر کردو کہ تم مانتے ہو کہ اسلام میں بھی سچائی کے بعض پہلو پائے جاتے ہیں ۔ اس بات سے شروع کرکے اپنے بیان کو اس پوری سچائی تک لے جاؤ جو سیدنا عیسیٰ مسیح میں پائی جاتی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بلاواقفیت حاصل کئے اور بغیر محبت اور دُعا کے ہر گز مباحثہ مت کرو۔

علاوہ ان کے پاک کلام میں بھی اس سلسلہ میں بھی ہدایتیں پائی جاتی ہیں اور ان پر غور کرنا ہمارے لئے مفید ہوگا۔

"لیکن بیوقوفی اور نادانی کی حجتوں سے کنارہ کرو کیونکہ تم جانتے ہو کہ ان سے جھگڑے پیدا ہوتےہیں۔ اورمناسب نہیں کہ پروردگار کا بندہ جھگڑا کرے بلکہ سب کے ساتھ نرمی کرو اور تعلیم دینے کے لائق اور بردُبار ہو۔اور مخالفوں کو حلیمی سے تادیب کرو۔شاید پروردگار انہیں توبہ کی توفیق بخشے تاکہ وہ حق کو پہچانیں ۔ اور پروردگار کے بندہ کے ہاتھ سے رضا الہیٰ کے اسیر ہو کر ابلیس مردود کے پھندے سے چھوٹیں۔" (خطِ دوم تیمتھیس ۲ باب آیات ۲۳تا ۲۶)۔

" تمہارا کلام ہمیشہ ایسا پُرفضل اور نمکین ہو کہ تمہیں ہر شخص کو مناسب جواب دینا آجائے (کلسیوں باب ۴آیت ۶)۔

پھر خود سیدنا عیسیٰ مسیح نے فرمایا " میں تمہیں ایسی زبان اور حکمت دونگا کہ تمہارا کوئی مخالف سامنا کرنے یا خلاف کہنے کا مقدور نہ رکھیگا"(لوقا باب ۲۱آیت ۱۵)۔

آخر میں اس کتاب کے متعلق کئی ایک باتوں کا ذکر کرنا مناسب دیتا ہے ۔ اس میں قرآن اوراحمدی فرقہ کی تعلیم کاذکر بار بار آیا ہے اوراسکی خاص وجہ یہ ہے کہ اسلامی مفروضات اورخیالات کومدِ نظر رکھ کرمجھے بار بار قرآن کا حوالہ دینا پڑا ہے۔ورنہ ہم مسیحیت کے حق میں کسی معنی میں بھی قرآن کو سند نہیں مانتے۔ اور احمدی دعاوی اور دلائل اس کتاب میں اس لئے لکھے گئے ہیں ۔

کہ راسخ الاعتقاد گروہ اگرچہ احمدی فرقہ کی تعلیم کا قائل نہیں ہے تو بھی ان کا استعمال کرتاہے۔

اس کتاب کے اصل انگریزی مسودہ کو چھپنے سے قبل میرے ہم خدمت پادری جیمس سویٹ مین اور پادری جان عبدالسبحان نے پڑھ کر اسے زیادہ صحیح اور پُرمطلت بنانے میں میری بڑی مدد کی ہے۔ یہ اردو ترجمہ پادری عبدالسبحان کا ہے جنہوں نے اصل انگریزی سے ترجمہ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیاہے کہ اصل عبارت کا مفہوم صحیح صحیح اداہو۔ اور قرآن کے حوالوں کو پیش کرنے میں مرحوم مولوی نذیر احمد صاحب کا بامحاورہ ترجمہ آپ نے استعمال کیاہے۔

میں اس کتاب کو اس امید اور دعا کے ساتھ شائع کرتا ہوں کہ خدا اسے اس طرح استعمال کرے کہ اس سے نہ صرف مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان بہتر سمجھوتہ کی صورت پیدا ہو۔ بلکہ بہتیرے مسلمان اس سچائی کے قائل ہوں۔ جو سیدنا عیسیٰ مسیح میں پائی جاتی ہے۔

پادری ایل۔ بیون جونس — ہنری مارٹن مدرسہ اسلامیات

لندھور۔ مسوری

بابِ اوّل صحت کُتبِ مقدُسہ

صحت کُتبِ مقدُسہ پر

مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ مروجہ کتبِ مقدسہ اصلی نہیں ہیں کیونکہ ان میں اور قرآن میں مطابقت نہیں ہے۔ (صفحہ ۲۵)۔

۲۔ مروجہ کتبِ مقدسہ اگرچہ محرف ہیں تو بھی ان کے بعض مقامات میں اصلی تورات وانجیل کچھ سچی باتیں موجود ہیں۔ مثلاً توحید الہیٰ اور جزاوسزا کی تعلیم اور پیغمبر آخر الزمان آنحضرت محمد ﷺ کی پیشینگوئی ۔اور قرآن صرف انہی تعلیمات کا مصدق اور مہیمن ہے (صفحہ ۲۴، ۳۹)۔

۳۔ حضرت مسیح کی انجیل کہاں ہے ؟ کیا اسے وہ اپنے ساتھ آسمان پر نہیں لے گئے؟ (صفحہ ۴)۔

۴۔ چاروں انجیلوں میں سے کون سی انجیل حضرت مسیح ابن مریم پر نازل ہوئی تھی۔

۵۔ کتبِ مقدسہ پیغمبرِ عرب آنحضرت محمد کے ظہور سے پیشتر محرف ہوچکی تھیں اور یہ تحریف اس طرح ہوئی کہ ان میں مسیح کی الوہیت اورآپ کی ابنیت اور تثلیث کی تعلیم اورآپ کی صلیبی موت اور دوبارہ قبر

سے جی اٹھنے کے فرضی بیانات شامل کردئے گئے یہ باتیں اصل انجیل کا جزو نہیں تھیں۔

٦ - پانچویں صدی مسیحی میں اناجیل مروجہ صورت پر موجود تھیں اوراس لئے اس صدی سے پہلے ہی ان میں تحریف ہوچکی تھیں ۔(صفحہ ۴، ٦ ، ۸)۔

۷۔ زمانہ مابعد کے مسیحی انجیل شریف کو اس کی اصل حلت پر قائم نہیں رکھ سکے۔ کیونکہ ان کے آباواجداد نے حضرت محمد کے ظہور کی پیشگوئیاں پہلے ہی مٹادی تھیں ۔(صفحہ ۲۷، ۲۸)۔

۸۔ جس طرح زبور سے توریت اورپھر انجیل سے توریت منسوخ ہوچکی تھی اسی طرح اب قرآن سے کل کتبِ مقدسہ منسوخ ہیں(صفحات ۳۴تا ۳۹)۔

صحتِ کُتبِ مقدسہ

اس کتاب کا خاص مقصد ان مشکلات کے مطالعہ کرنے میں مسیحی مبشرین کی امداد کرنا ہے جو مسلمانوں کو مسیحی ایمان اور عقیدہ کے متعلق پیش آتے ہیں اور ساتھ ہی مسیحی تعلیمات کے متعلق ان کے حقائق کو جو مسلمانوں کے اعتراضات سے وابستہ ہیں ازسر نو ایسے پیرائے میں بیان کرنا بھی اس کتاب کے لکھنے کی غرض ہے جس سے ان کے سمجھنے میں کم از کم غلط فہمی کی کوئی معقول وجہ باقی نہ رہے۔

ان اعتراضات کا کچھ حصہ تو روایتی ہے جو اسلام کے ابتدائی دنوں سے متواتر منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے چند اعتراضات تو ایسے ہیں جن کی بناء یا تو ابتدائی غلط فہمی ہے اور چونکہ یہ غلط فہمی اب تک قائم ہے لہذا یہ اعتراضات بھی بدستور چلے آرہے ہیں ۔ یا ان کی غلط بیانی ہے مگر ضروری نہیں کہ یہ غلط بیانی بہر صورت دانستہ کی گئی ہو۔ لیکن حال ہی میں ان باتوں کو جو ہم مسیحیوں کو نہایت عزیز ہیں دلخراش نکتہ چینی کی گئی ہے ۔ اس کا سبب بالخصوص انیسویں صدی کے ان مسیحی حامیانِ دین کی تصنیفات ہیں جنہوں نے اپنی تقریر اور تحریر سے صرف مسیحی اعتقادات کی حمایت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلام اور بانی اسلام کے نقائص اور عیوب بیان

کرکے ۔ مسیحیت کی اسلام پر فضیلت ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے ۔ مسلمانوں کے اس نئے رجحان اوراس کی اہمیت پر بھی ہم غور کرینگے ۔

بہر حال ان مضامین پر غور کرنے سے پیشتر جن کا تعلق صحیح طور پر مسیحی عقیدہ سے ہے ہمیں مسلمانوں کے اس امتیازی اعتراض کا جو تعصب پر مبنی ہے اور بائبل کے خلاف ہے۔ کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو متواتر یہ تعلیم دی گئی ہے اور بہت سے مسلمان اس کے قائل بھی ہیں کہ عہد قدیم اورعہد جدید کے مقدس نوشتے جو اب رائج ہیں اصلی نہیں ہیں۔اس خیال کی تائید میں جو دلائل عموماً پیش کئے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

اوّل۔ موجودہ انجیل محرف ہے۔ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ کسی نہ کسی زمانہ میں کتب مقدسہ کے اندر تبدیلیاں کی گئی ہیں اور ان میں کچھ گھٹایا یا بڑھایا گیا ہے۔ خصوصاً مسیح کی الوہیت اور ابنیت اور تثلیث کی تعلیم اورآپ کی صلیبی موت اور پھر آپ کے دوبارہ زندہ ہونے کے بیانات اس قسم کے ہیں جن کا اضافہ انجیل میں کیا گیا ہوگا اور حضرت محمد ﷺ کے متعلق ایسے بیانات جو ان کی رسالت پر دلالت کرتے تھے نکال دئیے گئے ہیں۔

دوم۔ قرآن کے نازل ہونے سے کتبِ مقدسہ منسوخ ہو گئی ہیں۔ یعنی قرآن ناسخ ہے اور بائبل منسوخ اوراس حیثیت سے کتبِ مقدسہ کے احکام ساقط العمل ہوگئے ہیں۔ اسی خیال سے ملتا جلتا ایک اور خیال بھی مسلمان پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن خود ان تمام سچائیوں اور ضروری تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ جوسابقہ کتب مقدسہ میں موجود تھیں بلکہ اس میں ان کی کل سچائیوں اور تعلیمات کی تکمیل بھی ہے۔

بعض اوقات کچھ مسلمان نئے عہد نامہ کے انکار کی ایک عجیب وجہ بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح اپنے صعودِ آسمانی کے وقت اصل انجیل اپنے ہمراہ آسمان پر لے گئے۔

لفظ تحریف سے مسلمانوں کا خواہ کوئی مطلب کیوں نہ ہومگر ان کے نزدیک کتبِ مقدسہ کے محرف ہونے کی دلیل وہ باتیں ہیں جنہیں وہ سوچتے ہیں کہ قرآن کتب سابقہ کی تحریف کے بارے میں سکھاتاہے۔ حالانکہ یہ ان کا اپنا خیال ہے اور قرآن کی اصل تعلیم کے برعکس ہے۔ بہر حال ان کے نزدیک قرآن کا فیصلہ آخری اور قطعی ہے کیونکہ وہ مانتے ہیں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں صرف خود خدا ہی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

بالکل دوسری قسم کی دلائل کی بنا پر اس معاملہ کے فیصلہ کرنے کا حق اگرچہ ہمیں حاصل ہے تو بھی قرآن کے ان مختلف حوالوں کا مطالعہ کرنا جن میں ہماری کتب مقدسہ کا بیان آیا ہے خود ہمارے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ اس چھوٹی سی کتاب میں ہم اپنی تحقیقات کا خلاصہ ہی پیش کرنے پر اکتفا کرینگے اور قرآن کی وہ آیتیں جن کا تعلق ہمارے اس مضمون سے نہیں ہے نظر انداز کردی جائینگی۔

قرآن سے کُتب مقدسہ کی تائید

ان مذکورہ بالا باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ جاننا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ قرآن میں کتبِ مقدسہ کا ذکر ہمیشہ تعظیم کے ساتھ آیا ہے۔ ان کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد کم از کم کتبِ مقدسہ کے الہامی اور صحیح ہونے کے قائل تھے۔ اس مضمون کا غیر طرفداری کے ساتھ مطالعہ کرنے والا پہلے انہی آیتوں کو جانچنا چاہیگا اور تب ان کی روشنی میں ان آیتوں کی طرف متوجہ ہوگا جن میں مسلمانوں کے اپنے یقین کے مطابق بائبل کے متن کی تحریف کا الزام پایا جاتاہے ۔ ہم بھی یہی طریقہ اس اعتراض کی تحقیق میں استعمال کرینگے۔

شروع میں ہم ذیل کی حقیقتوں کو غور کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔

۱ ۔ قرآن میں اس بات کا اقرار پایا جاتاہے کہ خود خدا نے کتبِ مقدسہ اپنے پیغمبروں کو دیں۔

ا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ ۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی توریت دی ۔ سجدہ آیت ۲۳۔ مقابلہ کرو۔ بقرہ آیت ۵۰، ۸۱۔ ہودآیت ۱۱۲ ۔ انبیاء آیت ۴۹۔ الفرقان آیت ۳۷۔ والصفت آیت ۱۱۷ ۔ المومن آیت ۵۶۔ حم سجدہ آیت ۴۵۔ جاثیہ آیت ۱۵ ۔

ب۔ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۔ اورہم نے داؤد کو زبوردی۔ بنی اسرائیل آیت ۵۷۔ اورملاحظہ ہو۔ النساء آیت ۱۶۱ ۔

ج۔ وَآتَيْنَاهُ الإِنجِيلَ۔ اورہم نے اس کو (یعنی مسیح) کو انجیل دی۔ المائدہ آیت ۵۰ مقابلہ کرومریم آیت ۳۱۔حدید آیت ۲۷ ۔

د۔ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۔ اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری۔ آلِ عمران آیت ۲۔

۲۔ کتبِ مقدسہ کا ذکر ہمیشہ قرآن میں تعظیم کے ساتھ آیا ہے ۔ مثلاً توریت کے لئے ذیل کے توصیفی القاب استعمال ہوئےہیں۔

ا۔ کتاب اللہ، مائدہ آیت ۴۸۔ بقرۃ آیت ۹۵ ۔ آل عمران آیت ۲۲۔

ب۔ کلام اللہ ۔ بقرہ آیت ۷۰۔

ج۔ فرقان یعنی حق وباطل میں فرق کرنے والی کتاب ۔ الانبیاء آیت ۴۹۔ بقرۃ آیت ۵۰۔ فرقان کا یہ لقب قرآن کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

د۔ کتاب المنیر ۔ یعنی نورانی کتاب۔ آل عمران آیت ۱۸۱ ۔ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں لکھتےہیں کہ یہاں کتاب المنیر سے تورات اور انجیل مراد ہیں۔

ہ۔ کتاب تورات موسیٰ لے کرآئے اور وہ لوگوں کے لئے نور ہے اور ہدایت ہے۔ (الانعام آیت ۹۱)۔ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی۔جس سے نیکو کاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی اوراس میں کل باتوں کے تفصیلی احکاموجود ہیں۔ اور لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔(الانعام آیت ۱۵۵)۔

۳۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں کتبِ مقدسہ کے الہامی ہونے اور ان کے اختیار اور صحیح استعمال کا ذکر پایا جاتاہے ۔ جوحضرت محمد کے زمانہ میں اہل کتاب کے پاس موجود تھیں ۔ مثلاً

ا۔ ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوح اور دوسرے پیغمبروں کی طرف جوان کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی۔ سورۃ نساء آیت ۱۶۱ مقابلہ کرو۔انبیاء آیت ۷۔ شوریٰ آیت ۱ ۔آل عمران آیت ۶۶ ۔

ب۔ وہ (یہود) کتاب توریت کے وارث بنے۔ اعراف آیت ۱۶۸ مقابلہ کروشوریٰ آیت ۱۳ ۔

ج۔ ان کے (یعنی یہود کے) پاس توریت ہے اوراس میں حکم خدا موجود ہے۔مائدۃ آیت ۴۷۔ عمران آیت ۷۵۔

د۔ ذیل کےمقامات سے ظاہر ہوتاہے کہ یہودی اور مسیحی اپنی کتب مقدسہ پڑھا کرتے تھے۔ بقرۃ آیت ۴۱، ۱۰۷، ۱۱۵ ۔ سورہ یونس آیت ۹۳ مقابلہ کروعمران آیت ۱۰۹ ۔

ہ۔ وہ یہودی " جو کتاب توریت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں "۔ ان کے ثواب ضائع نہیں ہونگے۔ اعراف آیت ۱۶۹ ۔ یہی بات یہودیوں اور مسیحیوں کے حق میں سورہ المائدہ کی آیت ۷۰ میں آئی ہے "۔ اگر یہ توریت اورانجیل اور ان صحیفوں کو جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے اترے ہیں قائم رکھتے توضرور ہم ان کو ایسی برکت دیتے کہ ان کے اوپر سے رزق برستا اور پاؤں کے تلے سے ابلتا۔ اور یہ فراغت سے کھاتے "۔

و۔ یہودیوں اور مسیحیوں کو صرف قرآن ہی پر ایمان لانے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ توریت اور انجیل پر بھی عمل کرنے کی تائید کی گئی ہے۔ اے اہل کتاب جب تک تم توریت اور انجیل اوران صحیفوں کو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئے قائم نہ رکھو گے تو تم کو کچھ بہرہ نہیں "۔ مائدۃ آیت ۷۲۔ مقابلہ کروسورۃ نسا کی ۱۳۵ ویں آیت سے۔

ذ۔ خود حضرت محمد ﷺ کو قرآن میں حکم ہوا ہے کہ کتب مقدسہ سابقہ پر ایمان لائیں اورانہوں نے بھی ان کتابوں پر اپنے ایمان کا بلا کسی قید کے اقرار کیا ہے"۔کہدواے محمد کہ کتاب کی قسم میں جو کچھ خدا نے اتارا ہے میرا توسب پر ایمان ہے"(شوریٰ ۴۲آیت)۔" ان سے کہو کہ جو کتاب ہم پر نازل ہوئی ہے اورجو کتابیں تم پر نازل ہوئیں ہم توسبھی کو مانتے ہیں ۔ اورہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں"(عنکبوت ۵۴آیت)۔ کیونکہ ہم اللہ پر ایمان لائے اورجو کتاب ہم پر اتری ہے اس پر

اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اترے ان پر اور موسیٰ اور عیسیٰ اور پیغمبروں کو جو کتابیں ان کے پروردگار کی طرف سے عنایت ہوئیں ان پر ہم تو ان سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کو مانتے ہیں "(آل عمران ۸۴آیت)۔ بالخصوص سورہ آل عمران کی ۱۱۵آیت کا یہ جملہ قابلِ غور ہے ۔ تم (یعنی حضرت محمد) خدا کی ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اسی طرح سورہ یونس کی ۹۴آیت بھی اسی بات پر شاہد ہے جہاں لکھاہے " جو ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے۔ اگر اس کی نسبت تم کو کسی قسم کا شک ہو تو تم سے پہلے جو لوگ ان کتابوں کو پڑھتے ہیں (یعنی یہودو نصاریٰ) ان سے پوچھ دیکھو"۔

ح۔ سورہ نسا کی ۹۴آیت میں انجیل کے انکار کرنے پر یہودیوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے " کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔۔۔۔سو ایسے لوگ کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار رکھاہے"۔

۴۔ قرآن کتبِ مقدسہ کے متعلق ذیل کی باتوں کا مدعی ہے۔

ا۔ کتب سابقہ کا مصدق ہے"، تم پر یہ کتاب برحق اتاری جو ان کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوچکی ہیں"(آل عمران ۲آیت) جو کتابیں اس سے پہلے موجود ہیں یہ قرآن ان کی تصدیق ہے(یونس ۳۸آیت) اور یہ کتاب (قرآن) توریت کی تصدیق کرتی ہے (احقاف ۱۲آیت)ہم ایک کتاب (قرآن) سن آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگلی کتابیں جو اس کے زمانہ میں موجود ہیں ۔ ان کی تصدیق کرتی ہے (احقاف ۲۹آیت)۔ وہ کتابیں جو اس کے پہلے کی موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے(الانعام ۹۲آیت)۔ اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا ہے اور وہ اس کتاب توریت کی تصدیق کرتاہے جو تمہارے پاس ہے ۔(البقرة ۳۸آیت)۔ خدا کی طرف سے ان کے پاس قرآن اترا اور وہ اس کی جو ان کے پاس ہے، تصدیق کرتاہے(البقرة ۸۳آیت)۔ یہ قرآن اسی نے خدا کے حکم سے تمہارے دل میں ڈالا ہے اور ان کتابوں کی بھی تصدیق کرتاہے جو اس کے زمانہ نزول سے پہلے موجود ہیں (البقرة ۹۱، ۹۵آیات) اے اہل کتاب قرآن جو ہم نے نازل فرمایا ہے وہ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق کرتاہے (النسا ۵۰آیت)۔

ب ۔ کتب سابقہ کا مہمین یعنی محافظ ہے۔ ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق اتاری کہ جو کتابیں اس سے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی (مہمین) محافظ بھی ہے ۔(المائدة ۵۲آیت)۔ بیضاوی (متوفی ۱۳صدی مسیحی)۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ کل کتب مقدسہ کا قرآن ایسا محافظ ہے کہ ان کی تغیر ہونے سے بچائے اور ان کی سچائی اور ان کے مستند ہونے کی تصدیق کرے۔

ان ساری عبارتوں کا مفہوم جو قرآن میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔ یقین دلاتاہے کہ کتب مقدسہ الہامی ہونے کے باعث حضرت محمد ﷺ کے نزدیک

صحیح اور مستند تھیں بلکہ اہلِ کتاب کے ساتھ حضرت محمد کی حجت یہی تھی کہ قرآن پر بھی ایمان لاؤ کیونکہ یہ ان کتابوں کی جو اس سے قبل نازل ہوئی تھیں تصدیق کرتاہے ۔ چنانچہ سورۃ النساکے ساتویں رکوع کی پوری آیت جسے ہم ادھوری اوپر نقل کرچکے ہیں پھر ملاحظہ ہو۔

اے اہل کتاب ۔ قرآن جو ہم نے نازل فرمایا ہے اور وہ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق کرتاہے اس پر ایمان لے آؤ۔

لفظ تحریف کا قرآنی مطلب

اب ہم قرآن کی ان عبارتوں کے مطلب کو زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جن میں کتبِ مقدسہ کا ذکر کیا گیاہے۔ اور جنہیں مسلمان اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ کتبِ مقدسہ کے متن میں دیدہ ودانستہ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ قرآن کے جن مقامات کا ہم نے اب تک مطالعہ کیاہے ان سے یہی نتیجہ نکلتاہے کہ حضرت محمد نے کتبِ مقدسہ کے محرف ہونے کی تعلیم قطعی نہیں دی ہوگی۔ بہر حال ذیل میں ہم قرآن کی چند ایسی آیتوں کے مفہوم پر غور کرینگے جو اس قسم کی خاص اور نمونے کی آیات ہیں کہ جنہیں مسلمان کتبِ مقدسہ کی تحریف کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

ا۔ سورۃ البقرۃ کی ۷۰ آیت میں کتب مقدسہ میں تحریف کرنے کا الزام یہودیوں پر مجمل الفاظ میں لگایا گیاہے ۔ جو حسب ذیل ہے:

" ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوگذرے ہیں کہ کلام خدا سنتے تھے ۔ پھر اس کے سمجھے پیچھے دیدہ دانستہ اس کو کچھ کا کچھ (یعنی محرف) کردیتے تھے"۔

ب۔ جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ اس گاؤں میں چل کر رہو اور اس کی پیداوار میں سے جہاں سے تمہارا جی چاہے کھاؤ اور منہ سے حطتہ کہو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمہارے قصور معاف کردینگے اور جو لوگ خلوصِ دل سے ہمارے حکم کی تعمیل کرینگے۔ ہم ان کو زیادہ بھی دینگے جو لوگ ان میں سے ظالم تھے بدل کر لگے کچھ اور کہنے (سورۃ الاعراف ۱۶۱ ، ۱۶۲ آیات) ۔ مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کی تواریخ کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو سکھایا گیا تھا کہ وہ حطتہ یعنی ہمارے گناہ معاف ہوں ، کہیں لیکن انہوں نے دیدہ ودانستہ بدل کر حبت یعنی ہم کو دانہ خوشہ میں مطلوب ہے کہنے لگے ۔ سورہ بقرہ کی ۵۶ آیت کی تفسیر میں جلال الدین نے جو کچھ لکھاہے اس کا مقابلہ اس مقام سے کرنا چاہیے۔

ج۔ اور ان ہی اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے جو کتاب یعنی توریت پڑھتے وقت اپنی زبان کو مروڑتے ہیں تاکہ تم سمجھوکہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب الہیٰ کا جزو ہے ۔ حالانکہ وہ کتاب الہیٰ کا جزو نہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ جو ہم پڑھ رہے ہیں اللہ کے ہاں سے اترا ہے حالانکہ وہ اللہ کےہاں سے نہیں اترا، اورجان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں"(آلِ عمران آیت ۷۲) اس آیت کا مقابلہ سورہ نساء کی آیت ۴۸، ۴۹ آیتوں سے کیجئے ۔آیات مافوق میں سے پہلی

آیت یعنی آل عمران کی ۷۲ویں آیت کا مطلب یہ ہے کہ مصنوعی طریقہ سے یاغلط تلفظ کرکے عبارت اس طرح پڑھتے تھے کہ جس سے ظاہر ہو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں کتاب اللہ کا جزو ہے حالانکہ درحقیقت وہ کتاب اللہ کا جزو نہیں ہوا کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہودی اپنی کتب مقدسہ میں سے پڑھنے کا بہانہ کرتے تھے مگر درحقیقت جو کچھ وہ پڑھا کرتے تھے کتب مقدسہ میں سے نہیں ہوا کرتا تھا۔

د۔ پس[1] افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھیں پھر لوگوں سے کہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تھوڑے سے دام حاصل کریں پس افسوس ہے ان پر کہ انہوں نے اپنے ہاتوں لکھا اور افسوس ہے کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں (البقرآیت ۷۳)۔ یہ ان یہودیوں کے متعلق ہے جو اپنی دینی روایت یا ربیوں کی کتاب کی عبارت لکھ کر حضرت محمد کے پاس لے جاتے تھے اوراس کے مستند اورالہامی ہونے کا دعویٰ کرکے انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے۔

ہ۔ سچ جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ (البقرآیت ۳۹) تفسیر روفی میں اس آیت کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ اس سچائی کو کہ حضرت محمد کی توصیف توریت میں لکھی ہے۔ اس کے انکار کے جھوٹ سے مت ملاؤ۔ اس آیت کا مقابلہ سورۃ بقرہ کے ۱۶ ارکوع کی اس آیت سے کیجئے "۔ اوراس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔ جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی موجود ہو اوروہ اس کو چھپائے۔

حق کو چھپا کر تحریف کرنے کی اور مثالیں حسب ذیل ہیں:

" ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جودیدہ دانستہ حق کو چھپاتے ہیں" (بقرۃ ۱۴۱ آیت)۔

" ہم نے کھلے ہوئے احکام اور نیز ہدایت کی باتیں اتاریں اور کتاب توریت میں ہم نے لوگوں کو صاف صاف سمجھادیں۔ اس کے بعد بھی جو ان کو چھپائیں تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتاہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں "(بقرۃ ۱۵۴ آیت)۔

" جو لوگ ان احکام کو جو خدا نے اپنی کتاب (توریت) میں نازل کئے چھپاتے اوراس کے بدلے تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرتے ہیں یہ لوگ اور کچھ نہیں مگر اپنے پیٹوں میں انگار سے بھرتے ہیں اور قیامت کے دن خدا ان سے بات بھی نہیں کریگا۔ اور نہ ان کو گناہوں کی آلائش سے پاک کریگا اوران کے لئے عذاب دردناک ہے"(بقرۃ ۱۶۹ آیت)۔

" اے اہل کتاب کیوں حق وباطل کو گڈمڈ کرتے اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم حقیقتہ الحال سے واقف ہو"(آل عمران ۶۴ آیت)۔

---

[1] مولوی نذیر احمد صاحب اپنے قرآن کے ترجمہ میں اس آیت پر یہ حاشیہ لکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ آیت سن کر کانپ اٹھنا چاہیے کہ بے کم وکاست یہی کیفیت ان کی قرآن کے ساتھ ہے۔

"بھلا وہ کتاب توریت خدا نے نہیں اتاری تو کس نے اتاری جسے موسیٰ لے کرآئے اور وہ لوگوں کے لئے نور وہدایت ہے اور تم نے اس کے ورق بنار کھے ان میں سے جو تمہارے مطلب کے ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر کرتے ہو اور بہتیرے اوراق جو تمہارے مدعا کے خلاف ہیں ان کے لوگوں سے چھپاتے ہو"(الانعام آیت ۹۱)۔

" احکام توریت کے الفاظ کو ان کے ٹھکانے سے بے جگہ کرتے ہیں " مائدہ آیت ۴۷۔

ابن اسحاق اس آیت کے متعلق بتاتے ہیں کہ جب یہودیوں سے کہا گیا کہ موسوی شریعت کی کتاب میں آیت الرجم کو پڑھیں تو پڑھتے وقت ایک یہودی نے اپنا ہاتھ اس آیت پرر کھ دیا تو عبد اللہ بن سلام نے جو یہودیت ترک کرکے مسلمان ہوئے تھے اس کے ہاتھ کو جھٹک کر ہٹادیا اور کہا۔ دیکھئے یارسول اللہ یہ ہے آیت الرجم جس کے پڑھنے سے یہ انکار کرتا ہے۔

و۔ یہود میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو الفاظ کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں ۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِه) اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعنے کی راہ سے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا(ہم نے سنا مگر تسلیم نہیں کیا۔ سن خدا کرے تم بہرے ہوجاؤ۔ لفظ راعناذو معنی ہے کہ مگر فرمائیے اوراحمق شیخی باز) کہہ کر تم سے خطاب کرتے ہیں اوراگر وہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (ہم نے سنا اور تسلیم کیا) اور وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا (دونوں الفاظ کے معنے ہیں پھر فرمائیے) کہہ کر خطاب کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی سیدھی ہوتی (نسا آیت ۴۸، ۴۹)۔

اس موقعہ پر یہودیوں کے متعلق شکایت کی گئی ہے کہ وہ حضرت محمد کے ساتھ بے ادبی سے پیش آتے ہیں اور گفتگو کے تعظیمی محاورہ کو گستاخانہ الفاظ سے بدل دیتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ملاحظہ ہو سورۃ المائدۃ آیت ۴۵جہاں یہ لکھا ہے" اے پیغمبر جو لوگ کفر پر لپکتے ہیں ان کی وجہ سے تم آزاد خاطر نہ ہو۔ بعض تو ایسے منافق ہیں کہ جو اپنے منہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اوران کے دل ہیں کہ مطلق ایمان نہیں لائے۔ اور بعض یہودی ہیں جھوٹی باتوں کی کنسوئیاں (کسی بات کی ٹوہ لگانا اور اس کے درپے ہونا کہ فلاں جگہ کیا تذکرہ تھا) پیتے پھرتے ہیں۔ اور کنسوئیاں بھی لیتے پھرتے ہیں تو دوسرے لوگوں کے واسطے جو تمہارے پاس تک نہیں آئے۔ احکام توریت کے الفاظ کو ان کی جگہ سے بے ٹھکانے کرتے ہیں"۔

الفاظ کو ان کی جگہ سے پھیرنے کا الزام مذکورہ بالا عبارت میں عام معنوں میں لگایا گیا ہے اور جو مثالیں اس موقعہ پر اس قسم کی تحریف کی دی گئی ہیں۔ کتبِ مقدسہ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔

کتُبِ مقدسہ کے متن میں کوئی تحریف نہیں کی گئی

قرآن کے مذکورہ بالا مقامات سے دو نتیجے نکلتے ہیں ۔ اوّل ۔ یہ کہ جن لوگوں پر حضرت محمد نے تحریف کا الزام لگایا ہے وہ یہودی تھے مسیحی نہیں۔ قرآن میں کہیں بھی مسیحیوں پر اس قسم کا الزام نہیں لگایا گیا ہے ۔ دوم ۔ لیکن پھر بھی کتبِ مقدسہ کے متن میں تحریف کرنے کا الزام یہودیوں پر بھی کہیں بھی قرآن میں نہیں لگایا گیاہے۔ بلکہ اس تعظیم کی روشنی میں جو حضرت محمد ﷺ نے ان کتبِ سابقہ کی کی ہے کہ جس کا ثبوت ابھی ہماری نظر سے گذر چکا ہے ۔ یہ خیال کرنا کہ حضرت محمد کی مراد ان آیتوں سے کتب مقدسہ کے متن کی تحریف ہے محال ہے ۔

بلکہ اس کے برعکس ہم بلا تعصب یہ کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت یہ الزامات جن کا ذکر ابھی ہم نے قرآن کی آیتوں میں پڑھا ہے ان کتب مقدسہ کی صحت پر شاہد ہیں جو حضرت محمد کے زمانہ میں مروج تھیں چنانچہ آیاتِ مذکورہ سے یہ چند باتیں نکلتی ہیں۔

غلط تلفظ کوئی کر نہیں سکتا۔ جب تک کہ صحیح الفاظ تلفظ کے لئے موجود نہ ہوں ۔ اسی طرح کوئی شخص غلط یا بگاڑ کر لکھ نہیں سکتا جب تک کہ صحیح متن سامنے موجود نہ ہو اور پھر کوئی سچائی چھپا نہیں سکتا جب تک سچائی چھپانے کو نہ ہو۔

۱۸۵۵ء میں سر ولیم میور جیسے محتاط فاضل قرآن کی ان تمام آیتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد جن میں کتبِ مقدسہ کا ذکر پایا جاتا ہے اسی نتیجہ پر پہنچے تھے جو ہماری تحقیقات کا نتیجہ ہے یعنی قرآن کی تعلیم کے مطابق کتبِ مقدسہ کے متن میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

دَورِ جدید کے ایک فاضل مسلمان کی شہادت

ہندوستان کے مشہور مسلمان فاضل سر سید احمد خان بانی علی گڑھ کالج نے سر ولیم میور کے خیال کی تائید کی ہے۔ ۱۸۶۲ء میں تحریف کے مضمون پر آپ نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں مسلمانوں کے لئے ثابت کیا تھا کہ قرآن میں یہودیوں اور مسیحیوں پر کتب مقدسہ کی متن میں تحریف کرنے کا الزام نہیں لگایا گیا ہے۔

سر سید احمد فرماتے ہیں کہ قدیم اسلامی مصنفین نے دو قسم کی تحریف مانی ہے۔ یعنی تحریف لفظی اور تحریف معنوی۔ تحریف لفظی سے اس قسم کی تحریف مراد ہے کہ کتاب کے اصل یعنی متن میں کسی طرح کا تغیر و تبدل کیا جائے ۔ تحریف معنوی اس قسم کی تحریف ہے کہ کتاب کے الفاظ یا متن میں تو کوئی تبدیلی نہ کی جائے لیکن اس کے تلفظ یا معنی بدل دئے جائیں۔ان دو قسم کی تحریف کی تشریح میں ذیل کی باتیں آپ پیش کرتے ہیں۔

تحریف لفظی ذیل کی صورتوں میں واقع ہوتا ہے۔

اوّل۔ یہ کہ کتب مقدسہ میں کچھ لفظ یا عبارت اپنی طرف سے بڑھادیں۔

دوم۔ یہ کہ ان میں سے کچھ لفظ یا عبارت گھٹادیں۔

سوم۔ یہ کہ لفظوں کو بدل دیں یعنی اصلی لفظ نکال کر ان کے بدلے اور لفظ داخل کردیں۔

تحریف معنوی کی قسمیں حسب ذیل ہیں:

اوّل۔ یہ کہ کتب مقدسہ میں تو کچھ تغیر وتبدل نہ کریں مگر ان کے الفاظ کو یعنی کلامِ الہیٰ کو پڑھتے وقت تغیر کرکے لوگوں کو پڑھاسناویں۔

دوم۔ یہ کہ کتب مقدسہ کے بعض ورسوں(آیتوں) کو بتادیں اور بعض کو چھپادیں۔

سوم۔ یہ کہ کلام الہیٰ میں جو احکام ہیں لوگوں کو ان کے بدلے اور احکام بتادیں یہ کہہ کر کہ حکم الہیٰ یوں ہی ہے۔

چہارم۔ یہ کہ الفاظ مشترک المعنی کےوہ معنی بیان کریں جو مقصود نہیں ہیں۔

پنجم۔ یہ کہ آیات خفیہ اور متشابہ کی غلط تاول کریں۔

سرسید احمد کی رائے کے مطابق تحریف کی یہی ممکن صورتیں ہیں۔ اور یہ کہ اس وقت جرُم سمجھا جائے گا جب اس قسم کا کام دیدہ ودانستہ قصداًمتن کے صحیح معنی کو صریحاً بگاڑنے کی غرض سے کیا جائے اور پھر آگے چل کر آپ فرماتےہیں۔ " یہ مطلب نہیں کہ یہ آٹھوں قسموں کی تحریفیں کتب مقدسہ میں واقع ہوئی ہیں۔ کیونکہ ہمارے مذہب کے بموجب پہلی تین قسموں کی تحریف کا کتب مقدسہ میں واقع ہونا ثابت نہیں ہے۔ ہمارے مذہب کے بعض قدیم عالموں نے کتبِ مقدسہ میں پہلی تین قسموں کی تحریف کا ہونا بھی مانا ہے۔۔۔مگر غور کرنے سے معلوم ہوتاہے کہ یہ تینوں دلیلیں ان لوگوں کی ٹھیک نہیں ہیں اور قرآن مجید میں جس تحریف کا ذکرآیا ہے اس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتیں۔۔۔۔۔ بلکہ ہمارے قرآن مجید میں اس تحریف سے بحث ہے جو عموماً یہودیوں اور عیسائیوں میں رائج ہوگئی تھی ۔۔۔۔۔ ہمارے مذہب کے بڑے بڑے علماء محققین نے کتبِ مقدسہ میں پہلی تین قسموں کی تحریف کے واقع ہونے سے انکار کیاہے"۔

یہ فاضل مصنف آگے چل کر مشہور مسلمان مصنفوں کے بیانات اپنے دعویٰ کے دلیل میں پیش کرتے ہیں ۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں کہ امام محمد اسماعیل بخاری(۸۱۰ء تا ۸۷۰ء) نے اپنی کتاب میں تحریف کی تفسیر کیوں لکھی ہے کہ تحریف کے معنی ہیں بگاڑدینے کے اور کوئی شخص نہیں ہے جو بگاڑے اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے لفظ کسی کتاب کا۔ لیکن یہودی اور عیسائی خدا کی کتاب کو اس کے اصلی اور سچے معنوں سے پھیر کر تحریف کرتے تھے"۔ اسی طرح آپ امام فخر الدین رازی (۱۱۵۰ء تا ۱۲۱۰ء) کا حوالہ بھی پیش کرتےہیں کہ آپ اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے" ۔ جو لوگ ان احکام

کو جو خدا نے اپنی کتاب (تورات) میں نازل کئے چھپاتے اور اس کے بدلے تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرتے ہیں یہ لوگ اور کچھ نہیں مگر اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں (بقر رکوع ۲۱ یا آیت ۱۶۹)۔ لکھتے ہیں کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل کتاب توریت اور انجیل کی عبارت میں تحریف کرتے تھے مگر متکلمین کے نزدیک یعنی ان عالموں کے نزدیک جو مذہبی امور کی تحقیق کرنے والے ہیں یہ بات یعنی توریت وانجیل کی عبارتوں کا بدل ڈالنا ممتنع ہے۔ کیونکہ وہ دونوں کتابیں نہایت مشہور ہوگئی ہیں اور تواتر کو پہنچی ہیں یہاں تک کہ ان کی عبارتوں کا بدلنا متعذر ہو گیا ہے بلکہ وہ لوگ جو اصلی مطلب تھا اس کو چھپاتے تھے۔

سرسید احمد نے اپنے خطبہ کے باقی حصہ میں یہ دکھایا ہے کہ ان مذکورہ بالا مصنفوں اور دیگر مستند عالموں کی رائے میں جس تحریف کا قرآن میں ذکر ہے اس سے مراد معنی کا بگاڑنا اور غلط تاویل ہے۔

چنانچہ سرسید احمد مرحوم امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے اس سلسلہ میں وہ اقتباس پیش کرتے ہیں جہاں امام صاحب نے سورۃ آل عمران کی ۶۴ آیت اور سورۃ البقرۃ کی ۳۹ آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں وَلاَ تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ نہ ملاؤ صحیح میں غلط لکھاہے کہ " اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ نہ ملاؤ صحیح میں غلط۔ بسبب ان شبہوں کو جو سننے والوں پر ڈالتے ہو۔ اور یہ بات اس سبب سے تھی کہ توریت وانجیل میں جو آیتیں محمد ﷺ کے باب میں آئی ہیں وہ آیات خفیہ ہیں۔ ان کے جاننے میں استدلال کی طرف حاجت ہوئی ہے۔ پھر وہ لوگ ان میں جھگڑا کرتے تھے اور مشوش کردیتے تھے۔ دلیلوں کو سوچنے والوں پر۔ بسبب ڈالنے شبہوں کے اور یہی مراد اللہ تعالیٰ کے قول کی ہے۔ کہ نہ ملاؤ صحیح میں غلط۔ پس اس آیت سے صرف غلط معنی بیان کرنے مراد ہیں نہ یہ کہ لکھی ہوئی کتاب میں کچھ ملادیتے تھے"۔ تبئین کلام صفحہ ۸۶، ۸۷۔

غرضیکہ بیان مافوق سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اپنی کتاب کی عبارت کو چھپاتے تھے اور ان کے متعلق جھوٹ بولتے تھے اور لفظوں کو توڑ مروڑ کر ان کی غلط تفسیر کرتے تھے۔ قرآن میں ان کی مثال ایسے گدھوں سے دی گئی ہے کہ جن کی پیٹھ پر قیمتی کتابیں لدی ہیں۔ مگر ان کے مضامین اور قدر سے مطلق ناآشنا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الجمہ آیت ۵۔

حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں صورت حالات

امام فخر الدین کی تفسیر مذکورہ جو بڑی سادگی کے ساتھ کی گئی ہے۔ صفائی سے اس صورت حالات کا پتہ دیتی ہے جو اس وقت پیدا ہو گئی تھی۔ جب مدینہ میں حضرت محمد کا بالخصوص یہودیوں سے مقابلہ پڑا۔ یہودیوں کے ساتھ آپ کی ایک بحث تھی اور اسی بحث کے ایک خاص پہلو کا اظہار قرآن کی ان آیات مذکورہ سے ہوتا ہے کہ جن پر ہم غور کرچکے ہیں۔ آپ کا جب مکہ میں قیام تھا تو آپ کے دل میں یہودیوں کی اس وجہ سے بڑی عزت تھی کہ وہ لوگ یا

خدا کے ماننے والے اور کتب سماویہ کے معتقد تھے۔اور ان یہودیوں سے آپ نے ان کی کتبِ مقدسہ کی ان پیشگوئیوں کی بابت سنا تھا جو ایک آنے والے پیغمبر کے متعلق تھیں ۔ جسے خدا برپا کرنے کو تھا۔ یہودیوں نے آپ کو اپنے کتب مقدسہ اور اپنی گذشتہ تواریخ کی طرف مائل پاکر اوران چیزوں کی عزت کرتا دیکھ کر کچھ عرصہ تک توآپ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ اب آپ کا یہ دعویٰ توپہلے ہی تھا کہ خدا کی طرف سے آپ بلائے گئے ہیں اورپیغام الہیٰ کے ساتھ آپ لوگوں کے پاس بھیجے گوے ہیں۔ مگر بعد میں آپ یہ بھی دعویٰ کرنے لگے کہ یہودیوں کے پاس جو صحف سماوی ہے ان میں آپ ہی کے آنے کی خبر موجود ہے ۔ مفسرین کے بیان کےعلاوہ خود قرآن میں بڑی صفائی سے اس کا بیان آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف کی ۵۶ آیت میں لکھاہے (ان سے ہماری مراد اس زمانہ کے وہ اہل کتاب تھے) جو (ہمارے ان) رسول نبی امی (محمد) کی پیروی کی بشارت کو اپنے ہاں تورات اورانجیل میں لکھا ہوا پاتےہیں۔ اسی طرح اور ملاحظہ ہو۔ سورہ یونس آیت ۹۴۔ سورہ الانعام آیت ۲۰۔ سور الرعد آیت ۳۶۔ سور البقرہ آیت ۱۷۔ سورہ بقرہ آیت ۱۶۹ کے الفاظ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ۔ یعنی جوکچھ نازل کی اللہ نے کتاب کی تفسیر میں بیضاوی اور جلا الدین کہتے ہیں کہ ان سے مراد آنحضرت کے وہ اوصاف ہیں کہ جن کا ذکر توریت میں ہے۔

لیکن یہ دعویٰ کچھ اس قسم کا تھا کہ یہودی بحیثیت مجموعی اس کا قطعی انکار کرتے تھے ۔ چنانچہ قرآن خود یہودیوں کےاس انکار پر شاہد ہے "۔ اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول (حضرت محمد) آئےوہ اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتے ہیں تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو ایسا پیٹھ پیچھے پھینکا کہ گویا ان کو کچھ خبر ہی نہیں"(سورۃ البقرۃ آیت ۹۵)۔

اس آیت میں صریحاً حضرت محمد کی طرف اشارہ ہے اوراس پرُزور جملہ کے مطابق یہودی آپ کے متعلق پیشینگوئیاں کے منکر ہیں ۔ بہر صورت یہودیوں کے اس انکار کی معقول وجہ تھی انہیں اپنی کتبِ مقدسہ سے یہ معلوم تھا کہ نبی موعود حضرت اسحاق کی نسل سے جو وعدہ کا فرزند تھا ہونے والا تھا۔ یعنی یہ نبی یہودیوں میں سے برپا ہونے کو تھا نہ کہ ہاجرہ کی اولاد بنو اسماعیل سے کیونکہ خدا نے فرمایا تھا۔ میں اس اسحاق سے ---- اپنا عہد قائم کرونگا (پیدائش ۱۷: ۲۱)۔ خدا نے ابراہیم سے کہا ---- تیری نسل اسحاق سے کہلائیگی (پیدائش ۲۱: ۱۲)۔ علاوہ اس کے جب یہودیوں نے دیکھا کہ آپ حضرت عیسیٰ ابن مریم کو جنہیں ان کی قوم رد کرچکی تھی مسیح موعود مانتے ہیں تو ان کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سیدنا عیسیٰ مسیح کا قرآنی بیان ۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۰، سورۃ النساء آیت ۱۵۶، ۱۶۹۔

تحریف کے الزام کا اصلی سبب

جن باتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ ان کی روشنی میں قرآن کے اس الزام کا سبب صفائی سے سمجھ میں آنے لگتاہے ۔ حضرت خود توپڑھ نہیں سکتے تھے اسلئے یہودیوں کی کتب مقدسہ کی بعض باتوں کے دریافت کرنے یا کسی امر کی تصدیق کرانے کے لئے یہودیوں ہی کے محتاج تھے مثلاً موسوی شریعت میں زنا کے جرم میں سنگسار کی سزاکے تحریری حکم کے موجود ہونے اور نہ ہونے کا سوال اس ہی قسم کا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سورۃ البقر آیت ۳۷ اور سورۃ المائدہ آیت ۴۵ ۔ بیضاوی اس دوسری آیت کی تفسیر میں لکھتےہیں کہ اس آیت کا تعلق کتبِ مقدسہ میں آیت الرجم کےموجود ہونے اور یہودیوں کا اس سے انکار کرنے اوراس مسئلہ پر حضرت محمد کےساتھ یہودیوں کابحث کرنے سے ہے ۔ مگر عموماً حضرت محمد کا سوال عہد قدیم کے ان مقامات کی صحیح تفسیر سے تعلق رکھتا تھا کہ جن سے خود آپ اورآپ کے پیرو یہ استدلال کرنا چاہتے تھے کہ جس آنے والے نبی کا ذکر ان مقامات میں پایاجاتاہے وہ آپ ہی ہیں۔ جب کبھی حضرت محمد یا آپ کے پیرو یہودیوں سے ان مقامات کو پڑھ کر سنانے یا نقل کرنے کوکہتے تھے جہاں ان کے خیال میں نبی موعود کا ذکرہے اور وہ اس کا انکار کرتے تو ان یہودیوں پر بدلنے یاچھپانے یا تبدیل کرنے اور غلط تلفظ کرنے کا الزام لگایاجاتا تھا ۔ قرآن کا بیان ہے کہ کتبِ مقدسہ کی اس صحیح تفسیر کو رد کرنے کی غرض سے جو حضرت محمد پیش کرتے تھے ۔ یہودیوں نے روش اختیار کی تھی۔

قرآن سے معلوم ہوتاہے کہ یہودیوں کی اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور حضرت محمد کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سورۃ آل عمران آیت ۲۲ ۔ کیا تم نے ان (علمائے یہود کے حال) پر نظر نہیں کی جن کو فہم کتاب (تورات) سے ایک حصہ ملا تھا ان کو کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتاہے تاکہ وہی ان کا جھگڑا اچکادے اس پر بھی ان کا ایک گروہ پھر بیٹھتاہے اور وہ حکم سے منحرف ہیں۔ پھر ملاحظہ ہو اسی سورۃ کی ۸۰ آیت ۔ خدا ایسے لوگوں کو کیوں ہدایت دینے لگا جو ایمان لائے پیچھے لگے کفر کرنے اور وہ اقرار کرچکے تھے کہ پیغمبرو برحق ہے اوران کے پاس (اس کے) کھلے ثبوت بھی آچکے اور اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ غرضیکہ اس بات کا کافی ثبوب موجود ہے کہ یہودیوں نے حضرت محمد کو دق کیا اور طرفین کی رنجش کا ذکر قرآن میں موجود ہے ۔ ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ کی ۸۵ویں آیت " (اے پیغمبر) مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے اعتبار سے یہود اور مشرکین کو تم سب لوگوں میں بڑا سخت پاؤ گے۔ لیکن حضرت محمد کے اس دعویٰ کی ان کے کتبِ مقدسہ میں ان کی بعثت اور رسالت کی پیشینگوئیاں موجود ہیں انہوں نے استقلال کے ساتھ مخالفت کی ۔ ان کی اس مخالفت کا جو کچھ انجام ہوا وہ ایک تواریخی واقعہ ہے ۔ یعنی یہودیوں کی تائید حاصل کرنے کی اپنی ساری کوششوں

میں جب حضرت محمد کا نام رہ گئے تو بے رحمی کے ساتھ ان کا خاتمہ کردیا۔ یہودیوں کی لگاتار مخالفت پر حضرت محمد کے غصہ بھڑکنے کی حقیقت کا ثبوت قرآن سے بھی ملتا ہے۔ سورۃ النساء کی ۵۰ آیت میں لکھاہے۔" اے اہل کتاب جو ہم نے نازل فرمایاہے اوروہ اس کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق کرتاہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ اس سےپہلے کہ منہ بگاڑ کر ہم الٹے ان کی گدیوں میں لگادیں۔ اور جس طرح ہم نے اصحاب سبت کو پھٹکاردیا تھا اسی طرح ان کو بھی پھٹکاردیں"۔ پھر ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ کی ۳۷ اور ۱۵۴ آیات۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مدینہ کے بہتیرے یہودی درحقیقت اپنی مذہبی کتاب کی حمایت میں شہید ہوگئے۔

کُتبِ مقدسہ کی صحت کے خلاف احمدیوں کے بناوٹی دلائل

مذکورہ بالا حقائق اور دلائل قرآن اور اسلامی تفاسیر سے ہی ماخوذ ہیں۔ اور ہر غیر متعصب شخص کو اس بات کا یقین دلانے کے لئے کافی ہیں کہ مسیحیوں کا تو کیا ذکر یہودیوں پر بھی قرآن کی کسی آیت میں کتب مقدسہ کے متن کی تحریف کرنے کا الزام نہیں لگایا گیا ہے۔ بلکہ ہمیں امید ہے کہ سرسید احمد جیسے فاضل مسلمان کے مدلل اور محتاط بیان سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس بات کے سمجھنے میں مدد ملیگی کہ کتبِ مقدسہ میں درحقیقت دیدہ ودانستہ کسی قسم کی تحریف نہیں کی گئی ہے۔

لیکن احمدی خیالات کے پیرو اس نتیجہ سے جو دلائل مذکورہ سے نکلتاہے انکار کرنے پر تلے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کی ان بہتیری آیتوں میں جہاں الفاظ کے بدلنے کا ذکر آیا ہے وہاں کتب مقدسہ کی بعض عبارتوں کی مختلف طریقہ پر تاویل کرنے کی طرف اشارہ پایا جاتاہے۔ مثلاً مولانا محمد علی اپنے انگریزی قرآن کے فائدہ نمبر ۷۳ میں سورۃ بقرہ کی ۹۳ آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔" حق کو باطل سے ملانے کا مطلب یہ ہے کہ پیشینگوئیوں کو اپنی جھوٹی تاویل کے ساتھ غلط ملط کردیتے تھے اسی طرح حق کو چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ خود پیشینگوئی پر پردہ ڈال دیتے تھے کیونکہ وہ اکثر اپنے پیروؤں کو حکم دیتے تھے کہ جن پیشینگوئیوں کا ان کو علم ہے انہیں مسلمانوں پر نہ ظاہر کریں"۔ تو بھی اس معاملہ میں یہ احمدی ایک بڑی تاریخی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کہ کتبِ مقدسہ کے متن کی موجودہ تنقید کے نتائج کا اطلاق ان حالات پر کرتے ہیں جو حضرت محمد کی ساتویں صدی مسیحی میں پیش آئے تھے۔

چنانچہ مولانا محمد علی سورۃ نساء کی ۴۸ آیت کے متعلق (دیکھو صفحہ ۱۳) جہاں یہودیوں پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ایک لفظ کو دوسرے سے بدلتے اور زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں اپنے انگریزی قرآن فائدہ نمبر ۵۸۲ میں لکھتے ہیں"۔ کتب سابقہ کی تحریف کا ذکر قرآن شریف میں بارہا آیا ہے اور الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ تحریف سے متن کا بگاڑ اور جھوٹی تاویل دونوں باتیں مراد

ہیں۔ بائبل کے حامیوں کے لئے اس قسم کی تحریف کا انکار کرنا جب کہ اس کی صریح نظیریں دکھادی گئی ہیں ۔ خلاف عقل ہے۔ کتبِ مقدسہ کی تحریف کا بیان بالخصوص قرآن شریف میں اس مقام پر اور سورۃ البقرۃ آیات ۷۵ تا ۷۹ اور سورۃ المائدہ آیات ۱۳ ، ۱۴ ، میں آیا ہے ۔ تصدیق کا لفظ جو یہاں اور دوسرے مقامات میں آیا ہے اس سے کسی طرح بھی تحریف اور متن کی تبدیلی کا لفظ جو یہاں اور دوسرے مقامات میں آیا ہے اس سے کسی طرح بھی تحریف اور متن کی تبدیلی کا انکار ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ تبدیلیاں اس قدر صریح ہیں کہ ان کے ثابت کرنے کے لئے سنجیدگی سے بحث کرنا فضول ہے"۔

بہر حال بغور مطالعہ کرنے کے بعد بھی اس صریح ثبوت کے معلوم کرنے سے قاصر ہیں کہ جس کی موجودگی کا اس مصنف کو ایسی بڑی آسانی سے یقین آگیا ہے۔

قرآن کی سابق تفسیروں کی طرح مولانا محمد علی کی یہ تفسیر بھی کتبِ مقدسہ کے ان مقامات کا ذکر بار بار کرتی ہے جن میں ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی پیشینگوئیاں پائی جاتی ہیں ۔ چنانچہ مولانا موصوف اپنی انگریزی تفسیر کے فائدہ نمبر ۱۴۳ سورۃ البقرۃ کی ۹۵ آیت کے متعلق لکھتے ہیں ۔" آیت ماسبق میں میثاق کے بھلادینے اور کتاب کے پس پشت ڈال دینے کا ذکر آیا ہے۔ ان دونوں کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بنی اسرائیل استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ کی پیشینگوئی کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے جو آنحضرت کے ظہور سے پوری ہوگئی ۔ یہ پیشینگوئی ایسی صفائی سے آنحضرت پر صادق آتی ہے کہ قرآن کی اس صورت میں اس کا ذکر یہودیوں کی معاندانہ روش کے خلاف ایک زبردست دلیل کے طور پر بار بار آیا ہے"۔

اسی طرح سورۃ الاعراف آیت ۱۵۶ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے قرآن کے فائدہ نمبر ۹۵۱ میں لکھتے ہیں "آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق عہد قدیم اور عہد جدید میں بہت سی پیشنگوئیاں موجود ہیں-----۔ انجیل آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشینگوئیوں سے بھری پڑی ہے ۔ مثلاً متی ۱۳ باب آیت ۳۱ (رائی کے دانہ کی تمثیل)۔ متی باب ۲۱ آیات ۳۴تا ۴۰۔ مرقس ۱۲ باب آیت ۱ ۔ لوقا باب ۲۰ آیت ۹ ۔ (انگوری باغ کے ٹھیکیداروں کی تمثیل ۔جہاں حضرت محمد ﷺ کو اشارتاً باغ کا مالک کہا گیا ہے)۔ یوحنا باب ۱ آیت ۲۲ (غالباً مصنف کی مراد ۲۱ آیت سے ہے۔) باب ۱۴ آیات ۱۶ ، ۲۶ ۔ (تسلی دینے والا)۔ ان سب میں اسی قسم کی پیشینگوئیاں پائی جاتی ہیں"۔

مسیح مناظرین گذشتہ زمانہ میں قرآن کی کچھ آیتیں کتبِ مقدسہ کی صحت کی تائید میں پیش کیا کرتے تھے اگرچہ ایسا کرنا ایک حد تک غیر دانشمندی کا کام تھا۔ لیکن اب اس بات کا جاننا ۔ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قرآن کے اس جدید مفسر نے اس بات کے ثابت کرنے میں بڑا زور لگایا ہے۔ کہ ان آیتوں کا مطلب دراصل کچھ اور ہے چونکہ مسلمان مصنفین آج کل مولانا محمد علی کی رائے اکثر پیش کیا کرتے ہیں لہذا ہم ذرا غور کریں کہ مولانا موصوف ان

آیتوں کی کس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ان سے کتبِ مقدسہ کی تائید مفہوم جاتارہاہے ۔ اپنے انگریزی قرآن کے فوائد نمبر ۶۹۷ تا ۷۰۳ میں سورۃ المائدۃ کی ۴۸تا ۵۳آیتوں کے متعلق جو کچھ لکھاہے اس کا کچھ اقتباس ان کی اس بناوٹی دلیل کا ایک عمدہ نمونہ ہے ۔آپ لکھتے ہیں " یہاں پہلا بیان یہ ہے کہ توریت کتابِ الہیٰ ہے کہ جس میں نور اورہدایت ہے۔ یہ ایک ایسا بیان ہے کہ جس کا انکار کسی مسلمان نے نہیں کیاہے۔ لیکن جس بات کا انکار کیا جاتاہے وہ یہ ہے کہ نور اورہدایت ہمیشہ سے جیوں کے تیوں محفوظ چلے آرہے ہیں ۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ روشنی اورہدایت ان کتابوں میں تھیں لیکن صرف ایک قوم یعنی بنی اسرائیل کے لئے اور وہ بھی ایک محدود زمانہ تک کے لئے "۔ اس موقعہ پر اس بات کا ذکر ہے کہ علمِ الہیٰ کے معلمین اور علما کا فرض تھا کہ کتاب اللہ کے ایک حصہ یعنی توریت کی حفاظت کرتے۔ اب اس بیان سے یہ نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی انہوں نے کتاب کی اس طرح حفاظت کی کہ صحت کے ساتھ اسے دوسروں تک پہنچاتے رہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا کرنا ان کا فرض تھامگر قرآن میں یہ کہیں بھی نہیں آیاہے کہ وہ اس کی حفاظت کرنے میں کامیاب بھی ہوئے "۔ دوسری بات یہاں قابل غور یہ ہے کہ علماپر بھی من کتاب اللہ یعنی کتاب کے ایک حصہ کی حفاظت فرض تھی کل کتاب مقصود نہیں ہے ورنہ حرف" من "کا جزئی معنی میں اضافہ نہ ہوتا۔ قرآن کو کتب سابقہ کا مہیمن یعنی محافظ کہاہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ کتب سابقہ میں جو ایسی تعلیم ہے کہ نسلِ انسانی کے حق میں ہمیشہ مفید ثابت ہوگی وہ قرآن میں محفوظ ہے اورایسی تحریف سے اب مامون ہے جو کتب سابقہ میں ہوچکی ہے۔ کتب سابقہ میں نور اورہدایت صرف انہی لوگوں کے لئے تھی کہ جن کے لئے وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں اور ان کو حکم تھا کہ اپنی ان کتابوں کے مطابق فیصلہ کریں۔مگر اب قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو تمام سچائیوں کا اورجہاں کہیں بھی یہ سچائیاں موجود تھیں تصفیہ کرتی ہے۔ اور اس لئے اب صرف یہی ایک کتاب ہے جس کی پیروی کرنی چاہیے "۔

مولانا محمد علی نے فقرہ من کتاب اللہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھاہے اس کے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ حرف من بیشک تبیض یعنی جزو کے معنی میں استعمال ہوتاہے تو بھی مسلمان مفسرین کی کثیر تعداد اس موقعہ پر اس استعمال کے خلاف ہے ۔مثلاً زمخشری ، بیضاوی شر بینی اس موقعہ پر من کو ظاہر ابیانیہ کے معنی میں لیتے ہیں یعنی جزئی معنی میں نہیں لیتے۔ اسی طرح طبری فخر الدین رازی اور دوسرے مفسرین من کو اس موقعہ پر بیانیہ کے معنی میں تو لیتے ہیں مگراس کی کوئی تفصیل نہیں کرتے۔

مسئلہ تحریف کے متعلق مسلمانوں کی ایک دقت

اس قدیم بحث سے ایک اور حقیقت کا انکشاف ہوتاہے کہ جس کا ذکر بار بار اس کتاب میں آئیگا وہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بائبل کے درمیان کئی اہم باتوں میں سخت اختلاف ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو آج کل کے سنجیدہ

اور تعلیم یافتہ مسلمانوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور نہ ہی پوشیدہ ہے۔ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ جتنا اس پر غور کرتاہے اتنا ہی یہ دقت پریشان طلب معلوم پڑتی ہے ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ ایسی حالت میں انہیں کیا کرنا چاہیے ۔ کیا وہ بائبل کے حق میں قرآن کی شہادت کو مان لیں لیکن اس سے ان کی اپنی کتاب یعنی قرآن کا انکار لازم لاتاہے ۔ اور یا وہ قرآن کی شہادت ہی کا انکار کردیں لیکن اس صورت میں بھی وہ قرآن کے منکر بنتے ہیں۔ اس دشواری سے بچنے کے لئے ان مسلمانوں نے یہ صورت نکالی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بائبل اور قرآن میں ایک کتاب ضرور محرف ہے اور جو کتاب محرف ہے وہ ماننے کے لائق نہیں۔ اب ان کی دلیل کے مطابق قرآن تو محرف ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کا درجہ نہایت ہی افضل ہے ۔ اس لئے بائبل ہی محرف ہے اور یوں بائبل کی تحریف کا الزام وہ مسیحیوں پر لگاتے ہیں لیکن کوئی بھی اس قسم کی دلیل کو صحیح تسلیم نہیں کرسکتا۔

اس کے برعکس مسیحیوں کے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتاہے کہ بائبل بہ حیثیت مجموعی آج بھی ویسے ہی موجود ہے جیسے حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں تھی ۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن بائبل کے حق میں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہے ۔مثلاً مہیمن ، مصدق ، تو بھی قرآن میں بائبل کے متعلق جتنے اختلافات ہیں یہ سب حضرت محمد ﷺ کے زمانہ سے چلے آرہے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی زمانہ میں بھی قرآن کا بائبل کےساتھ اتفاق نہیں تھا۔

لیکن جب آج کل کے مسلمان مسیحیوں پر بائبل کی تحریف کا الزام لگاتے ہیں تو اس کا فیصلہ کن جواب عربی قرآن کے متعلقہ الفاظ کے صحیح معنوں پر بحث کرکے نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ بائبل اور قرآن کے غیر متعصب محققین اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی اس مسئلہ پر غور کرینگے تو انہیں معلوم ہوجائیگا کہ یہ مسئلہ ہی ایسا ہے کہ نہ تو بائبل کے مضامین کی صحت اور نہ ہی اس کے متن کے متواتر نقل ہونے کی تواریخ کے معاملہ میں ساتویں صدی کا قرآن کسوٹی ٹھہرائی جاسکتی ہے۔

اس قسم کی قطعی دلیلیں اور ثبوت موجود ہیں جن کا کاٹنا محال ہے جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ کتبِ مقدسہ کے متن میں دیدہ دانستہ تحریف کرنے کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ اوّل اس لئے کہ یہ بات خلاف عقل ہے۔ دوم اس لئے کہ واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔

لفظی تحریف کا الزام خلافِ عقل ہے

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہودی اس الزام سے بری ہیں اور چاہیے کہ ان پر اس طرح کا الزام نہ لگایا جائے ۔ کیونکہ اوّل تو انکی اپنی مقدس کتاب تحریف کے گناہ سے انہیں جابجا خبردار کرتی اور روکتی ہے ۔ استثنا کی کتاب کے چوتھے باب کی دوسری آیت میں لکھاہے ۔ تم اس کلام میں جو میں تمہیں فرماتا ہوں کچھ

زیادہ نہ کیجیئیو اور نہ اس میں کمی کیجیو۔ اسی طرح ملاحظہ ہو استثنا باب ۴ آیت ۲، ۱۲ باب ۳۲۔ امثال ۳۰ باب ۵، ۶ آیات۔ دوم بالخصوص اس لئے کہ جس عجیب اخلاص اور عقیدہ کے ساتھ انہوں نے اپنی مقدس کتاب کی احتیاط کی ہے وہ محتاجِ ثبوت نہیں۔ قدیم یہودی علمانے جو تالمودی علما کہلاتے ہیں (۲۷۰ء تا ۵۰۰ء) عبرانی فقہیوں کے لئے نہایت اوق قواعد مقرر کئے تھے کہ عبرانی کتب مقدسہ کی متن کا نقل وہ صحیح طور پر کرسکیں۔ اوریہی متن متواتر نقل ہوتا ہے ان علماء تک پہنچا جو مسوریتی علماء کہلاتے ہیں ۔ یہ مسوریتی علماوہ تھے جنہوں نے کتبِ مقدسہ کی عبرانی متن کے لئے اعراب کی علامتیں ساتویں صدی کے شروع میں واضع کیں۔ انہوں نے کتبِ مقدسہ کی ہر کتاب کی آیات والفاظ اور حروف کو شمار کیا۔ اور ہر کتاب کے درمیانی لفظ اور درمیانی حرف کا حساب لگایا۔ پھر انہوں نے ان آیتوں کو بھی گنا جن میں حروف تہجی کے کل یا چند خاص حروف پائے جاتے تھے وغیرہ۔ گو یہ باتیں ہمیں ظاہر افضول معلوم ہوں اور یہ ہیں بھی فضول تو بھی ان کے ذریعہ متن کے صحیح نقل کرنے میں بڑی مدد ملتی تھی اور ذرا ذرا سی بات بھی نقل کرنے والے کے ذہن میں آجاتی تھی۔ بلکہ فی الحقیقت ان باتوں سے کتب مقدسہ کے لئے یہودیوں کے بے حد احترام کا پتہ لگتاہے جوواقعی قابل تعریف ہے۔ مسوریتی علما کواس بات کی بڑی فکر تھی کہ توریت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حرف یا کسی حروف کا شوشہ بھی نقل کرنے میں جاتا نہ رہے۔ جب اس درستی کےساتھ کتاب نقل کرلی جاتی تھی تواس کے محفوظ رکھنے میں بڑی احتیاط برتی جاتی تھی کہ کسی اور مختلف متن کے داخل ہونے کا احتمال نہ رہ جائے اور اس بات کا پورا یقین رہے کہ کتاب مقدس کا متن بغیر کسی لفظی غلطی یا اختلافِ قرات کے نہیں بلکہ کم ازکم بلا کسی اصل تحریف کے متواتر لوگوں تک پہنچتی رہیگی۔

اسی طرح مسیحیوں کو بھی اپنی کتب مقدسہ میں دانستہ تحریف کرنے کے گناہ سے خبردار کیا گیا اوروکا گیا ہے چنانچہ مکاشفہ کی کتاب کے ۲۲ باب ۱۸، ۱۹ آیات میں لکھاہے۔

میں ہر ایک آدمی کے آگے جواس کتاب کی نبوت کی باتیں سنتا ہے گواہی دیتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی ان میں کچھ بڑھائے تو خدا اس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اس پر نازل کریگا اور اگر کوئی اس نبوت کی کتاب کی باتوں میں سے کچھ نکال ڈالے تو خدا اس زندگی کے درخت اور مقدس شہر میں سے جن کا اس اقتباس میں ذکر ہے اس کا حصہ نکال ڈالیگا۔

یہ الفاظ ایسے سنجیدہ اور تنبیہی ہیں کہ مسیحیوں نے شروع ہی سے ان کا اطلاق پورے نئے عہد نامہ پر کیا ہے۔ ان کے علاوہ ہمیں موجودہ زمانہ کے تجربہ کار علما کی ان تھک کوششوں پر بھی اس سلسلہ میں غور کرنا چاہیے یعنی اول ان کی وہ کوششیں جو مشرق ادنی میں کتب مقدسہ کے قدیم نسخوں کی تلاش سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوم ان کی اس محنت پر بھی غور کرناچاہیے کہ جس محنت کے ساتھ ان قدیم نسخوں کی ایک کثیر تعداد کو بڑی باریکی سے بلا کسی تعصب کے انہوں

نے جانچا اوران کی تحقیق کی ہے۔ سوم۔ یہ قدیم نسخے جو اس طرح دستیاب ہوئے اورجن کی اس طرح تحقیق کی ہے کہ کتب مقدسہ کے متن کے صحیح طورسے متواتر نقل ہونے پر حجت ہیں اوران کے حاصل کرنے اورپھر ان کی حفاظت کرنے میں جس جوش اور محنت سے کام لیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتاہے کہ دیدہ ودانستہ تحریف کا الزام مسیحیوں پر لگانا نہ صرف ناجائز بلکہ نا معقول ہے۔

(ب)۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ان حقائق مذکورہ کی موجودگی میں ہم یہ دریافت کرنے پر مجبور ہیں کہ یہودیوں یا مسیحیوں کو کس بات نے اپنی کتب مقدسہ کے متن میں تحریف کی ترغیب دی ۔ مسلمان یہ جواب دینگے کہ اس قسم کی تحریف کی کافی وجہ ایک یہ تھی کہ حضرت محمد کا نام ان کی کتابوں میں ظاہر ہونے نہ پائے یعنی یہودیوں نے عہد قدیم میں اور مسیحیوں نے عہد جدید میں حضرت محمد کے نعت کوچھپانے اورمٹانے کی غرض سے تحریف کی ہے۔

یہ دلیل کیوں اب تک پیش کی جاتی ہے اسکا سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ یعنی اس معاملہ میں قرآن کی تقلید کی جاتی ہے لیکن اس دعویٰ میں ایک بڑا مغالطہ یہ موجود ہے کہ یہ دعویٰ بدرجہ ثبوت قائم کیا گیا ہے۔ اس دعوےٰ کے کرنے سے قبل یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ کتبِ مقدسہ میں حضرت محمد کا اشارةً بھی کوئی ذکر موجود تھا۔ اوراس کے ثابت کرنے کا سارا بار نہ یہودیوں اور نہ ہی مسیحیوں پر بلکہ مسلمانوں کی گردن پر ہے یہودی اور مسیحی متحدہ طور پر نحمیاہ نبی کے یہ الفاظ جو یروشلیم کی دیواروں کو از سر نو تعمیر کرتے وقت سنبلط سے کھے گئے تھے۔ دوہرا سکتے ہیں۔ تیرے کھنے کے موافق کوئی بات نہیں ہوئی بلکہ یہ تو یہ باتیں اپنے دل ہی سے بناتاہے"۔ نحمیاہ باب ٦ آیت ٨۔

حضرت محمد کے متعلق مسلمانوں کے ان تمام دعاوی کی جو بائبل کی مختلف آیتوں پر مبنی ہیں اور جن میں استثنا باب ١٨ آیت ١٨ بھی شامل ہے کہ جس پر مولانا محمد علی بہت زور دیتے ہیں مسیحی مصنفوں نے بار بار جانچا اور ان کی تردید کی ہے [1] ۔ اور کوئی ضرورت نہیں کہ ہم ان پر یہاں بحث کریں تو بھی مسلمانوں کی متضاد باتیں اس معاملہ میں قابل غور ہیں۔ مسلمان ایک طرف تو بار بار یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کتبِ مقدسہ میں اس طور سے تحریف کی گئی ہے کہ حضرت محمد کی نعت اوران کتابوں سے نکال ڈالی گئی یا چھپادی گئی ہے پھر دوسری طرف ان کا یہ دعویٰ ہے جوپہلے دعویٰ کے سبب مضحکہ خیز معلوم دیتاہے کہ اسی بائبل میں جواب مروج ہے اورجو ایسی محرف ہے کہ ان کے لئے کوئی سند نہیں رکھتی ۔ حضرت محمد کے حق میں بہتیرے اشارے اور کنائے پائے جاتے ہیں۔اب ذرا غور کیجئے کہ ان کا یہ جوش جس کی بنیاد محض ایک مغالطہ پر ہے ان کو کہاں تک پہنچاتاہے۔ ایک مسلمان سیدنا عیسیٰ مسیح کے اس قول کی کہ اس دنیا کا سردار آتا ہے ۔ (یوحنا ١٤ باب ٣٠آیت)۔ یہ تفسیر

[1] " حضرت محمد اور کتاب مقدس" مصنفہ گولڈسیک

کرتاہے ۔" اس دنیا کے سردار سے مراد حضرت محمد ہیں۔ کیونکہ خدا نے ان کو دونوں جہان کا سردار مقرر کیاہے"۔ حضرت مسیح نے یہ نہیں فرمایاہوگا کہ ایک خراب شخص یا شیطان پر ایمان لاؤ۔ علاوہ اس کے خراب شخص یا شیطان دنیا کا سردار بن نہیں سکتا"۔ اس مصنف نے یہ باتیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ لکھی ہیں۔

(ج) ایک تیسری بات اور قابل غور ہے ۔ اس موقعہ پر یہودیوں کی اس حالت کو سامنے رکھ کر جو حضرت محمد کے زمانہ میں ان پر بیتی اب ذرا مسلمانوں کے اس دعویٰ پر غور کیجئے ۔ کیا یہ یہودی واقعی ایسے بے مغز تھے کہ وہ اس قسم کی حرکت کے مرتکب ہوئے کہ آپ کی پیشینگوئیاں کتب مقدسہ سے انہوں نے نکال ڈالیں کیونکہ جب ہم غور کرتے ہیں کہ حضرت محمد کو ان یہودیوں سے کیسی سخت نفرت تھی ۔ تویہی خیال آتاہے کہ اگر واقعی آپ کی نعت ان کی کتب مقدسہ میں موجود تھی تووہ ضرور آپ کی اطاعت منظور کرلیتے اورآپ کی رسالت کا انکار کرکے آپ کی ستم انگیز توجہ کا شکار نہ ہوتے ۔ غرضیکہ خودواقعات مسلمانوں کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان یہودیوں کی بیچارگی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ حضرت محمد کے متعلق پیشینگوئیوں کا خارج کرنا تودرکنار کوئی تعجب نہیں کہ بارہا انہیں اس قسم کی آزمائش آئی ہوگی کہ اس قسم کی پیشینگوئیاں وضع کرکے اپنی کتبِ مقدسہ میں داخل کرلیں تاکہ آئے دن کی مصیبت سے خلاصی ہو۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت محمد سے بہت عرصہ قبل یہودی اس بات سے واقف تھے کہ مسیحیوں کا دعویٰ ہے کہ عہد قدیم کی وہ پیشینگوئیاں جن کا تعلق مسیح کی آمد سے ہے وہ عیسیٰ ناصری میں پوری ہوگئی ہیں تو بھی انہوں نے اپنی کتب مقدسہ سے ان عبارتوں کو مٹانے کی کوشش نہیں کی۔ اگرچہ ان آیتو کی مسیحی تفسیر کا وہ برابر انکار کرتے رہے۔

(د)۔ اب چوتھی اورآخری بات ثابت کرنی رہ جاتی ہے کہ حضرت محمد کے زمانہ میں یا ان کے زمانہ کےلگ بھگ کسی وقت بھی کتبِ مقدسہ کی متن میں کسی قسم کی تحریف کرنا یہودیوں اور مسیحیوں کے لئے محال تھا۔ ہمارے اس قول کے دلائل حسب ذیل ہیں۔ حضرت محمد کے زمانہ سے پہلے ہی یہودی اور مسیحی دنیا کے ان تمام حصوں میں چھاگئے تھے جن کا لوگوں کو پتہ تھا۔ اورکتب مقدسہ میں تحریف کرنے کی غرض سے دنیا کی ان بکھری ہوئی اور پراگندہ اقوام کا اکٹھا ہونا محال تھا۔

بفرض محال اگر اس جماعت کے کچھ لوگ اکٹھے ہوکر کتب مقدسہ کے اپنے نسخوں میں تحریف کرلینے میں کامیاب بھی ہوجاتے توان نسخوں کی محرف عبارتیں دوسرے نسخوں سے مختلف ہوتیں اور زمانہ ان کو ظاہر کردیتا۔

علاوہ اس کے تحریف کے کرنے میں ایک اہم ترین رکاوٹ یہ تھی کہ یہودی اور مسیحی اقوام کی بولیاں مختلف تھیں ۔ یہودی اور مسیحی نہ صرف فلسطین، شام ، ایشیائے کوچک اور آرمینیا میں موجود تھے بلکہ سارے یوروپ،

شمالی افریقہ ، مصر، ملک حبش، عرب میسوپوطامیہ ، ایران، بلکہ ہندوستان میں بھی پائے جاتے تھے۔ اور جس ملک میں رہائش اختیار کرتے تھے عموماً وہیں کی زبان بھی بولتے تھے۔

اور پھر یہ بھی بات قابل غور ہے کہ بد قسمتی سے یہودی اور مسیحی ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ اس لئے اگرایک گروہ کتب مقدسہ میں کسی قسم کی تحریف یا تبدیل کرنے کی جرات کرتا تو دوسرا فوراً یہ راز فاش کردیتا۔ یہودیوں اور مسیحیوں کی اس باہمی مخالفت کی طرف قرآن میں بھی اشارہ پایا جاتاہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۷ " یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا مذہب کچھ نہیں حالانکہ وہ دونوں فریق کتاب (الہیٰ) کے پڑھنے والے ہیں "۔

لیکن اس مخالفت کے باوجود بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ یہودی عبرانی عہد قدیم کے اسی متن کو مانتے تھے اوراب تک استعمال کرتے ہیں جو متن مسیحیوں میں مروج ہے۔ اسی طرح مسیحیوں کی کل جماعتیں یونانی نئے عہد نامہ کے ایک ہی متن کو استعمال کرتی ہیں۔

علاوہ اس کے اس زمانہ میں مسیحی جماعت مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی تھی جن میں سے ہر فرقہ دوسرے کے خلاف تھا اب ان کا باہمی تنازع ان کو ایسے کام پر متفق ہونے سے روکنے کو کافی تھا۔

آخری وجہ تحریف کے محال ہونے کی یہ ہے کہ حضرت محمد کے زمانہ میں کئی یہودی اور مسیحی مسلمان ہوگئے تھے۔ اب اگر کوئی یہودی یا مسیحی کتب مقدسہ کے متن میں تحریف کرنے کی جرات کرتا تو یہ مرتد جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا کتبِ مقدسہ کا غیر محرف نسخہ پیش کرکے مسیحیوں یا یہودیوں کا ان میں تحریف کرنا ثابت کردیتا ۔ لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کہیں بھی تحریر نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی بات کبھی وقوع میں نہیں آئی کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

واقعات تحریف کے الزام کی تردید کرتے ہیں

تحریف کی تردید میں جو دلائل پیش کی گئی ہیں ان کی تائید کتبِ مقدسہ کے قدیم نسخوں سے بھی ہوتی ہے جواب تک موجود ہیں۔ ان میں بہتیرے نسخے آغاز اسلام سے بھی کہیں پہلے کے ہیں۔ ہم نے مان لیا کہ ان نسخوں کی شہادت اس قسم کی ہے ۔ جس کی جانچ اور قدرشناسی صرف چند تعلیم یافتہ مسلمان ہی کرسکتے ہیں تو بھی یہ شہادت چونکہ مسیحی ہے اس لئے اس کا بیان کرنالازم ہے ۔ کیونکہ جیسے جیسے تعلیم پھیلیگی اورلوگ تواریخی حقیقتوں کو سمجھنے لگینگے ۔ اتناہی زیادہ یہ دلیل مسلمانوں کوآخر کار قائل کرنے میں کامیاب ثابت ہوگی۔

قدیم نسخوں کی شہادت

۱ - اول پوری کتاب مقدس کے قدیم یونانی نسخے واقعی موجو دہیں جنہیں کاتبوں نے حضرت محمدﷺ سے پیشتر ایسے قدیم نسخوں سے نقل کیا ہے جواس سے بھی کہیں پیشتر کی نقل ہیں۔

ان نسخوں سے جو اسلام سے پیشتر کے ہیں ہمیں کتب مقدسہ کے مضامین اوران کی عبارتوں کا جیسی حضرت محمد کے زمانہ میں تھیں صحیح صحیح پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ حضرت محمد کے زمانہ میں بلکہ ان کی پیدائش سے بھی پیشتر یہ نسخے موجود تھے۔

ہر شخص جسے سفر کا مقدور ہے مغرب کے ان عجائب خانوں میں جا کر ان قدیم نسخوں کو دیکھ سکتاہے جہاں بڑی احتیاط کے ساتھ یہ محفوظ ہیں۔ ذیل میں ان نسخوں میں سے چند کا جو نہایت مشہور ہیں ہم ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ نسخہ اسکندریہ جو لندن کے برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ پانچویں صدی مسیحی کے وسط (۶۲۲ء) میں یعنی سن ہجری سے ۱۷۰ سال قبل یہ نسخہ نقل کیا گیا تھا۔

(ب)۔ نسخہ ، سینائی ، یہ نسخہ بھی برٹش میوزیم میں ہے۔ ۱۹۳۳ء میں ایک لاکھ پونڈ یعنی قریب پندرہ لاکھ روپے سے یہ نسخہ خریدا گیا تھا۔ چوتھی صدی مسیحی کے وسط میں یعنی سن ہجری سے ۲۷۰سال قبل یہ نقل کیا گیا ہے۔

(ج) وطبقائی نسخہ۔ شہر رومتہ الکبریٰ کے پوپ کے کتب خانہ طبقن میں موجود ہے۔ چوتھی صدی کے آغاز میں یعنی سن ہجری سے ۳۰۰سال قبل کی یہ نقل ہے۔

یہ نسخے ایک ایسے پائدار قرطاس پر لکھے ہوئے ہیں جوچمڑے سے بنائے جاتے تھے اور دنیا کے علماء جو فن آثار قدیمہ میں ماہر ہیں ۔ان کی قدامت پر متفق الرائے ہیں۔ یہ نسخے کم از کم اتنے قدیم تو ضروری ہیں۔ جتنا ہم نے بیان کیاہے اور ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ پرانے ہوں۔

اگرچہ عہد قدیم کا سب سے پرانا عبرانی نسخہ جس میں توریت ، زبوراور دیگر صحفِ انبیاء بنی اسرائیل شامل ہیں نویں صدی مسیحی کا ہے۔ لیکن علما کی متفقہ رائے یہ ہے کہ مروجہ عبرانی نسخے ۱۰۰ ء سے بلا کسی لفظی تغیرو تبدل کے متواتر نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عہد قدیم کے پرانے یونانی نسخہ کا جو سیپٹواجنٹ کہلاتاہے ۲۵۰ ق۔م۔ اور ۲۰۰ ق۔م کے درمیان عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا گیا تھا یعنی یہ ترجمہ سن ہجری سے آٹھ سو سال قبل کا ہے۔

دوم۔ ان مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ کتب مقدسہ کے بہت سے قدیم ترجمے بھی موجود ہیں۔ اسلام سے بہت پیشتر عبرانی اوریونانی سے مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ ان میں مشہور ترجمے ، سریانی، لاطینی اور قبطی زبانوں میں ہیں ۔ علما کی رائے یہ ہے یہ ترجمے تیسری صدی مسیحی کے آخر میں کئے گئے

تھے۔ لیکن سریانی اورلاطینی ترجموں کا زمانہ ممکن ہے کہ دوسری صدی مسیحی کا ہے۔ ان ترجموں کے سب سے قدیم قلمی نسخے جو موجود ہیں پانچویں چھٹی صدی مسیحی کے ہیں۔

(۳۔)سوم۔ کتبِ مقدسہ کے غیر محرف ہونے کی آخری دلیل یہ ہے کہ قدیم مسیحی ابا کی تصنیفات میں کتبِ مقدسہ کے اقتباسات بکثرت موجود ہیں ان کتابوں میں کتب مقدسہ کے حوالے بکثرت ایسی صفائی سے پائے جاتے ہیں کہ ان سے کتب مقدسہ کے ان مقامات متقبسہ کی قرات کا پتہ چلتا ہے جو ان کے زمانہ میں مروج تھیں۔ ان مسیحی ابا کے زمانہ پر ذرا غور کیجئے اور دیکھئے کہ اسلام سے کتنے عرصہ پیشتر ان کا زمانہ تھا۔ آئی رینس تقریباً ۱۳۵ء تا ۲۰۲ء۔ اسکندریہ کا کلیمنٹ تقریباً ۱۵۵ء تا ۲۲۰ء اوریجن ۱۸۵ء۔ ٹرٹولین تقریباً ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء۔ سپریان تقریباً ۲۰۰ء تا ۲۵۸ء۔ یوسی بیس ۲۷۰ء تا ۳۴۰ء۔ خری سسٹم تقریباً ۳۴۷ء تا ۴۰۷ء۔ جیروم تقریباً ۳۴۵ء تا ۴۲۰ء آگستین ۳۵۴ء تا ۴۳۰ء۔

ان مذکورہ بالا نسخوں ، ترجموں اور اقتباس کے انبار کا ماہرین نے جانچ کرکے پتہ لگایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کتب مقدسہ اپنی کل ضروری باتوں کے اعتبار سے جیسی تب تھی ویسے ہی اب بھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کل چیزیں اس حقیقت کے مسلم الثبوت گواہ ہیں کہ کتب مقدسہ جب سے ضبط تحریر میں آئی ہیں یعنی کم از کم اسلام سے صدیوں پیشتر مسیحیوں کی تیوری تیوں چلی آرہی ہیں اور ان کے متن میں دانستہ کبھی بھی کسی قسم کی تحریف نہیں کی گئی ہے۔

کُتبِ مقدسہ منسوخ بھی نہیں ہوئی ہیں

کتبِ مقدسہ کے متعلق مسلمانوں کے ایک اور مختلف دعویٰ پر ذرا غور کیجئے ۔ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے سابقہ کتبِ مقدسہ منسوخ ہو گئی ہیں۔ اور چونکہ اس طرح ان کا اختیار جاتا رہا ۔ اس لئے اب ان کے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

برعکس اس کے قرآن ہی کی شہادت کی بناء پر ہم ایسے نتیجہ پر پہنچے ہیں جو مسلمانوں کے اس خیال سے بالکل مختلف ہے بلکہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں اس قسم کی تعلیم کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ ہم آگے چل کر دیکھینگے کہ قرآن اس خیال کی ذرا بھی تائید نہیں کرتا علاوہ اس کے یہ خیال انسانی سمجھ اور کتبِ مقدسہ کی صریح تعلیم کے بھی خلاف ہے۔

مسلمان اس تعلیم کی تشریح کرنے کے لئے شاہی خاندانوں کی تبدیلیوں اور بادشاہوں کے عروج وزوال کی مثال اکثر دیتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت نظر انداز کردیتے ہیں کہ اس قسم کی سیاسی تبدیلیوں کے باوجود ان حکومتوں کے مختلف دور میں ان کے مشترکہ قوانین پر ان تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن مسلمانوں کی اس تمثیل کا اطلاق بائبل پر بالکل غیر موزون ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری بحث کا تعلق خدا کی ذات سے جو علیم کل ہے اوراس کی پاک

الہامی کتاب سے ہے۔ خدا ہمیشہ سے لازوال اور واحد شہنشاہ ہے اور اسکی ان سچائیوں میں جو وہ اپنے بندوں پر ظاہر کرتاہے کوئی وقتی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یعقوب کے خط کے مطابق خدا نوروں کا باپ ہے جس میں نہ کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے اور نہ گردش کے سبب اس پر سایہ پڑتاہے۔(باب ۱ آیت ۱۷)۔

کیا کوئی انسان مسلمان کسی یہودی یا مسیحی سے کہہ سکتا ہے کہ مثلاً کہ توریت کے دس احکام انجیل سے منسوخ کردئیے ؟ ہر گز نہیں کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے بھی جو کوئی اس پر غور کریگا اسے معلوم ہوجائیگا کہ اس منسوخ کے خیال کی ذرا بھر گنجائش نہیں۔ کتبِ مقدسہ کی موزون تمثیل ایک ایسے پھلدار درخت سے دی جاسکتی ہے کہ جس میں جڑ، تنہ ، ڈالیاں اورپتے سب کچھ موجودہوں اب اس کے کل حصے مفید طور پر کارآمد توہیں مگر لوگ اس کی جڑ نہیں بلکہ پھل کھا کر جیتے ہیں۔ پھر بھی پھل کا انحصار جڑ تنے ، ڈالیوں اور پتوں پر ہے۔ یہی حال کتاب مقدس کا ہے کیونکہ خدا کا زندہ کلام اس میں یکتائی پیدا کرتاہے۔ پھر بھی یہ زندہ کلام صرف سیدنا عیسیٰ مسیح میں کامل طور پر ظاہر ہوتاہے۔

علاوہ اس کے ہمارے سیدنا عیسیٰ مسیح نے بھی اس معاملہ میں جو کچھ فرمایا ہے یادرکھنا چاہیے "۔ یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں ۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں "۔(متی باب ۵ آیت ۱۵)۔

کتب مقدسہ کے منسوخ ہونے کا خیال کس طرح مسلمانوں میں مروج ہو اس کا پتہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ کتب مقدسہ اور قرآن کے اختلافات ہر گز مٹائے نہیں جاسکتے۔ اوراس لئے یا تو تحریف کا الزام غلط ثابت ہونے پر یا تحریف کے الزام کے ساتھ ہی تنسیخ کی دلیل بھی پیش کی جاتی ہے اور پھر قرآن کی بعض آیتوں سے بھی تنسیخ کے ثابت کرنے میں مدد لی جاتی ہے۔ عام طور پر قرآن کے جو حوالے کتبِ مقدسہ کے منسوخ ہونے کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں حسب ذیل ہیں:

جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ جو احکام نازل فرماتا ہے اس کی مصلحتوں کو ہی خوب جانتا ہے ۔ اور کافر تم سے کہنے لگتے ہیں کہ بس تو تو اپنے دل سے بنایا کرتاہے (یعنی تومفتری ہے) سورۃ النحل آیت ۱۰۳ ۔

" ہم کوئی آیت منسوخ کردیں یا تمہارے ذہن سے اس کو اتاردیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی نازل بھی کردیتے ہیں "(سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۰ اور ملاحظہ ہو سورۃ الرعد آیت ۳۹ اور سورۃ النسا آیت ۸۴۔

قرآن کے ان دونوں مذکورہ بالا حوالوں میں پہلی آیت سے ظاہر ایسی معلوم ہوتاہے کہ لوگوں نے حضرت محمد کو متضاد باتیں کہتے سنا اور ان کے دشمنوں نے طعنہ زنی سے یہ کہا کہ " بس تو تواپنے دل سے یہ بنایا کرتاہے "سورہ طور آیت ۳۳۔ لیکن ان کو یہ جواب دیا گیا چونکہ یہ باتیں خدا کی طرف سے ہیں

اس لئے خدا کو اختیار ہے جب چاہے اپنی مرضی کے مطابق اپنے احکام کو بدل ڈالے یا منسوخ کردے۔ یوں ابتدا ہی سے لفظ آیت سے خود قرآن ہی کی کوئی آیت مراد تھی۔ اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا ہمیشہ یہی اعتقاد رہا ہے اوریہی وجہ ہے کہ قدیم مفسروں نے قرآن کی تمام متضادآیتوں کا مطالعہ کرکے اس تعلیم کی تشریح کی ہے اور جو" الناسخ والمنسوخ فی القرآن" کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن کی تمام مشہور تفسیروں میں یہ تعلیم درست مانی گئی ہے ۔ چنانچہ طبری (متوفی ۳۱۰ھ) زمخشری (متوفی ۵۳۸ ھ) فخر الدین (متوفی ۶۰۶ھ) اور بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) کی تفاسیر میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اورعلامہ جلال الدین السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب " اتقان فی علوم القرآن" میں اس کی تشریح کی ہے۔ اورامام فخر الدین رازی نے تولفظ نسخ اور اس کے معنی پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اورلکھاہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ کا استعمال قرآن پر ہی ہوتاہے یعنی قرآن کے بعض مقامات جواب قرآن میں موجودہیں یا جو کبھی قرآن میں تھے مگر اب نہیں ہیں منسوخ ہوگئے ہیں[1]۔

اس اصول کے مطابق ایک آیت ناسخ اور دوسری منسوخ کہلاتی ہے ۔ منسوخ آیتوں کے صحیح شمار میں اختلاف ہے کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو تک ان کی تعداد بتائی گئی ہے۔ لیکن عام رائے کے مطابق منسوخ آیتوں کا شمار دوسو پچیس ہے۔ اس تعلیم کی تصریح میں ہم یہاں تین ایسی آیتیں بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

۱۔ بے شک مسلمان اوریہودی اور عیسائی اور صابی ان میں سے جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اوراچھے کام کرتے رہے توان کو ان کااجر ان کے پروردگار کے ہاں ملیگا۔ اور نہ ان پر کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے ۔ سورۃ البقرۃ آیت ۵۹۔ یہ آیت ذیل کی اس آیت سے منسوخ ہوگئی ہے۔

اورجو شخص اسلام کےسوا کسی اور دین کی تلاش کرے تو خدا کےہاں اس کا وہ دین مقبول نہیں اور وہ آخرت میں زیان کاروں میں ہوگا۔ سورۃ آل عمران آیت ۷۹۔

اللہ ہی کا ہے پورب اور پچھم تو جہاں کہیں منہ کرلو اور ادھر ہی کو اللہ کا سامناہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۹ ۔ یہ آیت اسی سورۃ کی ۱۳۹ آیت سے منسوخ ہوگئی جوحسب ذیل ہے۔ تمہارامنہ پھیر پھیر کرآسمان کی طرف دیکھنا ہم ملاحظہ فرمارہےہیں توجو قبلہ تم چاہتے ہوہم تم کواسی کی طرف پھر جانے کا حکم دے دینگے۔ اچھا تو اب نماز پڑھتے وقت مسجد محرم(یعنی کعبہ) کی طرف کواپنا منہ کرلیا اور مسلمانو! تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو اسی کی طرف اپنامنہ کرلیا کرو اور مسلمانو! تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو اسی کی طرف اپنامنہ کرلیا کرو۔

(۳۔) دین میں زبردستی کاکچھ کام نہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۷۔

[1] دیکھو" الناسخ والنسوخ فی القرآن" مصنفہ انوار الحق۔ مطبوعہ پبلشنگ ہاؤس۔ لکھنو

یہ آیت سورۃ التوبہ کی اس پانچویں آیت سے منسوخ ہوگئی ہے جو آیت السیف کہلاتی ہے " پھر جب امن وادب کے مہینے نکل جائیں تو مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ اوران کو گرفتار کرو۔ اوران کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگروہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں۔ اور زکواۃ دیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو(یعنی ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کرو) اور پھر اسی سورۃ کی ۲۹ آیت بھی اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو"۔ اہل کتاب جو نہ خدا کو مانتے ہیں (جیسا کہ ماننے کا حق ہے) اور نہ روزِ آخرت کو اور نہ روزِ آخرت کو اور نہ اللہ اوراس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق تسلیم کرتے ہیں ان لوگوں سے بھی لڑو"۔

ناسخ اورمنسوخ پر احمدیوں کی رائے

آج کے کل تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ناسخ ومنسوخ کی تعلیم نہایت ناپسند ہے کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کے حق میں جو بڑے بڑے دعوئے کئے جاتے ہیں یہ تعلیم ان دعاوی کے خلاف ہے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کا واقعہ ہے کہ جمایت احمدیہ کے انگریزی رسالہ لائٹ میں ایک تعلیم یافتہ نامہ نگار نے لکھا تھا کہ ناسخ ومنسوخ کا نظریہ جس کی تشریح اسلامی مدرسہ کے کسی سند یافتہ مولوی صاحب نے کی ہے جو سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت اور سورہ ہود کی ۱ آیت اورسورۃ الحجر آیت ۹ سے باطل ٹھہرتاہے"۔ اس نامہ نگار کی تائید میں ایڈیٹر صاحب نے لکھا تھا کہ یہ کہنا کہ قرآن میں ایسی آیتیں موجود ہیں جوایک دوسرے کے برعکس ہیں اسامر کا اعتراف کرنا ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے کیونکہ خود قرآن کا دعویٰ ہے کہ اگر یہ کتاب خدا کے علاوہ کسی اور کے طرف سے ہوتی تو اس میں بہتیرے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۸۴۔ ملاحظہ ہوجریدہ لائٹ لاہور ۱۶ جون ۱۹۳۷ء۔

مولانا محمد علی بلا کسی ثبوت کے زبردستی ہم سے اب یہ منوانا چاہتے ہیں کہ سورہ البقرہ کی ۱۰۰ آیت میں جسے ہم نے اوپر نقل کیا ہے لفظ آیت کا ترجمہ رسالت یا پیغام الہیٰ ہے اور فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کی آیت نہیں ہے بلکہ شریعت موسوی مراد ہے۔ مولانا موصوف نے اس آیت کے روایتی مطلب کی تردید میں اس قدر کوشش کی ہے کہ قرآن کے اپنے انگریزی ترجمہ میں اس پر سات سو الفاظ کا (انگریزی قرآن فائدہ نمبر ۱۵۲) اوراپنی اردو تفسیر بیان القرآن میں پورے دو صفحوں کا حاشیہ لکھنا ضروری سمجھا ۔مولانا موصوف کو اس امر کا تو اعتراف ہے۔ کہ مفسرین نے اس آیت سے قرآن کریم کی بعض آیات کا بعض منسوخ ہونا مراد لیا ہے۔ (بیان القرآن فائدہ ۱۳۸)۔لیکن خود مولانا کی اپنی رائے یہ ہے کہ "کچھ روایات ضرور ایسی ہیں مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کوئی روایت نبی کریم ﷺ تک نہیں پہنچی" اور یہ کہ " ایسی کل روایات ضعیف ہیں"۔ اورپھر آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض نے صرف پانچ آیات کو منسوخ کہا اور بعض نے کئی سو آیات کو

منسوخ کہہ دیا ہے"۔ اس لئے "یہ محض ایک رائے کی بات ہے "(بیان القرآن فائدہ ۱۳۸)۔

ممالک متحدہ (امریکہ) کہ ہارٹفورڈ سیمنری کے پروفیسر -ڈی - بی - میکڈونلڈ صاحب مولانا محمد علی کے اس تعجب خیز بیان پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے کسی ایسی سند کا علم نہیں کہ جس سے لفظ آیت یا اسکی کسی جمع کے صیغہ سے ہماری کتب مقدسہ مراد ہوں۔ مسلمانوں نے ہرگز اس لفظ کا استعمال اس معنی میں نہیں کیا ہے ---۔ مجھے کسی مصنف کی موجودہ کتابوں میں کہیں بھی یہ نظر نہیں پڑاجہاں اس بات کا انکار کیا گیا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصہ کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اس کے برعکس شروع ہی سے اس پر اسلام کا اجماع رہا ہے اور اس میں شک کرنا اگرچہ کفر نہیں بدعت ضرور ہے۔---۔ اس مسئلہ کے متعلق احمدی عقیدہ اسلام میں ایک بڑی بدعت ہے۔

کیا قرآن میں کلُ ضروری تعلیم پائی جاتی ہے

ہم پہلے ہی بیان کرچکے ہیں کہ مسلمان کتبِ مقدسہ کو اس بنا پر بھی رد کرتے ہیں کہ قرآن میں کتبِ سابقہ کی کل ضروری تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے(دیکھو صفحہ ۳)۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں سورۃ البینۃ کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر آئے اور کلام الہیٰ کے مقدس اور اوراق ان کو پڑھ کر سنائے اوران میں پکی اور معقول باتیں لکھی ہوں"۔ یہ ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب کا ہے۔ مگر مولانا محمد علی اسکا ترجمہ یوں کرتے ہیں ۔" اللہ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے جن میں مضبوط کتابیں ہیں"۔

كُتُبٌ قَيِّمَةٌ عربی میں غیر معین ہے اورسابقہ کتب کی طرف کوئی اشارہ اس میں نہیں پایا جاتا ہے اور اس سبب سے بہت ہی تعجب ہے کہ احمدی مفسر نہ صرف اسے معین قرار دیتے ہیں بلکہ اپنے انگریزی ترجمہ میں لفظ کل کا اضافہ کرکے یوں ترجمہ کرتے ہیں جس میں کل صحیح کتابیں ہیں"۔ کیا یہ دیدہ ودانستہ تحریف نہیں ہے کہ قرآن خود جس کی ملامت کرتا ہے مولانا محمد علی کا حاشیہ انگریزی قرآن فائدہ نمبر ۲۷۸۳ ملاحظہ ہو۔

" اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں کل صحیح ہدایتیں موجود ہیں جو دوسری کتابوں میں نازل ہوئی تھیں اور ساتھ ہی وہ باتیں بھی پائی جاتی ہیں جو پہلے نازل تو نہیں ہوئی تھیں لیکن انسان کی ہدایت کے لئے ضروری ہیں یوں قرآن کا دعویٰ ہے کہ دوسری کتب مقدسہ کی اچھی تعلیمات کے خلاصہ کے علاوہ جو کچھ کمی ان میں تھی وہ بھی اس میں موجود ہے۔ لفظ كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی صحیح کا اضافہ کرکے یہ ظاہر کیا ہے یہ پاک کتاب ان تمام غلطیوں سے پاک ہے جو دوسرے پاک نوشتوں میں داخل ہوگئے ہیں"۔

اسی طرحاپنے بیان القرآن کے فائدہ نمبر ۳۶۳۴ میں لکھتے ہیں " فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کے بڑھانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس قرآن میں پہلی کتاب کی تمام وہ تعلیم موجود ہے جو قائم لکھنے کے قابل تھی"۔

عباراتِ مافوق میں مولانا کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے جو کچھ ضروری ہے وہ سب کچھ قرآن میں موجود ہے ۔ اب ہم اسکی جانچ ایک ایسے امر سے کرتے ہیں جو نہایت ہی اہم ہے عہد جدید تقریباً پانچ صفحوں کی کتاب ہے اور اس کے ہر صفحہ میں سیدنا عیسیٰ کا ذکر ہے اب اس کے مقابلہ میں اگر ہم قرآن کے ان کل مقامات کو اکٹھا کریں جہاں سیدنا عیسیٰ مسیح کا ذکر کسی نہ کسی پیرائے میں آیا ہے۔ تو ان قرآنی اقتباسات کی ضخامت سات صفحوں سے زیادہ نہ ہوگی ۔ پھر اور غور کیجئے کہ چاروں اناجیل میں سے ہر انجیل کا چوتھائی حصہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی گرفتاری ۔ مقدمہ آپ کے کوڑے کھانے ، صلیب دئے جانے ،آپ کی موت ، پھر آپ کے دوبارہ زندہ ہونے اورآسمانی صعود کے مفصل بیان سے بھرا پڑا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بتائیے کہ قرآن میں ان باتوں کا کس قدر ذکر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دل ہلادینے والے موثر واقعات کا ایک حصہ بھی قرآن میں نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے برعکس قرآن آپ کی موت کا ہی سرے سے منکر ہے۔

لیکن اب ذرا غور کیجئے کہ ان مذکورہ بالا باتوں کے نظر انداز کردینے سے درحقیقت کن باتوں کا انکار لازم آتا ہے ۔ بہت سے مسلمانوں نے اس مغالطہ میں پڑ کر عہد جدید کا خلاصہ قرآن میں موجود ہے ۔خدا کی نجات بخش محبت کے سب سے بڑے مکاشفہ سے اپنے آپ کو محروم رکھا ہے۔

کتبِ مقدسہ کی اصلیت اوراس کے مستند ہونے کی تحقیق جن دلائل کی بنا پر ہم کرنے کو مجبور ہوئے ہیں ان کے علاوہ ایسے اسباب بھی موجود ہیں جو دلائل مذکورہ سے بالکل مختلف ہیں اور جن سے کتبِ مقدسہ کا برحق ہونا ثابت ہوتاہے ۔ دراصل کتبِ مقدسہ کی ذاتی خوبی ۔ اس کے نفسِ موثر کرکے خود اسے اپنی خوبی اور سچائی کا قائل کرتاہے ۔ کتبِ مقدسہ کی صداقت کا فیصلہ بلادریغ ہم اسی کتاب پر اس کے الہیٰ معلم روح القدس پر چھوڑتے ہیں کیونکہ بیشک ہم جانتے ہیں کہ اس کتابِ مقدس کے وسیلہ خدا نے انسان سے اس طرح کلام کیا اور اب بھی کرتاہے جیسا کسی اور کتاب کےذریعہ نہیں کرنا۔

دوسرا باب

وحی اور الہام کے مسیحی عقیدہ پر مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ اگر کتابِ مقدس خدا کی وحی سے لکھی گئی ہے۔ تو اس میں اختلافات قراتِ اور تضاد جو قلمی نسخوں میں موجود ہیں نہیں ہوئے ۔(صفحہ ۵۱،۵۸)۔

۲۔ اناجیل مستند نہیں ہوسکتے کیونکہ حضرت مسیح نے انہیں لکھایا بلکہ یہ زبانی روایتیں ہیں جو عرصہ تک ایک دوسرے سے منتقل ہونے کے بعد لکھی گئی ہیں۔(صفحہ ۵۸)۔

۳۔ مسیحی شریعت موسوی پر کیوں نہیں عمل کرتے۔(صفحہ ۵۷)۔

۴۔ بجائے ایک انجیل کے چار اناجیل کیوں ہیں؟ (صفحہ ۵۷)۔

۵۔ بائبل سوسائٹی ایک معنی میں بائبل کا محرف ہونا تسلیم کرتی ہے چنانچہ سوسائٹی وقتاً فوقتاً نئے نئے ترجمے شائع کرتی رہتی ہے جن میں اصلاح ہوتی رہتی ہے۔(صفحہ ۵۱، ۵۲)۔

دوسرا باب۔ وحی اور الہام

الہامی کتاب کے بحث کا ایک اور پہلو بھی ہے جس پر علیحدہ بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ جب مسلمان وحی اور الہام کے اپنے نقطہ نگاہ سے کتاب مقدس کو پڑھتے ہیں تو قرآن کے مقابلہ میں کتاب مقدس کو فی نفسہ کم اہمیت دیتے ہیں۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کو صفائی سے سمجھنے کے لئے ذیل کی باتوں پر اس باب میں ہم غور کرینگے۔

۱۔ قرآن کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ۔

۲۔ مسیحی کتب مقدسہ کی الہامی صورت پر مسلمانوں کی تنقید۔

۳۔ خدا کے طریقہ الہام کا مسیحی عقیدہ کیوں قرآن کی وحی سے زیادہ معقول اور دلپسند ہے۔

مسلمانوں کا نقطہ نگاہ

کلام مسلمان متکلمین کی تعلیم کے مطابق اللہ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور یوں وحی یعنی اللہ کا تکلم خدا کے ارادہ تکوین کے کسی مخصوص فعل کے وسیلہ ظہور میں نہیں آیا بلکہ جو اللہ میں ازل سے موجود ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کتاب اللہ یعنی قرآن غیر مخلوق ہے۔ مسلمانوں کے لئے الہامی کتاب کا مفہوم یہی ہے۔

مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق خدا اپنا پیغام دو خاص طریقوں سے پہنچاتاہے۔ لفظ وحی کے مفہوم پر غور کرنے سے ان طریقوں کا مطلب ظاہر ہوجائیگا۔ وحی کے لفظی معنی ہیں بھیجنا۔ لکھنا۔ اصطلاحاً اس کا استعمال کلمہ الہیٰ کے لئے ہوتا ہے ۔ جو انبیاء اور اولیاء کی طرف ڈالا جائے اوراس کی دو قسمیں ہیں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو ۔پہلی قسم کی وحی وہ ہے جو محقائی دیتی ہے۔ دوسری قسم کا القا پیغمبر یاولی کے دل پر ہوتاہے۔

وحی متلو رسول کے پاس پیغام رسائی کا سب سے افضل وسیلہ سمجھا جاتاہے۔ اس میں پیغمبر خدا کے پیغام کا ہر لفظ اپنے کانوں سے سنتا ہے ۔ کبھی کبھی رسول کو محض الفاظ سنائی دیتے ہیں لیکن عام طور پر جبریل فرشتہ جس کی وساطت سے پیغام رسول تک پہنچاجاتا ہے دکھائی دیتا ہے وحی کے ذریعہ جو پیغام رسول تک پہنچایا جاتا ہے دکھائی دیتا ہے ۔ وحی کے ذریعہ جو پیغام رسول کوملتاہے اس کی تبلیغ کرنی ضروری ہے ۔ سورة الشوریٰ ۵۰، ۵۱ آیات میں وحی کا ذکر آیا ہے ۔" اور کسی آدمی کی تاب نہیں کہ خدا اس سے دوبہ دور ہو کر کلام کرے مگروحی کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کواس کے پاس بھیج دیتا ہے "۔آخری طریقہ پیغام بالخصوص وحی متلو کہلاتاہے۔

وحی غیر متلو جسے الہام بھی کہتے ہیں پہلی قسم کی وحی سے کمتر درجہ کی ہے۔ اس میں الفاظ عموماً سنائی نہیں دیتے بلکہ یا تو دل میں القا ہوتاہے یا بذریعہ رویا یا کشف ان پروارد ہوتاہے ۔ الہام خدا کی بخشش ہے جو شخص ملہم کی ہدایت کے لئے عطا کی جاتی ہے ۔یعنی وحی کے برعکس اس کا مقصد تبلیغ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ لفظ عموماً انبیاء کے لئے مستعل ہوا ہے لیکن اس کا استعمال بالخصوص اولیاء اللہ ملہم مانے گئے ہیں ۔ جس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے تزکیہ قلب کے ذریعہ اپنے آپ کو الہام حاصل کرنے کے لائق بنالیا ہے۔ مسلمان یہ بھی مانتے ہیں کہ اولیا اورانبیاء جو کچھ الہام یا وحی سے کہتے ہیں وہ ان کے دل پر لوح محفوظ سے جس پروہ تمام باتیں جوخدا نے ازل سے مقدر کی ہیں لکھی ہوئی ہیں منعکس ہوتاہے۔ غرضیکہ انسان کا دل اس قسم کا واقعہ ہوا ہے کہ خدا اپنی باتیں اس پر اس طرح ظاہر کرتاہے جیسے آئینہ پر عکس پڑتا ہے ۔لیکن عموماً بُری خواہشات اس پر چھائی رہتی ہیں جس سے خدا کی باتوں کا عکس نہیں پڑنے پاتا۔ مگر خدا کا فضل انہیں ہٹا کراس لائق بنادیتا ہے کہ خدا کی باتوں کا عکس اس پر پڑنے لگتا ہے یہی مکاشفہ یا کشف ہے جو الہام کی ایک قسم ہے ۔

حضرت محمد کی سیرت میں آپ کے خواب اور رویا بھی وحی کے اقسام میں بیان ہوئے ہیں تو بھی جیسا ہم ذکر کرچکے ہیں ۔ قرآن کی وحی کے الفاظ وقتاً فوقتاً حضرت محمد کو جبریل فرشتہ کی وساطت سے سنائے گئے تھے چنانچہ ذیل کی آیتوں سے ظاہر ہے۔

اے پیغمبر وحی کے یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ چلانے لگا کروتا کہ تم کووحی جلدی سے یاد ہوجائے ۔ تم کو قرآن کا یاد کرادینا اوراسکا پڑھا دینا ہمارا کام ہے۔ توجب ہم جبریل فرشتے کے ذریعہ قرآن پڑھا چکا کریں اس کے پڑھنے

کی پیروی کیا کرو۔ سورۃ القیامت ۱۶ تا ۱۹ آیات ہے پیغمبر تمہاری طرف جو قرآن وحی کیا جاتا ہے وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو۔ سورۃ طہٰ آیت ۱۱۳ ۔

آیات مذکورہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت محمد اس خوف سے کہ کچھ رہ نہ جائے فرشتہ سے وحی لینے میں جلدی کیا کرتے تھے۔ تو اس سے ان کو روکا گیا ہے اور تسلی دی گئی ہے کہ اس کا جمع کرنا اور یاد کرانا ہمارے ذمہ ہے بلکہ تاکید کی گئی ہے کہ جب جبریل وحی سناتا ہے آپ اطمینان کے ساتھ سنیں۔

غرضیکہ اس طرح مسلمان یہ ماننے لگے کہ قرآن کے اندر کے تمام الفاظ جو حضرت محمد پر خاص زمانہ میں نازل ہوئے تھے ازل سے موجودہ اور مقدر تھے بلکہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ قرآن کے الفاظ عربی زبان کے ہیں تو بھی خود خدا کے الفاظ ہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محض مضامین ہی خدا کے ہیں جسے رسول نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے ۔ بلکہ قرآن کے الفاظ ان کے ہجے اور ترتیب الفاظ وغیرہ کے سب کے سب صرف خدا ہی کے ہیں۔ علاوہ اس کے پورا قرآن حضرت محمد کے زمانہ میں خدا کے عرش کے پاس شب قدر کی رات کو (سورۃ القدر آیت ۱) رمضان کے مہینہ میں (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۱) سب سے نچلے آسمان پر لایا گیا اور وہاں سے جبریل کی معرفت حسبِ موقعہ حصہ بہ حصہ حضرت محمد پر نازل ہوتا رہا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان آیت ۳۴۔

" کافر کہتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نہیں نازل کیا گیا ۔ ہم کہتے ہیں کہ جیسا وقتاً فوقتاً نازل ہوا ہے۔ ایسا ہی اترنا چاہیے تھا اور اے پیغمبر میں مصلحت یہ ہے ہم وقتاً فوقتاً اس کے ذریعہ سے تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں اور اس وجہ سے ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا"۔

وحی اور الہام کے اس راسخ عقیدہ کی تائید میں اکثر جدید تعلیمافتہ مسلمان بھی لکھا کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

" مسلمان قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں جو اعراب کی بھی چھوٹی سے چھوٹی غلطیوں سے بالکل پاک اور بیداغ ہے"۔(لائٹ لاہور فروری ۸۔ ۱۹۳۲ء)۔

" انسان وحی الہیٰ کے بغیر خود بخود اپنی فطرتی طاقت سے بدی کا مقابلہ نہیں کرسکتا" (درمیان القرآن فائدہ نمبر ۲۱۰۹)۔

" صحف مقدسہ سے مسلمان خدا کی وحی سمجھتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے اور جس کی اطاعت خود انبیاء اور ان کے پیروؤں پر فرض ہے وحی زیادہ تر خدا کا ایسا کلام ہے جو انبیاء پر ایسی حالت پر نازل ہوتا ہے کہ ان کے قوائے جسمانی اور ذہنی معطل کردئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے پیغام میں کس قسم کی غلطی کا امکان نہیں رہتا کیونکہ جب خدا کا کلام رسول پر نازل ہوتا ہے تو کچھ عرصہ کے لئے اس کے قوائے ذہنی معطل ہوجاتے ہیں"۔

ذیل کے بیان سے جس وحی کی ایک حد تک معقول وجہ پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں وحی کے متعلق ایک جدید نظریہ موجودگی کا بھی پتہ لگتاہے جوراسخ الاعتقاد خیال کے بالکل برعکس ہے۔لاہور کے احمدی جریدہ لائٹ سے کسی نے حضرت محمدﷺ کی اس حالت کے متعلق دریافت کیا تھا جو نزولِ وحی کے موقعہ پرآپ پر طاری ہوتی تھی اوراس کے جواب میں یہ بیان جریدہ مذکورہ میں شائع ہوا تھا۔

" رسول پر نزول وحی کے وقت فوق الفطرت حالت کے طاری ہونے کاسبب یہ تھا کہ جسمانی ماحول سے اپنے آپ کوعلیحدہ کرکے ایک دوسرے عالم میں اپنے آپ کو منتقل کرنا پڑتا تھا جس سے آپ کی قوائے جسمانی پر بہت زور پڑتا تھا۔۔۔۔۔۔ مسلمانوں میں اس خیال کے لوگ بھی موجودہیں جو وحی کو انسانی قوت کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ اورکہتے ہیں کہ یہ انسان ہی کے اندر کی ایک آواز ہے ۔ اس قسم کا خیال اسلام کی بنیاد کھوکھلی کردیتاہے ۔ اور قرآن خدا کا کلام ہونے کے بجائے رسول کا کلام بن جاتاہے۔ لیکن وحی درحقیقت ایک خارجی شے ہے۔ گو اس کے قبول کرنے کی جگہ یعنی قلبِ انسانی ایک باطنی چیز ہے۔۔۔۔ اس امتیاز کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے ۔ کیونکہ یہ خیال کہ وحی انسان کے اندرہی کی ایک آواز ہےمذہب کوانسان کی اختراع قرار دیتاہے اور یوں اس کا اقتدار اوراس کی کایا پلٹ قوت جاتی رہتی ہے"(لائٹ جولائی ۱۹۳۵ء)۔

مولانا محمد علی نے بھی اپنے بیان القرآن میں جا بجاوحی کوایک خارجی حقیقت قراردی ہے چنانچہ فائدہ نمبر ۷۵ میں آپ لکھتے ہیں ۔

" کلام الہیٰ انسان کے اندر کی آواز نہیں جیسا کہ سرسید نے غلطی سے خیال کرلیا۔ کیونکہ اگر یہ بات پہلے فطرت ہی میں موجود تھی توفطرت کی کمزوری کاعلاج خود فطرت کی آواز کس طرح کرسکتی ہے۔ علاج صرف خارجی ہوسکتاہے۔ اور خدا کے کلام سے یہ علاج ہوا"۔

کُتبِ مقدسہ پرموجودہ مسلمانوں کی تنقیدی نگاہ

جب قرآن کا بے نظیر ہونا اس طور سے مسلمانوں پر ثابت ہوچکا ۔ توپھر قرآن کے وحی کے مقابلہ میں کتاب مقدس کی الہامی صورت کی نکتہ چینی کرکے قرآن کی فضیلت کتاب مقدس پر ثابت کرنے کی وہ کوشش کرتے ہیں۔ مثلاًوہ کہتےہیں کہ قرآن کے کل الفاظ یکساں طورپر خدا کےہیں یعنی اس کا ہر لفظ قال اللہ کی تحت میں ہے۔ اس کے برعکس نیا عہد نامہ وہ کتاب نہیں ہے جو اللہ نے حضرت مسیح کو دی تھی کیونکہ اس میں وہ باتیں نہیں لکھی ہیں جو خدا نے حضرت مسیح سے فرمایا تھا کہ جو کچھ متی ، مرقس، لوقا اور یوحنا نے حضرت مسیح کے اقوال اور افعال کے متعلق لکھاہے کہ آپ کہاں گئے اور لوگوں نے آپ سے کیا پوچھا اورآپ نے کیا جواب دیا اورآپ کے شاگردوں نے کیا کیا وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں مسلمانوں کے خیال میں پاک نوشتہ کے مضامین نہیں ہوسکتے بلکہ

حدیث کہلانے کے لائق ہیں ذیل کے اقتباسات جو آج کل کے اسلامی جرائد سے ماخوذ ہیں ان کے اس خیال کے چند نمونے ہیں۔

مسلمان مانتے ہیں کہ اسلام سے قبل بھی خدا نے کتابیں نازل کی ہیں مگر وہ عیسائیوں کی بائبل کو واقعی خدا کا کلام نہیں مانتے۔۔۔۔۔وہ تو اب بھی مانتے ہیں کہ عیسیٰ یا موسیٰ پر خدا کی کتاب نازل ہوئی تھی ۔ مگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ مروجہ کتابیں جو مسیحی کتب مقدسہ کہلاتی ہیں بالخصوص نیا عہد نامہ اس لائق نہیں کہ انہیں ایسے نوشتے سمجھے جائیں جو وحی سے لکھے گئے ہیں اور منزل من اللہ ہیں کیونکہ خدا کی بھیجی ہوئی اور وحی سے لکھی ہوئی کتابوں کی جیسا ہونا چاہیے ان کے خیال میں ویسی نہیں ہیں اور مسلمانوں کے اس خیال کی کافی وجہ ہے۔۔۔۔ کیونکہ کسی مذہبی معنی میں بھی اناجیل خدا کی وحی نہیں کہلا سکتیں بلکہ ان کی عبارت صفائی سے ظاہر کرتی ہے کہ یہ انسان کی تصانیف ہیں۔۔۔۔ مثال کے طور پر لوقا کی انجیل کے تمہیدی بیان کو لیجئے جہاں لوقا کہتا ہے۔ مسیحی مذہب کے ابتدائی بیان کے متعلق جو کچھ دوسروں نے لکھا ہے میں نے بھی ان کے زیر اثر اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے اور پھر تحریری اور زبانی روایتوں جو جمع کرنے اور پرکھنے اور پھر ان کو ترتیب دینے کے بعد جو کچھ اس نے لکھا تھا وہ تھیوفلس کو پیش کرتا ہے ۔۔۔ لوقا خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ اس کی یہ کتاب منجانب اللہ ہے۔ دوسروں کی تصانیف سے ترغیب پا کر اس نے یہ انجیل لکھی تھی۔۔۔۔ الہیٰ بخشش یا روح القدس سے ملہم ہونے کا کوئی سوال اٹھتا ہی نہیں "۔

یہ مضمون نویس پھر کتاب مقدس کے متن کی صحت پر یوں بحث کرتا ہے۔

" اگر کوئی مسلمان ان کتابوں میں الحاقی عبارتیں اورمذہبی عقیدہ کی تائید میں دانستہ تحریف کے واقعات پیش کرتا ہے تو اسے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے ان نوشتوں کی مذہبی حیثیت نہیں بگڑتی۔۔۔۔۔ بہر حال مسلمانوں کی رائے میں اس طرح بڑھانے گھٹانے سے ان کتابوں کی تواریخی حیثیت جاتی رہی۔۔۔۔۔ اس بات کا رتی بھر ثبوت نہیں ہے کہ مسیحیوں کی کتابوں میں جو مقدس نوشتے سمجھے جاتے ہیں ۔ ایک کتاب بھی وحی کی وہ حیثیت رکھتی ہے جو وحی کا مذہبی مفہوم ہے۔ وحی کا تو کیا ذکر ان کتابوں میں مطلق الہام نہیں ہے یہ انسانی تصانیف ہیں جو مختلف اغراض کے لئے لکھی گئی ہیں۔ (ریویو آوف دی ریلیجینس قادیان، دسمبر ۱۹۳۱ء)۔

" عیسائی مشنری مانتے ہیں کہ بائبل خدا کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے ۔ اوراپنے اس ایمان کا اعلان بھی کرتے ہیں ۔ مگر ان کے اس دعوے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی بائبل کے مضامین سے یہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ بائبل میں ایسی باتیں نہیں ملتیں کہ جن سے ان کا مستند ہونا تسلیم کیا جائے ۔۔۔۔۔ عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کی عبارت اوران کی طرز تحریر

اور انشاپردازی سے یہ ثابت ہوتاہے کہ ایسے خدا کی وحی ہونے کے بجائے جو حکیم کل اور ہستی کامل ہے یہ ایسے جاہلوں کی تصانیف میں جن کا تصور اخلاق کے متعلق نرالا تھا"۔

پھر متن کے متعلق یہ مضمون نویس لکھتاہے کہ " یہ غلطیاں اور بھول وچوک اگر غیر ملہم لوگوں کی تصانیف میں پائی جائیں تو انہیں خفیف ہلکی اور معمولی سمجھ سکتے ہیں ۔مگر ایسے لوگوں کی تحریریں جو ملہم ہونے کے مدعی ہیں۔ یہ باتیں قابل گرفت ہیں اور تناقضات کی موجودگی میں کیا بائبل خدا کی وحی کہلاسکتی ہے۔۔۔۔ پیروانِ بائبل اس بڑی حقیقت کو اب سمجھنے لگے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ یا تو بائبل کا متن بالکل بدل ڈالا جائے ورنہ مسیحیت کا خاتمہ ہے ۔ یہی سبب ہے کہ آئے دن بائبل میں تبدیلیاں کی جارہی ہیں ۔ چنانچہ بائبل کا ترمیم شدہ نسخہ اور پرانا نسخہ مروج ہے " (انگریزی رسالہ ریویو اوف ریلیجینس قادیاں اگست ۱۹۳۴ء)۔

مسلمانوں کی یہ بھی شکایت ہے کہ مسیحی مشنری کتاب مقدس کے متعلق مسلمانوں کے اصل نقطہ نگاہ کو نہیں سمجھتے جس مصنف کا اقتباس ہم پہلے پیش کرچکے ہیں اس کا بیان ہے کہ سورۃ البقرۃ کی ۷۳ آیت میں اس رائے کا خلاصہ موجود ہے[1] ۔ اوراپنے اس خیال سے مطابقت دکھانے کی غرض سے اس آیت کا ترجمہ اصل کے برعکس یوں کرتاہے۔

[1] دیکھو صفحہ ۱۱

" افسوس ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے قلمی نسخے لکھتے ہیں اورکہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ پھر آگے چل کر یہ مضمون نویس لکھتاہے کہ " مسلمان کی نگاہ میں بائبل کی محض یہ یاوہ آیت ہی قابل گرفت نہیں ہے بلکہ کل کی کل کتابیں جو عیسائیوں کے پاک نوشتے کہلاتے ہیں مردود ہیں ۔ مسلمان کلیہ طور پر ان کی الہامی یا وحی ہونے کی حیثیت کے منکر ہیں۔ ان کی نگاہ میں یہ ایسی کہانیوں کی کتابیں ہیں جو آدھی سچی اورآدھی فرضی باتوں پر منحصر ہیں اور جن میں منجانب اللہ ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں پایا جاتا "(ریویو آف ریلیجینس قادیاں مورخہ دسمبر ۱۹۳۱ء)

اسی طرح مولانا محمد علی سورۃ البقرۃ کی ۷۰ آیت (مطابق بیان القرآن آیت ۷۵) کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے انگریزی قرآن میں لکھتے ہیں ۔

" پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لینگے اوران میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتے پھر اس میں تحریف کرتے بعد اس کے اسے سمجھ لیا اور وہ جانتے ہیں "۔ سورۃ البقرۃ آیت ۷۵۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان یہودیوں سے فضول توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کے نبی پر ایمان لے آئینگے ۔ کیونکہ تو یہ ایسی قوم ہے کہ جس نے ان باتوں میں بھی تحریف کردی جنہیں وہ منجانب اللہ سمجھتے تھے تاکہ وہ باتیں ان کے مطلب کے مطابق ہوجائیں۔ اس لئے اس کی کوئی امید نہیں تھی کہ یہ قوم توبہ کرکے خدا کی نئی کتاب کی طرف رجوع کریگی۔ اسرائیلیوں کا اپنے پاک نوشتوں کو تحریف سے

محفوظ نہ رکھنے کا الزام قرآن میں بار باریہودیوں پر لگایا گیا ہے اوریہودیوں نے اس کے خلاف کبھی کوئی بحث نہیں کی کیونکہ اگرانہوں نے ایسا کیا ہوتا تو قرآن ضرور ان کی حجت کا ذکر کرتا۔ جیسا کہ اور موقعوں پر قرآن میں مخالفوں کی حجت کا ذکر آیاہے"۔

ہم یہ پہلے ہی ثابت کرچکے ہیں کہ یہودیوں کو اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ قرآن ان پر درحقیقت یہ الزام لگاتا ہی نہیں لیکن یہودیوں نے بار بار اس الزام کی تردید ضرور کی ہے کہ وہ اپنی کتب مقدسہ کی عبارت کے معنی میں تحریف کرتے ہیں اوراس بات کا خود مولانا محمد علی کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہوسورۃ البقر کی ۹۵ آیت (مطابق بیان القرآن آیت ۱۰۱) اورپھر سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۰آیت پر اپنی تفسیر کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درحقیقت بائبل کی مختلف کتابوں میں تغیر وتبدل کا ہونا پورے طور سے ثابت ہے کہ جس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں اور یوں حال ہی میں موجودہ تحقیق اس نتیجہ پر پہنچی ہے جس کا اعلان قرآن شریف نے تیرہ سوسال پیشتر کیا تھا"۔

ہم مگرکہتے ہیں کہ یہ ایک سخت تواریخی غلطی ہوگی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت محمد کتب مقدسہ کے متن کی ان باریک تفصیلات سے واقف تھے کہ حال ہی میں جن کا پتہ کتبِ مقدسہ کے قدیم نسخوں کی ایک کثیر تعداد کا محققانہ مطالعہ کرنے کے بعد لگایا گیاہے حضرت محمد کے زمانہ میں ان میں سے بہتیرے نسخوں کے وجود کا دنیا کو مطلق علم نہیں تھا۔

قبل اس کے کہ مکاشفہ یا الہیٰ پیغام کا مسیحی نقطہ نگاہ اور کتبِ مقدسہ کا الہامی ہونا جس طرح مسیحی مانتے ہیں پیش کیا جائے توبہتر ہوگا کہ اس الزام پر غور کیا جائے کہ انگریزی ترجمہ اور دیگر زبانوں کے لئے ترجموں کے وجود میں آنے کا سبب یہ ہے کہ مسیحی کتب مقدسہ چونکہ بالکل بگڑی ہوئی اور غیر مستند ہیں اس لئے مسیحیوں کو مجبوراً یہ نئے ترجمے کرنے پڑے بلکہ اس کے برعکس نئے ترجموں کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ مروجہ زبانیں بدلتی اور ترقی کرتی رہتی ہیں۔ مثلاً ۱۶۱۱ء کے انگریزی ترجمہ کی عبارت کا انگریزی ترجمہ جواتھورائزڈورشن سرکاری ترجمہ کہلاتاہے۔ ولیم ٹنڈل کے ترجمہ سے جو اس سے بھی پرانا ہے زباندانی کے اعتبار سے بہتر ہے۔ پھر اس ورژن (ترجمہ) کے جو الفاظ بعد میں متروک ہوگئے تھے۔۱۸۸۵ کے نئے ترجمہ میں جو ریوائزڈ ورژن۔ ترمیم شدہ ترجمہ کہلاتاہے۔ مروجہ الفاظ سے بدل ڈالے گئے۔

ان کے علاوہ ان نئے ترجموں کے دو اوراسباب بھی ہیں جن کا تعلق قدیم نسخوں کی عالمانہ تحقیق سے ہے۔ اورجن کے باعث نئے ترجموں کی ضرورت پڑی۔ یہ اسباب ۱۸۸۵ء میں ترمیم شدہ ترجمہ کے وقت مہیا ہوگئے تھے۔ اوّل ۔ اس ترمیم شدہ ترجمہ کے مترجمین کے زیر استعمال ایسے قدیم اور قلمی نسخے تھے جوان نسخوں سے کہیں پرانے اور مستند تھے کہ جنہیں ۱۶۱۱ء

میں شاہ جیمس کے مقرر کردہ مترجمین نے استعمال کیا تھا۔ دوم۔ ان مترجمین کو پہلے انگریزی ترجمہ کے مترجمین سے بڑھ کر کتب مقدسہ کی اصل زبانوں کا علم تھا۔ مثال کے طور پر نئے عہد نامہ کے متعلق ذیل کی باتوں پر غور کیجئے جس سے ہمارے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔

۱۶۱۱ء کا تھورائزڈورشن۔ سرکاری ترجمہ اس یونانی نئے عہد نامہ کا ترجمہ ہے جو ۱۵۵۱ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ یونانی نسخہ پندرہ قدیم قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔ ان نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ ۴۵۰ء کا تھا۔ لیکن ۱۶۱۱ء تک بہت سے اور قلمی نسخے جو یونانی زبان میں تھے اوران کے علاوہ قدیم ترجمے جو سریانی، لاطینی، قبطی وغیرہ زبانوں میں تھے یوروپ اور اشیا کے مختلف مقامات سے دستیاب ہوئے تھے جن میں سے بعض اس قدر قدیم تھے کہ دوسری صدی مسیحی میں لکھے گئے تھے اس سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ جب ۱۸۸۵ء تجربہ کار علما کی جماعت ترجمہ کے کام میں معروف ہوئی توان کی تحقیق اور عرق ریزی کا نتیجہ مروجہ ریوائزڈورشن ترمیم شدہ ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے اکثر مقامات میں اصل یونانی کازیادہ تحقیق کے ساتھ پتہ لگایا گیا ہے اور زیادہ صحت کے ساتھ ان کا ترجمہ کیا گیاہے۔ لیکن کہیں بھی ان تبدیلیوں سے مسیحی تعلیم پر کوئی اثر نہیں پڑاہے۔

اس لئے بلا سوچے سمجھے جب یہ کہا جاتاہے کہ کتاب مقدس میں دانستہ طورپر الحاقی عبارتیں داخل کردی گئی ہیں اوران میں گھٹایا اور بڑھایا گیا ہے بلکہ مذہبی عقیدہ کی تائید کی غرض سے دانستہ تحریف بھی کی گئی ہے اور ان وجوہات کی بنا پر کتاب مقدس کی تاریخی حیثیت مفقود ہوگئی ہے۔ تو اس الزام کے مقابلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کتبِ مقدسہ کے متن کے مشہور محققین کی رائے میں اصل حقیقت اس خیال کے بالکل برعکس ہے۔ مثلاً ان محققین کی رائے ہے۔ مختلف موجودہ قرائتوں کے وجود میں آنے کا سبب کوئی ایسی نہیں ہے جو ظاہرا کئی مقصد کے لئے دانستہ کی گئی ہو۔ اور اس بناء پر قدیم سے قدیم متن کے لئے بھی جوموجودہ متن سے کہیں پرانی تھیں ہم یہی بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں یعنی موجودہ متن جو متواتر نقل ہوتاہوا ہم تک پہنچا ہے بالکل غیر مخلوط اور صحیح ہے"۔ پھر اور غور کیجئے یہی محققین لکھتے ہیں " نئے عہد نامہ کی کتابوں کوجوموجودہ نسخوں میں محفوظ ہیں۔ یقیناً ہم انہی الفاظ میں پڑھتے ہیں جن لفظوں میں وہ لوگ پڑھتے تھے جن کے لئے ابتداً یہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ ریوائزڈ ورشن کے دیباچہ کا یہ بیان مافوق اس وقت کا ہے۔ جب ۱۸۸۲ء میں ریوائزڈورشن کا ترجمہ ہورہا تھا۔

اوراب ہمارے زمانہ میں سر فریڈرک کینن برٹش میوزیم کے سابق ڈائریکٹر اور چیف لائبریرین جن کو کتب مقدسہ کی اصل زبانوں کا اور بھی زیادہ علم ہے کیونکہ انہوں نے ہزاروں قلمی نسخوں کا جواب موجودہ ہیں مطالعہ کیا ہے فرماتے ہیں " ۔متن کے اختلاف کا تعلق محض لفظی باریکیاں ہیں۔ ان سے مضمون کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا " چونکہ ڈاکٹر کینن کے اس مذکورہ

بالاقول کی صحت کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور اس لئے آگے چل کر جووہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر زور دیتے ہیں "۔ بعض لوگ اس خیال سے پریشان ہونگے کہ کتاب مقدس کا یہ پرانا تصور اب درست نہیں ہے کہ مدت دراز سے یہ کتاب بغیر کسی تبدیلی کے اور بغیر کسی اعتراض کے متواتر پشت در پشت منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ لیکن کتاب مقدس کا اس سے اعلیٰ تصور یہ ہے کہ حقائق کا سامنا کرنے کے بعد جو دقتیں پیش آئیں ان کے حل کرنے کے لئے انسان اپنی اعلیٰ طاقتوں کو جوخدا نے عطا کی ہیں استعمال کرے۔ آخر کا یہ معلوم کرکے ان نئی دریافت اور تحقیقات کے نتیجہ سے کتب مقدسہ کی صحت اور اس کے مستند ہونے کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ہمارے ایمان کو تقویت پہنچیگی ۔ اور ہمارا ایمان اور بھی راسخ ہوگا کہ ہمارے ہاتھوں میں واقعی خدا کا کلام اپنے نفس مضمون کے اعتبار سے اپنی اصلی حالت میں موجود ہے"۔

خدا کا طریقہ الہام کا مسیحی تصور

قرآن اور کتاب مقدس کے اس طول وطویل بحث کے متعلق ایک خاص دقت یہ ہے کہ بہتیرے لوگ جن میں مسیحی اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ قرآن اور کتاب مقدس دو مختلف قسم کی کتابیں ہیں۔ اور یہ حقیقت ان دونوں کتابوں کی بعض خصوصیتوں سے بالکل واضح ہوجاتی ہے۔

کتاب مقدس بہتیرے مصنفوں کے خیال اور فکر کا نتیجہ ہے اس کے برعکس قرآن ایک ہی کتاب ہے ۔ اور اس میں ایک ہی شخص یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذہن کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔

پھر کتاب مقدس واقعی بہتیری کتابوں کا مجموعہ ہے۔ ایک پوری قوم کا درحقیقت یہ ایک ادبی ذخیرہ ہے جس میں اس قوم کی ترقی ونشو نما کی تواریخ ایک ہزار سال کی تحریر ہے قرآن اس کے برعکس ایک ہی شخص کی زندگی کا نتیجہ ہے اور عرصہ تیس سال کے اندر مکمل ہوئی ہے۔

علاوہ اس کے ان دونوں کتابوں کے ماننے والے اپنی اپنی کتابوں کو مختلف نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ہم یہ توپہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مسلمان مانتے ہیں کہ قرآن کسی معنی میں بھی انسان کی تصنیف نہیں کہلاسکتا ہے بلکہ اس میں خدا ہی کے الفاظ ہیں۔ اس کے برعکس مسیحی کتاب مقدس کو عین خدا کے الفاظ نہیں مانتے جو خدا کے پاس سے زمین پر بغیر کسی انسانی وسیلہ کے نازل ہوئی ہے بلکہ یہ خدا کا ایسا مکاشفہ ہے جو انسانی ذہن کے وسیلہ انسان کو بخشا گیا۔

قرآن اور کتاب مقدس میں ایک بڑا اور بنیادی فرق ہے اور بحث کے دوران میں اسکے نظر انداز کردینے کا اندیشہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مسیحیت اور اسلام کے درمیان ایک پورے فلسفہ کا امتیازی فرق موجود ہے۔ اور یہ وہ فلسفہ ہے جو خدا کی ذات کا اور بنی نوع انسان کے ساتھ اس کی دلچسپی کا اعلان کرتاہے ۔ اور اسکی تجویز بتاتا ہے جو انسان عیسیٰ مسیح کے وسیلہ دنیا کی نجات کے لئے اس

نے مقرر کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان اس سچائی کو مانتا ہے جو اس کے عقیدہ کے مطابق خدا نے وحی کے وسیلہ نازل کی ہے۔ مگر مسیحی اس واقعہ پر ایمان رکھتا ہے جس کے وسیلہ خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ یہی وہ باتیں ہیں جن پر اس کتاب میں خاص کر ہم غور کرینگے اور انہی باتوں میں مسیحیت اور اسلام کا امتیازی فرق پایا جاتا ہے۔

فی الحال اس مضمون کے سلسلہ میں ہم چند اصول بیان کرینگے جو کل حقیقی مکاشفوں [1] اور الہامی باتوں میں موجود ہیں۔ یہ اصول چند ایسے حقائق سے ماخوذ ہیں جن کی صداقت پر خود کتاب مقدس شاہد ہے۔

(۱ ۔) کتابِ مقدس میں جیسا ہم پیشتر بتا چکے ہیں ایک طویل زمانہ کا بیان پایا جاتا ہے اور صدیوں کے دوران میں خداوند کا کلام مختلف لوگوں پر مختلف طریقوں سے آیا۔ اس کلام کو قبول کرنے والے مختلف طبیعت اور مختلف تربیت کے لوگ تھے اور ان کا نقطہ نگاہ بھی ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ ان میں کوئی چرواہا تھا تو کوئی مدبر، کوئی مورخ تو کوئی اہلِ دل، اور چند لوگ ایسے بھی تھے جو الہیات کے عالم تھے۔ اس سبب سے کتاب مقدس میں مختلف قسم کی کتابیں پائی جاتی ہیں جن میں قانون ، تواریخ ، نظم اور فلسفہ شامل ہے۔

---

[1] اس کتاب میں مکاشفہ سے پیغام الہیٰ اور الہام سے پیغام الہیٰ کے طریقے مراد ہیں۔ وہ مختلف طریقے ہیں جن کے وسیلہ خدا انسان کو پیغام رسانی کے لئے استعمال کرتا ہے۔

(۲ ۔) دوسری بات یہ ہے کہ کتاب مقدس بیشک آدمیوں نے لکھی۔ یہ کتاب آسمان سے نہیں اتری اور نہ ہی زمین پر آنے سے قبل فرشتوں نے آسمان پر اسے نقل کیا۔ دوسرے لفظوں میں خدا نے اپنے آپ کو اس طرح پست کیا کہ اپنی سچائی لوگوں پر ظاہر کرنے کی غرض سے انسان کو استعمال کیا۔ اس کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(الف۔) خدا نے انسان کو گراموفون کی طرح بطور ایک مشین کے نہیں بلکہ بہ حیثیت انسان کے اپنا پیغمبر بنا کر استعمال کیا۔ اس نے اپنا کلام پیغمبر کو اس کے باطنی کان میں سنایا یعنی اپنے پیغمبر کے دل میں خدا نے اپنا پیغام ڈالا اور اس نے اپنی مادری زبان میں ادا کیا۔ پیغام رسانی کے لئے انسان کے لب ولہجہ یا عبارت کی صرفی ونحوی ترکیب یا اس کی لیاقت کی اس قدر خدا کو ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ پیغمبر میں جن چیزوں کی خدا کو ضرورت تھی وہ اس کا جوش سے بھرا ہوا دل۔ اور اسکی تیز وچمکدار نگاہیں۔ اور ایسی روح جو خدا کی اطاعت اور انسان کی خدمت میں سر گرم ہو۔

(ب۔) کتابِ مقدس کے ابتدائی نوشتوں کے بعض تصورات بالکل سیدھے سادے ۔ طفلانہ اور ناقص ہیں۔ ایک معترض کے الفاظ جس کا اقتباس ہم اوپر پیش کر چکے ہیں یہ کہنا ایک حد تک صحیح ہوگا کہ یہ ایسے جاہلوں کی تصانیف ہیں جن کا تصور اخلاق کے متعلق نرالا تھا۔ اگرچہ یہ سچ ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس زمانہ میں خدا جو کچھ لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا اس کے اظہار کی ان

کے پیغمبروں کے لئے یہی بہترین صورت تھی۔ خدا خود تو اپنی ذات میں محدود نہیں تھا مگر اپنے قاصدوں کے ذہنی واخلاقی اور روحانی نقطہ نگاہ کے ناقص ہونے کے باعث وہ محدود ہورہا تھا۔

ج۔ یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ ان پیغمبروں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے نہیں مقرر کیا بلکہ خدا نے انہیں چنا۔ ان کا اپنے آپ کو اس خدمت کے لائق سمجھنا تو درکنا۔ بلکہ بہتیرے جنہیں خدا نے اس کام کے لئے بلایا انہوں نے خدا سے درخواست کی۔ کہ اس بوجھ سے انہیں رہائی دی جائے جس کے اٹھانے کے ذہنی اوراخلاقی طور سے وہ متحمل نہیں تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو حضرت موسیٰ کا عذر میری زبان میں لکنت ہے خروج باب ۲ آیت ۱۲ اور باب ۴آیت ۱۰ ۔ یسعیاہ نبی کی فریاد۔ہائے۔ میں ناپاک ہونٹھ والاآدمی ہوں۔ یسعیاہ ۶ باب آیت ۵۔ یرمیاہ نبی کی پکارہائے خداوند دیکھ میں بول نہیں سکتا۔ یرمیاہ باب ۱ آیت ۶۔ اور یوناہ نبی کا واقعہ۔

د۔ اس کے علاوہ ان لوگوں پر خدا کا روح ان کی زندگی کے مختلف موقعوں پر آیا۔ یعنی خوشی، افسوس، شک اور مایوسی میں اور ایمان پر بھروسہ رکھنے کے وقت اور پھر سخت آزمائش کی حالت میں بھی۔ غرضیکہ خدا ان کے چال چلن کو بناہی رہا تھا کہ خدا نے انہیں اس خدمت کے لئے چن لیا۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ ہمارے ہی طرح کمزور تھے اورہماری طرح ان میں خواہشیں تھیں۔ اور ہر صورت سے یہ ناقص وسیلے تھے۔ تو بھی خدا نے اپنا کلام" ان کے منہ میں ڈالا"۔ ان کے لبوں کو چھوا"۔ ان کے گناہ ان سے دفع کئے "۔ اوراپنا فضل کثرت سے ان میں بسنے دیا۔ اور یوں خدا نے انہیں اس خدمت کے لائق بنایا جو وہ ان سے لینا چاہتا تھا۔ اور اس طرح انہیں روحانی بصیرت سمجھ، اور اخلاقی چال وچلن اور تاثیر میں دوسروں پر فوقیت بخشی۔

کتاب مقدس میں باربار یہ ذکرآیا ہے کہ اس طور سے ایسے لوگ مرد خدا بن گئے اورلوگ انہیں ایسا ہی سمجھنے بھی لگے اورچونکہ خدا ہی اپنی سچائی ان لوگوں کے ذریعہ ظاہر کررہا تھا اس لئے ہم پاتے ہیں کہ بعض اوقات ان میں سے بعضوں نے ایسی باتیں بھی کہیں جو خود ان کی پوری سمجھ سے باہر تھیں۔ملاحظہ یسعیاہ باب ۵۳۔

(۳۔) مذکورہ بالا حقیقتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کتاب مقدس میں خدا کے پیغمبروں اورپھر ان کے الہیٰ پیغام کی ذاتی خصوصیات اور کیفیات کے تدریجی ترقی کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ ابتدائی مکاشفے باطل نہیں بلکہ ادھوڑے ہیں۔ یہ بات حضرت موسیٰ کے زمانہ کی مختلف جماعتی اورسیاسی قوانین کے حق میں بھی جو بنی اسرائیل کے لئے مقرر کئے گئے تھے درست ہے۔ ان کی حیثیت عارضی تھی ۔ لیکن اس کے برعکس اخلاقی اور روحانی قوانین کتاب مقدس کے جس کسی حصہ میں موجود ہوں وہ اس قسم کے ہیں کہ ان کی پابندی ہمیشہ فرض ہے اس کی صاف وجہ یہی ہے کہ ان کی حیثیت لاتبدیل اورابدی ہے۔

یہ الہیٰ پیغامات جو ملہم انسانوں کے وسیلہ خدا نے ظاہر کئے ہیں ترقی پذیر ہونے کا علاوہ مختلف اقسام کے ہیں۔ اس کی مشہور مثال نئے عہد نامہ میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً اناجیل میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی کے احوال کا بیان چار مختلف صورتوں میں آیاہے گویہ بیانات ایک دوسرے سے علیحدہٰ نہیں ہیں۔ مگر ان کی حیثیت جداگانہ ہے۔ اوراس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مختلف قسم کے لوگوں کے لئے لکھے گئے تھے۔ لیکن جب ان کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جاتاہے توایک بیان دوسرے کی تکمیل کرتاہے ۔ اورایک دوسرے کی خوبی میں اضافہ کرتاہے۔

پھر پطرس یوحنا اور پولوس ان تینوں رسولوں کی تحریروں میں ہم تین مختلف ذہینیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مسیح کے متعلق اس سچائی کو پیش کرتاہے جس کا خدا نے ان کے شخصی تجربہ کے وسیلہ پر انکشاف کیا ہے یہاں بھی ہم یہی پاتے ہیں کہ ایک رسول کا خط دوسرے کے خط کی تکمیل ہے۔

(۴۔) پھر صدیوں سے جس طرح ان قدیم نوشتوں کی کتاب ، حفاظت اور نقل ہوتی آتی ہے ۔ ان میں بھی ان قیود کے اندر جن کا ذکر ہوچکاہے خدا کی باقتدار نگہداشت کا ہم مشاہدہ کرتےہیں ۔ اس سلسلہ میں بھی ہر بات جو ہم پیشتر کہہ چکے ہیں مکرر یاد دلاتے ہیں کہ خدا نے ان کاموں کے لئے بھی انسان کو ہی استعمال کیا۔ فرشتے تور ہے ایک طرف ۔ یہ انسان بھی ایسے نہیں تھے کہ جن میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ اس لئے جب قدیم نسخوں کے متن کے اختلاف قرات کی بنا پر ہمارے مسلم احباب کتابِ مقدس کو غیر مستند اور ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں توخود اپنے حق میں اوران کے لئے بھی بہتر ہوگا چند حقیقتوں کو صفائی سے اپنے سامنے رکھ کر ان کا مطالعہ کریں۔

(الف۔) دنیا کے دیانتدار نقل نویس کے لئے بھی اس بات کا امکان ہے کہ کسی نسخہ کے نقل کرتے وقت یا کسی کے لکھوانے کے موقعہ پر وہ کوئی لفظ یا فقرہ یا جملہ غلط سن لے یاغلط لکھ ڈالے یا لکھنے میں کوئی لفظ چھوٹ جائے یا بڑھ جائے یا کوئی لفظ مکرر آجائے ۔ اور یوں وہ غلطی کا مرتکب ہو۔ اور ہم صفائی سے تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب مقدس کے نقل نویسوں سے اس قسم کی غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں۔ اور ہم دیانتداری کے ساتھ ایسی غلطیوں سے جو کسی نسخہ میں کیوں نہ ہو قلمبند کرکے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کسی غلطی کا مٹا ڈالانا تو بہت دور کی بات ہے بلکہ اس عقیدہ کی بنا پر ان کل اختلافات کے مطالعہ کے ذریعہ ہم اصل متن کا کچھ نہ کچھ پتہ لگا ہی لینگے ۔ ان غلطیوں کو محفوظ رکھتے ہیں ۔ لیکن غور طلب حقیقت یہ ہے کہ ان اختلافات کے باوجود ایک اختلاف بھی کسی بڑی اہمیت کا نہیں ہے۔ اور نہ ہمیں اس امر کا اندیشہ ہے کہ آئندہ کسی قدیم نسخہ کی دریافت سے ہمارے اس یقین پر کسی قسم کا اثر پڑیگا۔

ب۔ بیان مذکورہ کے برعکس یہ ایک تواریخی واقعہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں قرآن کے مختلف نسخے عرب میں رائج تھے ۔ اور ان میں اس

قسم کے اختلافات تھے کہ جن سے ایسے لوگوں کو جو قرآن کے لفظاً الہامی ہونے کے قائل تھے سخت پریشانی ہوئی اوراس فضیحت کو مٹانے کا خلیفہ عثمان نے ۶۴۴ء میں نہایت ہی سنگین طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے تین قریشیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی اورزید بن ثابت کو اس کا صدر مقرر کیا اور خلیفہ ابوبکر کے جمع کردہ قرآن کی بنا پر ایک نیا نسخہ تیار کرنے کا حکم دیا۔اور عثمان نے ان تینوں قریشیوں سے کہا تھا کہ جب تم اور زید بن ثابت قرآن میں کسی سے اختلاف کرو تو اس کو زبانِ قریش میں لکھنا اورجب یہ نسخہ تیار ہوگیا تو اگلے تمام نسخے عثمان کے حکم سے جلاڈالے گئے۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ مسیحی کلیسیا کبھی اس قسم کے فعل کی مرتکب نہیں ہوئی۔

اب آخر میں ایک اورحقیقت کا ذکر کرنا رہ جاتاہے کہ جو کچھ کتابِ مقدس کے بارے میں اور اس کے الہام اورمکاشفہ کے متعلق کہا گیا ہے ان باتوں کی تہ میں ایک گہرا اصول پایا جاتاہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا اورانسان کے درمیان ایک حقیقی رشتہ ہے اوراسی رشتہ کے باعث خدا کا ازلی خیال انسان کے کلام میں جس کا تعلق زمانہ سے ہے منتقل کرنا ممکن ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی خیال کو یوں ادا کرسکتے ہیں کہ خدا کا مکاشفہ انسان کے اس تجربہ سے وابستہ ہے جواسے قریبی طور پر خدا کا ہمیشہ سے حاصل ہے۔ یہ حقیقت اسلام کی ثنویت کے خلاف ہے جہاں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ خدا اورانسان میں مطلق غیریت ہے۔

پھر ایک دوسری بات اس حقیقت کی تہ میں اورپائی جاتی ہے کہ الہام کے معاملہ میں کچھ حد تک انسانی ذہن جب تک تعاون نہ کرے الہیٰ مکاشفہ حاصل نہیں ہوتا۔ بعض جدت پسند مسلمانوں کے خیال کے برعکس ہمارا یقین ہے کہا الہام کی روح خلا میں عمل نہیں کرتی اور نہ ہی کرسکتی ہے۔ علاوہ اس کے جو پیغام خود پیغمبر کے لئے بے معنی ہے وہ فضول ہے اور یہ عقل کے خلاف ہے کہ خدا انسان کو جس وقت اپنا مکاشفہ بخشتاہے تواسے بے ہوش کردیتاہے۔ یا اس کے ذہن کو مغلوب کردیتاہے یا اسے مردہ کی مانند کردیتاہے۔

خدا اپنا پیغام انسان کو اس کی محدود قوا کے وسیلہ پہنچاتا ہے کیونکہ ان کے وسیلہ انسان زیادہ بہتر طورسے انہیں حاصل کرتا اور اپنے ذہن میں اخذ کرتاہے ۔ توبھی مکاشفہ خدا کے اپنے کشف یا ظہور کا نام ہے یہ انسان کی اپنی دریافت نہیں ہے کیونکہ مکاشفہ انسان کی عام عقل کے دائرہ سے خارج ہے۔

خدا کا سب سے بڑا مکاشفہ وہ ہے جو انسان عیسیٰ مسیح میں خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کرکے ہمیں بخشا ہے۔ مسلمانوں کے خیال میں سچا مکاشفہ قرآن میں پایا جاتاہے ۔ مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق یہ مکاشفہ کتاب مقدس میں نہیں بلکہ مسیح کی شخصیت میں ہے۔ خدا کے قدیم مکاشفوں کے وسائل جن کا ذکر کتاب مقدس میں ہے ناقص تھے مگر عیسیٰ ابن اللہ باپ کا آخری وکافی مظہر ہے۔

تیسرا باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کی شخصیت پر

مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ کیا بائبل کی کوئی آیت یہ سکھاتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح خدا ہیں۔ صفحہ ۸۸۔

۲۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کا اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ آپ قادرِ مطلق خدا ہیں۔ صفحہ ۸۸۔

۳۔ حضرت عیسیٰ مسیح میں کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں پائی جاتی جو کسی دوسرے انسان میں نہ ہو اور جس سے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ثابت ہو کہ آپ خدا تھے۔ صفحات ۸۲، ۸۳، ۸۸، ۸۹۔

۴۔ حضرت عیسیٰ مسیح کے کلام میں ایک قول بھی ایسا نہیں ہے کہ اگر اسکی تحقیق کی جائے تو اس سے یہ ثابت ہو کہ ان کے خیال میں آپ کا تعلق خدا سے سوائے انسان کے اور کچھ بھی تھا۔ صفحہ ۷۴۔

۵۔ حضرت مسیح نے باپ کا لفظ اس مفہوم میں استعمال کیا ہے کہ خدا سب کا پروردگار ہے اور اسی طرح بیٹے کا لفظ شفقت کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور ان معنوں میں سب لوگ خدا کے بیٹے ہیں۔ صفحات ۷۹، ۸۶، ۸۷۔

۶۔ خدا کے لفظی طور پر بیٹا ماننا خدا کی طرف ان نقائص کو منسوب کرنا ہے جو عموماً انسان میں پائے جاتے ہیں۔ صفحات ۷۲، ۷۳۔

۷۔ عیسائی مذہب کہتا ہے کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں تو اللہ مرد ہے یا عورت؟ اگر مرد ہے تو کیا اللہ کی کوئی بیوی بھی ہے کہ جس سے بیٹا ہوا۔ صفحہ ۷۲۔

۸۔ یہ کہنا کہ خدا کا بیٹا بھی ہے بُت پرستوں کی توہم پرستی اور خدا کے انسان ماننے کے عقیدہ سے ماخوذ ہے۔ صفحہ ۷۷۔

۹۔ یہ ماننا کہ خدا سے بیٹا پیدا ہوا ہے خدا کو حیوان بنا دیتا ہے۔

۱۰۔ حضرت مسیح کی الوہیت کا عقیدہ آپ کے پیرووں کا خیال ہے کہ جو عرصہ بعد گھڑا گیا صفحات۔ ۷۴، ۷۵۔ ۸۸۔

۱۱۔ جس بات میں تضاد پایا جائے وہ سچ نہیں ہوتی۔ خدا لامحدود اور محدود دونوں نہیں ہوسکتا۔ صفحات ۸۰، ۸۱۔ ۸۵۔

۱۲۔ خدا کا انسانی شکل میں محدود ہونا خدا کی بے عزتی ہے اور یہ تصور باطل اور محال ہے۔ صفحات ۷۷، ۷۶، ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۵۔

۱۳۔ خدا کی رفاقت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ خدا کو مجسم مان کر اسے اس دنیا میں نیچے لایا جائے۔ بلکہ یہ رفاقت اس طرح ہوتی ہے کہ انسان روحانی ترقی اور زندگی کی پاکیزگی کے وسیلہ رفتہ رفتہ اوپر کو عروج کرے۔صفحات ۷۹، ۸۶۔۸۷۔

۱۴۔ یہ غیر معقول اور نامناسب بات ہے کہ اگر ہم خدا کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو خدا کو گوشت وپوست کا انسانی جامہ پہنایا جائے اور پھر انسانی شکل وشباہت کے ساتھ اسے متصف کیا جائے تاکہ وہ ہماری سمجھ اور ہمدردی کی قید میں آجائے۔ صفحات ۸۷، ۸۲، ۸۳، ۸۵۔

۱۵۔آدمی کی زندگی خواہ کتنی ہی پاک اور صاف کیوں نہ ہو پھر بھی خدا کی زندگی کو ظاہر کرنے کا وسیلہ بننے کے لئے ناکافی بلکہ محال ہے۔ اس کی صفات لامحدود ہیں اور وہمہ جاحاضر، علیم کل اور قادر مطلق ہے۔ صفحات ۷۹، ۸۰، ۸۳تا ۸۵۔

۱۶۔ الوہیت کا دعویٰ کرنا گناہ کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ ہے اور خدا کے پاک نام کی سب سے بڑی بے عزتی ہے۔

۱۷۔ حضرت مسیح خدا کے محض ایک ظرف تھے کہ جس کے وسیلہ خدا کی چند اعلیٰ صفات نے ظہور پایا۔ مگر اس سے وہ خدا نہیں ہوسکتے۔ صفحہ ۸۸۔

۱۸۔ اگر حضرت مسیح خدا تھے تو وہ دعا کس سے مانگتے تھے؟صفحات ۸۱تا ۸۳۔

۱۹۔ حضرت مسیح کے ان اور اسی قسم کے دیگر اقوال سے ظاہر ہوتاہے کہ آپ خدا نہیں تھے۔ باپ مجھ سے بڑا ہے"(یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۸)۔" اس دن یا گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ(مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲) صفحات ۸۲تا ۸۳۔

۲۰۔ اگر خدا ایسا کمزور اور ضعیف ہے جیسا مسیح ابن مریم تو ہم خدا کے بغیر ہی بھلے ہیں ایسے خدا کے بغیر ہمارا گذارا ہوسکتا ہے۔

۲۱۔ یہ دیکھ کر کہ تم عیسائی ایک انسان کو خدا سمجھ کر اس سے دعا اور منت کرتے ہو۔ ہمارا جسم کانپ اٹھتا ہے۔

باب تیسرا

سیدنا عیسیٰ مسیح کی شخصیت

مسلمانوں کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے کہ ان کے دلوں میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی عزت ہم مسیحیوں سے کم نہیں۔ تو بھی اس کے باوجود ہمارے ان لاثانی دعاوی کو باطل قرار دینے میں سر گرم ہیں۔ جو ہم آپ کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ عیسیٰ ابن مریم جس نام سے قرآن میں آپ کا ذکر بار بار آیا ہے مسلمانوں کے لئے پیغمبروں میں محض ایک پیغمبر ہیں اور وہ بھی ایسے جو نہ پیغمبروں میں آخری اور نہ ہی افضل ہیں۔ چنانچہ سورۃ زخرف کی ۵۹ آیت میں آیا ہے ۔" عیسیٰ بھی بس ہمارے ایک بندہ تھے کہ ہم نے ان پر احسان کیا تھا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کو اپنی قدرت کا نمونہ بنایا تھا"۔ اسی طرح ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ آیت ۷۹۔

حضرت محمد ﷺ سے مسلمانوں کی عقیدت اور ان کی فضیلت کا خیال ایسی وجوہات ہیں کہ جن کے باعث وہ سیدنا عیسیٰ مسیح کو اس نام سے پکارنا نہیں چاہتے جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے۔ پھر ان سے بڑھ کر ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے ذہن میں خدا کا جو تصور ہے ایسے خدا کی غیرت ان کو ابھارتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی ہر ایسی عزت کی کفر سمجھ کر ملامت کریں کہ جو بالفضل آپ کا مرتبہ انسان بلکہ پیغمبروں سے بھی بڑھا کر آپ کو الوہیت کی حد میں لے آئے۔

علاوہ اس کے یہ غیرت اسلام کی بنیادی تعلیم یعنی توحید کی تہ میں گہرے طور پر جڑ پکڑے ہوئے ہے جسے بار بار قرآن میں اس طرح دوہرایا گیا ہے جو بارِ خاطر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد علی لکھتے ہیں۔ قرآن شریف کا واحد اور امتیازی مضمون توحیدِ الٰہیٰ ہے۔۔۔۔ذاتِ الٰہیٰ میں مطلق وحدت پائی جاتی ہے۔ وہاں شرکت یا کثرت کی گنجائش نہیں۔۔۔ اسلام ذات الوہیت میں اقانیم کی کثرت اور کائنات کے معاملہ میں کسی دوسری ہستی کی شرکت کا منکر ہے۔۔۔۔ اور اسلام ذاتِ الٰہیٰ کے تجسم کا قائل نہیں"۔

اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن کا توحید پر محض اس قدر زور دینا اس تعلیم کو لوگوں کے ذہن نشین کرانے کو کافی نہ تھا کہ شرک یعنی خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے جرُم کو قرآن نے ایک ایسا گناہ قرار دیا جو معاف نہیں ہوگا"۔ اللہ تو اس جرم کو معاف کرنے والا ہے نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے۔ ہاں اس کے سوا جو گناہ جس کو چاہے معاف کردے اور جس نے کسی کو خدا کا شریک گردانا اس نے خدا پر طوفان باندھا جو بہت ہی بڑا گناہ ہے"سورۃ النسا آیات ۵۱،۱۱۶۔

علامہ یوسف علی اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ " خدا نہیں معاف کرتا کہ اور کوئی اس کے برابر کے مانے جائیں " اور اس کی تفسیر میں

لکھتے ہیں کہ " روحانی بادشاہی میں کفر بکنا ایسا ہی ہے جیسے ملکی بادشاہت میں بغاوت ۔۔۔۔ ایسا کرنا روحانی زندگی کی ماہیت اور سرچشمہ سے بغاوت کرنا ہے"۔ اور مولانا محمد علی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں "۔ اس آیت میں اشارہ تعدد اللہ یا اللہ کے ساتھ ساتھ اور معبودوں کے ماننے کی طرف پایا جاتاہے۔

اب اس حالت میں مسیحیوں کا نہایت شدت کے ساتھ اصرار کرنا فضول ہے کہ اس قسم کے ناموزون سخن کا ہمارے ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں جو ہم نے سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت قائم رہتی ہے کہ مسلمانوں کے خیال میں ہمارا شمار اسی مذکورہ بالا قسم کے لوگوں میں ہے جن کو آیات مافوق میں ملامت کی گئی ہے۔ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ توحید الہیٰ کی تکرار اور شرک کے خوفناک گناہ میں ایسے دو اسباب پائے جاتے ہیں جن سے مسلمانوں کے دلوں میں اس قدر سخت تعصب پیدا ہوگیا ہے کہ الوہیت مسیح کی کسی تشریح یا الہیٰ تجسم کی کسی تفسیر کو قبول کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ۔ بالخصوص ہم دیکھتے ہیں لفظ بیٹا یا فقرہ " خدا کا بیٹا " استعمال کرنے سے مسلمانوں میں سخت برانگیختگی پیدا ہوجاتی ہے ۔ چنانچہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ان الفاظ کے اس مفہوم کے باعث جو مسلمانوں کے نزدیک ہے وہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی ابنیت کی تعلیم سے سخت متنفر ہیں۔

مسلمانوں میں اس تعصب کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے میں قرآن کا اثر

چونکہ عقل انسانی انہی باتوں سے ترقی پاتی ہے جن باتوں کا انسان مطالعہ کیا کرتاہے اس لئے اگرہم چاہتے ہیں کہ قرآن کے اس اثر کا صحیح صحیح اندازہ لگائیں جس سے اس قدر سخت تعصب مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا اور قائم ہے توہمیں چاہیے کہ ہم پھر قرآن کی طرف رجوع کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں توحید الہیٰ کو نہ صرف فوقیت دی گئی ہے بلکہ بار بار اور بعض اوقات نہایت سخت الفاظ میں اس تصور کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ مولانا محمد علی سورۃ الزمر کی چھٹی آیت کی جو ہم نیچے پیش کرینگے تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔" ذات باری تعالیٰ کے لئے بیٹا ٹھہرانے کی غلطی کی طرف قرآن میں قریباً اتنے ہی مرتبہ اشارہ پایا جاتاہے جتنی بار بتوں کو اللہ کے ساتھ معبود ماننے کا ذکر ہے"۔ قرآن کی اس قسم کی آیتیں دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔ اوّل وہ آیتیں جن میں عرب کے بتُ پرستوں کا ذکر ہے ۔ دوم جن میں مسیحیوں کا ذکر ہے ۔ اول قسم کی بعض آیتیں حسب ذیل ہیں :

سورۃ الاخلاص " کھو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا برابر ہے"۔

مولانا محمد علی اس چھوٹی سی سورت کے متعلق لکھتے ہیں " اس سورت میں قرآن شریف کی تعلیمات کا خلاصہ ولب لباب پایا جاتاہے جو توحید الہیٰ کا اظہار ہے ---- اس کے مقابلہ میں باقی ساری باتیں ضمنی ہیں ۔ یہ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے اور اس میں نہ صرف بت پرستی اور مسیحیت کی تردید پائی جاتی ہے بلکہ ہر قسم کے شرک کی اس میں تردید کی گئی ہے" اس سورت کی توصیف میں بیان کیا جاتاہے کہ خود حضرت محمد ﷺ نے کہا کہ اس کا مرتبہ قرآن کے تہائی حصہ کے برابر ہے سورۃ الزخرف آیات ۸۱، ۸۲ کہہ اگر بالفرض خدائے رحمنٰ کے کوئی اولاد ہو تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے کو میں حاضر ہوں۔ جیسی جیسی باتیں یہ لوگ خدا کے بارے میں بناتے ہیں ان سے آسمانوں کا اور زمین کا مالک عرش کا مالک پاک ہے۔

سورۃ الجن آیت ۳۔ اور ہمارے پروردگار کی بڑی اونچی شان ہے اس نے نہ تو کسی کو اپنی جورو بنایا اور نہ کسی بیٹا، بیٹی۔

سورۃ الزمر آیت ۶ ۔ اگر خدا کسی کو اپنی فرزندی میں لینا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہتا پسند کرتا لیکن اس کی ذات پاک ہے اور وہ اکیلا خدا ہے بڑا زبردست ۔

سورۃ یونس آیت ۶۹ ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنارکھا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے وہ پاک ہے ۔ وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ لوگو! تمہارے پاس پاس اس کی کوئی دلیل تو ہے نہیں تو کیا بے جانے بوجھے خدا پر جھوٹ بولتے ہو۔

سورۃ الانعام آیت ۱۰۰، ۱۰۱ ۔ ان لوگوں نے جانے بوجھے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں اپنی طرف سے تراش لیں ۔ خدا کی نسبت جیسی جیسی باتیں یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بالاتر ہے۔ آسمان وزمین کا موجد ہے اور اس کے اولاد کیوں ہونے لگی جبکہ کبھی اس کی کوئی جورو نہیں رہی۔

ذیل کے مقامات مسیحیوں کے متعلق ہیں۔

سورۃ مریم آیات ۳۵، ۳۶۔ یہ ہے عیسیٰ ابن مریم پر سچی سچی بات جس میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں ۔ خدا کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے۔

سورۃ مریم آیت ۹۱، ۹۳۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ خدائے رحمنٰ بیٹا رکھتاہے۔ اے پیغمبر ان سے کہو کہ یہ تم ایسی بڑی سخت بات اپنی طرف سے گھڑ کر لائے جس کی وجہ سے عجب نہیں آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہو کر گر پڑیں کہ لوگوں نے خدائے رحمنٰ کے لئے بیٹا قرار دیا حالانکہ خدائے رحمنٰ کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۰ ۔ اور کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتاہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمان وزمین میں سب اس کے محکوم ہیں۔

سورۃ التوبہ آیات ۳۱، ۳۲، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں ۔ یہ ان کی منہ کی کہن ہے لگے ان ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو ان سے پہلے ہوگذرے ہیں خدا ان کو غارت کرے کدھر شیطان کے بہکائے ہوئے بھٹکے چلے جارہے ہیں ۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مشائخوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا بنا کھڑا کیا۔ حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت کرتے رہنا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

سورۃ المائدہ آیت ۱۹ ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح وہی خدا ہیں کچھ شک نہیں کہ یہ کافر ہوگئے ان سے کہو کہ اگر مریم کے بیٹے مسیح اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو ایسا کون ہے جس کا خدا کے آگے کچھ بھی زور چلتا ہو۔

سورۃ المائدہ آیت ۷۶۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی مریم کے بیٹے مسیح ہیں یہ لوگ اس کہنے سے بیشک کافر ہوگئے ۔

آیاتِ مافوق کے نہایت ہی سرسری مطالعہ سے بھی دو باتیں صفائی سے ظاہر ہوتی ہیں ۔اوّل یہ کہ خدا کے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کے سبب جن کی قرآن میں تردید کی گئی ہے بُت پرست عربوں کی طرح مسیحیوں کی بھی قرآن میں مذمت کی گئی ہے۔ دوم یہ کہ ابنیت کا جو خیال قرآن میں پیش کیا گیا ہے وہ سراسر جسمانی ہے ۔حتیٰ کہ علامہ یوسف علی جیسے روشن دماغ اور تعلیم یافتہ مسلمان بھی موخر الذکر آیتوں کی ایسی تفسیر کرتے ہیں کہ جس سے ہمارے اس خیال کی پوری پوری تائید ہوجاتی ہے۔ چنانچہ سورہ مریم ۳۵ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں " بیٹا پیدا کرنا ایک جسمانی فعل ہے کہ جو انسان کی فطرت حیوانی کے تقاضہ پر مبنی ہے۔ خدا تعالیٰ کل اقتضا سے بے نیاز ہے۔ اور اسکی طرف ایسے فعل کا منسوب کرنا اس کی شان کی ہتک کرنا ہے" پھر سورہ مریم آیت ۹۱ کی تفسیر یوں کرتے ہیں "۔ خدا کا بیٹا پیدا کرنے کا عقیدہ محض الفاظ یا تصورات ذہنی کا سوال نہیں ہے یہ خدا کے خلاف ایک بہت بڑا کفر ہے ۔(عقیدہ) سے خدا کا درجہ حیوان کے برابر کردیا جاتاہے"۔ اسی طرح سورۃ بقرۃ آیت ۱۱۰ کی تفسیر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "۔ اگر الفاظ کے کوئی معنی ہیں تو اس (عقیدہ) کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا مادی فطرت اور حیوان کے ادنیٰ فعل تولید کے ساتھ موصوف ہے"۔

جہاں تک عرب کے بُت پرستوں کا تعلق ہے ہمیں معلوم ہے کہ محمد صاحب کی مذمت ان پر پوری طرح صادق آتی ہے ۔ ان کے اپنے ہم وطن اہل مکہ جن کے درمیان انہوں نے اپنی زندگی کے چالیس سال سے زیادہ بسر کئے تھے پتھروں کے سینکڑوں ٹکڑوں کی پرستش کرتے تھے اور انہیں دیوی اور دیوتا مانتے تھے۔ سورۃ النجم کی ۲۱، ۲۲ آیتوں میں جو ابتدائی سورتوں میں ہے ان بت پرستوں کا طنزاً ذکر یوں آیا ہے۔ کیا تمہارے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں ۔اگر ایسا ہو تو یہ بڑی نامنصفانہ تقسیم ہے۔

تو اب حضرت محمد کے زمانہ کے مسیحیوں کے متعلق کیا کہا جائے ؟ ہمیں یقین ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے لئے خطاب خدا کا بیٹا اسی طرح استعمال کرتے تھے جس طرح سے تمام مسیحی پہلی صدی عیسوی سے لے کر اب تک استعمال کرتے آئے ہیں۔ لیکن محمد صاحب ایک طرف عرب کے بت پرستوں کے کلمات کفر سے اور دوسری طرف یہودیوں کے بہتان سے جو وہ سیدنا عیسیٰ مسیح اورآپ کی والدہ مقدسہ حضرت مریم پر لگاتے تھے متاثر ہو کر مصر ہوئے کہ آپ حضرت مریم کے غُلَامًا زَكِيًّا یعنی پاک طینت لڑکے تھے(دیکھو سورہ مریم آیت ۱۹) اوریوں اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگرچہ حضرت محمد ﷺ سیدنا عیسیٰ مسیح کا مافوق الفطرت طور پر پیدا ہونا صریحاً مانتے تھے تو بھی آپ کو جسمانی معنوں میں ہی بیٹا سمجھتے رہے۔ حضرت محمد نے ایسے فقرے مثلاً خدا کا بیٹا استعمال کرنے کی اس لئے مذمت کی کہ ان کے ذہن میں ان سے لازماً جسمانی تعلق کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے مذکورہ بالادو مفسروں کی مانند موجودہ مفسروں کا یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ اگر یہ فقرہ استعاراً مستعمل ہوتا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیاجاتا کیونکہ یہ مفسرین خود بتاتےہیں کہ یہ بات مشہور تھی کہ یہودی اور مسیحی قومیں اپنے آپ کو خدا کے فرزند کہتے تھے اور ان یہ کہنا ان معنوں میں تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے برگزیدہ اور خاص امور وعنایت ایزوی سمجھتے تھے۔ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مفسروں کا یہ کہنا درست ہے تو پھر حضرت محمد ﷺ کو بھی اس کا علم تھا لیکن پھر بھی یہ حقیقت قائم رہتی ہے کہ حضرت محمد کے نزدیک سیدنا عیسیٰ کے اس خطاب کا جس سے مسیحی آپ کو پکارتے تھے سوائے جسمانی مفہوم کے اور کچھ نہ تھا۔

خطاب ابن اللہ کی اصلیت اوراس کا حقیقی مفہوم

چونکہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی ابنیت کا یہ جسمانی تصور نہ صرف ہمیں ناگوار خاطر بلکہ ہمارے نزدیک کفر بھی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ جب ہم سیدنا عیسیٰ مسیح کو ابن اللہ یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو اس سے کیا مراد ہے ہم مسیحیوں کے درمیان اس فقرہ کے استعمال نے کس طرح رواج پایا؟ اورپھر اس کے استعمال کی ہمارے پاس کیا سند ہے ؟ ہم مسیحیوں میں بہتیرے اس بات کا اقرار کرینگے کہ ہم بچپن سے اس فقرہ کے استعمال کرنے کے عادی ہوگئے ہیں اوراس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے سے قبل ہی یہ ہماری مذہبی لغت میں داخل ہوگیا ہے اور یہ ایک سبب ہے کہ جب مسلمان اس کی تردید کرتےہیں توہم گھبرا جاتےہیں۔

۱۔ فقرہ خدا کا بیٹا ہم مسیحیوں کی اپنی اختراع کا نتیجہ نہیں۔ اور نہ ہی گذشتہ صدیوں کے دوران اس فقرہ کا استعمال مسیحیوں میں یوں رائج ہوپڑا ہے بلکہ یہ ایسا فقرہ ہے جو مسیحیت کے آغاز ہی سے مستعمل ہوتا چلا آرہا ہے ۔ خود کتاب مقدس میں ہمیں سیدنا عیسیٰ مسیح کا یہ خطاب ملتاہے اورہم نئے عہد نامہ کی سند پر اس کا استعمال کرتےہیں۔

ذیل کے حوالجات پر غور کیجئے جن میں اس فقرہ کا استعمال ہوا ہے یادرکھئے کہ اس قسم کے حوالوں کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔

خود خدا نے ہمارے سید نا عیسیٰ مسیح کو بپتسمہ کے موقعہ پر(مرقس باب ۱آیت ۱۱)اور پھر پہاڑ پر آپ کی صورت بدل جانے پر (مرقس ۹ باب ۷آیت - متی باب ۱۷ آیت ۵- لوقا باب ۹ آیت ۳۵) بیٹا کہا - جبرئیل فرشتہ نے بتایا کہ آپ خدا کا بیٹا کہلائینگے (لوقا باب ۱ آیت ۳۵- یوحنا بپتسمہ دینے والے نے سید نا عیسیٰ مسیح کو یہی خطاب دیا یوحنا باب ۱ آیت ۳۴- اسی طرح سید نا عیسیٰ مسیح کے شاگردوں نے آپ کو یہی خطاب دیا متی ۱۴ باب آیت ۳۳- باب ۱۶ آیت ۱۶ - یوحنا باب ۱آیت ۴۹- باب ۱۱ آیت ۲۷-

سیدناعیسیٰ مسیح کے دشمنوں نے اس لفظ کو یہ ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا کہ آپ نے اپنے آپ کو اس نام سے پکارا ہے (مرقس باب ۱۴آیت ۶۱- متی ۲۶ باب آیت ۶۳- باب ۲۷ آیت ۴۳- لوقا باب ۲۲آیت ۷۰- یوحنا باب ۱۹ آیت ۷- یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ ہم اہل شریعت ہیں اور شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا بنایا۔

پولوس رسول نے آپ کے لئے اس خطاب کا استعمال کیا ہے۔ اعمال باب ۹ آیت ۲۰- گلتیوں باب ۲آیت ۲۰وغیرہ۔

نئے عہد نامہ کے دوسرے لکھنے والوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہا ہے عبرانیوں باب ۶آیت ۶- ۱ یوحنا باب ۲آیت ۲۲- باب ۴آیت ۱۵ -(جو کوئی اقرار کرتاہے کہ عیسیٰ مسیح خدا کا بیٹا ہے خدا اس میں رہتا ہے اور وہ خدا میں)مکاشفہ باب ۲آیت ۱۸ -

اس میں کوئی شک نہیں کہ سید نا عیسیٰ نے اس فقرہ کا استعمال اپنے حق میں کیا - اور جب دوسروں نے آپ کو اس نام سے پکارا تو آپ نے انہیں منع نہیں کیا- اور آپ نے یہی ظاہر کیا کہ یہ نام آپ کے لئے موزون ہے اوراس کا استعمال آپ کے حق میں درست ہے - اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں نے اس قسم کے فقرہ کا استعمال آپ کی اپنی زبان سے خود اپنے حق میں سن کر اسے کفر سمجھا اور کئی بار آپ کو سنگسار کرنے کے لئے پتھر اٹھائے - تو بھی ان یہودیوں کی سمجھ میں یہ تصور کہ آپ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہا اتنا بڑا نہیں تھا جتنا یہ کہ " خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے آپ کو خدا کے برابر" اوراپنے آپ کو خدا بناتا ہے "(ملاحظہ ہو یوحنا باب ۵ آیت ۱۸ اور باب ۱۰ آیت ۳۳-

یوں مسیحی کلیسیا میں اس فقرہ کے متواتر اورعالمگیر استعمال کے متعلق یہ پہلی بات ہے جسے ہم پیش کرسکتے ہیں - سید نا عیسیٰ مسیح کے اس نام کے حق میں ہمارے پاس روحانی سند ہے یعنی نئے عہد نامہ کی سند۔

۲- اب ہم اس بات کی تحقیق کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ یہ فقرہ خدا کا بیٹا کتاب مقدس میں کن معنوں میں مستعمل ہواہے۔

ا- یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ کتابِ مقدس میں کہیں بھی اس فقرہ کا استعمال جسمانی معنوں میں نہیں ہوا جیسا کہ قرآن نے اس کا مطلب سمجھا ہے۔

ب- یہ فقرہ نئے عہد نامہ میں ان معنوں میں استعمال نہیں ہوا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ بولنے والوں یا لکھنے والوں کے ذہن میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی مافوق الفطرت پیدائش کا خیال موجود تھا جس کے باعث وہ آپ کو اس نام سے پکارتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اپنی معجزانہ پیدائش کے باعث آپ کو خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا ہے۔ یعنی آپ اپنی پیدائش کے باعث ابن اللہ نہیں ہیں۔

ج- سیدھی سادی اور صریح حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فقرہ بطور لقب یا بالخصوص مسیح موعود کے لئے بطور خطاب کے استعمال ہوا ہے۔ صرف لوقا کی انجیل کے پہلے باب میں سیدنا مسیح کی پیدائش کی بشارت کے سلسلہ میں یہ فقرہ آیا ہے اور وہاں بھی اس کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ یہ ایک نام ہے جو اس "پاکیزہ" کو دیا جائیگا۔ اس آیت کے متعلق مرحوم بشپ گور لکھتے ہیں "۔ لوقا کے بیان میں اس سے زیادہ کچھ نہیں پایا جاتا کہ وہ لڑکا جو پیدا ہوگا مسیح موعود ہے فقرہ خدا تعالیٰ کا بیٹا یا خدا کا بیٹا جس قرینہ سے یہاں استعمال ہوئے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اس سے زیادہ معنی نہیں رکھتے" دوسرے لفظوں میں یہ فقرہ ایک استعارہ ہے۔ اور اسے لفظی طور پر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بہر حال ان تمام خطابوں میں جو سیدنا عیسیٰ مسیح کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً ابن داؤد، مسیح ، ابن آدم، خداوند، کلمہ، یہی ایک فقرہ خدا کا بیٹا پورے طریقہ پر ہمارے اس تجربہ کو جو سیدنا عیسیٰ مسیح کا ہمیں حاصل ہے ظاہر کرتا ہے۔

د- الفاظ خدا کا بیٹا ایک قدیم فقرہ ہے جو عہد بعہد مستعمل ہوتا رہا ہے۔ مسیحیت سے قبل اس کا رواج تھا۔ یہودیوں میں رفتہ رفتہ مسیح موعود کا تصور بطور خدا کے بیٹے کے رواج پکڑ چلا تھا اور سیدنا عیسیٰ مسیح کی آمد کے زمانہ میں یہ فقرہ ان کے مذہبی روایات کا ایک جزو بن گیا تھا۔ چنانچہ زبور کے دو مقامات میں ہم اس کا ذکر پاتے ہیں۔ پہلا مقام دوسرے زبور کی ساتویں آیت ہے جہاں لکھا ہے تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا ہے۔ اور دوسرا مقام نواسی زبور ۲ ۶ ، ۷ ۲ آیتیں ہیں۔ میں اسے اپنا پہلوٹھا بھی ٹھہراؤنگا۔ عبرانیوں کے خط کے پہلے باب کی ابتدائی آیتوں میں انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے جہاں لکھا ہے کہ اس نے میراث میں ان سے افضل نام پایا۔ یعنی کل نبیوں اور فرشتوں سے افضل اور اس نام سے مراد بیٹا ہے۔

۳- لیکن مسیح موعود کے اس تصور سے کہیں بڑھ کر جو اگرچہ سیدنا عیسیٰ مسیح اور یہودیوں کے ذہن میں نمایاں طور پر موجود تھا اس فقرہ میں کچھ اور بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ نئے عہد نامہ میں اس فقرہ کے مفہوم میں ایک اور خاص تصور پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے ذہن میں خدا کا احساس اس طریقہ پر تھا جس میں اپنی حقیقی ابنیت کا احساس بھی موجود تھا۔ خدا آپ کے لئے باپ تھا اور آپ خدا کے لئے بیٹے تھے۔ اس خیال کو پوری طرح

سمجھنے کے لئے چاہیے کہ فقرہ خدا کے بیٹے کے استعمال کا مطالعہ انجیل کے ان بتہیرے مقامات کی روشنی میں کریں جہاں خدا کے لئے خصوصیت کے ساتھ باپ کا اور مسیح کے لئے خصوصیت کے ساتھ بیٹے کا لفظ آیا ہے۔

ان ہر دو الفاظ یعنی باپ اور بیٹے کے مسلسل استعمال میں تطبیق پائی جاتی ہے اوراس سے اس قسم کے فقرہ کے اس اندرونی معنوں کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے جس کی تشریح کرنے کی ہم کوشش کررہے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ پہلی تین انجیلوں میں ابنیت کے اس رشتہ کا بیان اس قدر صریحاً اور واضح طور پر نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتاہے کہ گویا اناجیل کے لکھنے والوں کے نزدیک یہ ایک امر مسلمہ ہے۔ تو بھی بعض مقامات میں ان اناجیل میں بھی اس کا بیان کھلے لفظوں میں آیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو متی باب ۱۱ آیت ۲۵ تا ۳۰۔

" کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باب کے۔ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے"۔ لیکن یوحنا کی انجیل میں اس مضمون کو بڑی فوقیت دی گئی ہے۔اور بڑی تفصیل کے ساتھ اس کا بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے اس انجیل کا لکھنے والا اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ابنیت کا یہ رشتہ اس زمانہ سے بھی پیشتر سے موجود تھا۔ جب سیدنا عیسیٰ مسیح بطور بچہ کے بیت لحم میں پیدا ہوئے تھے۔

۴۔ اس نام کا ایک اور مطلب بھی نکلتا ہے جو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ قدیم کلیسیا رسولوں اور بالخصوص پولوس رسول کی تقلید میں سیدنا عیسیٰ مسیح کو خدا کا بیٹا ان باتوں کی بنا پر آپ کو سمجھتی اوراس کا اعلان کرتی رہی جنہیں آپ نے اپنی زندگی کے زمینی ایام میں بطور منجی انجام دیا تھا۔ چونکہ آگے چل کر چھٹے باب میں اس مضمون پر بالتفصیل بحث کی جائیگی اس لئے اس موقعہ پر ہم اس کا زیادہ ذکر نہیں کرینگے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے غور کیجئے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی بابت کہ جس نے پولوس رسول کے لئے اور تمام جہان کے لئے اتنی بڑی نجات کا کام پورا کیا پولوس رسول کیا لکھتے ہیں کہ " خدا کا بیٹا جس نے مجھ سے محبت رکھی اوراپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالے کردیا" (گلتیوں باب ۲آیت ۲۰) دیکھئے اس موقعہ پر پولوس رسول سیدنا عیسیٰ مسیح کا ذکر بطور مسیح یا ابنِ آدم کلمہ نہیں کرتے صرف لقب خدا کا بیٹا کافی ہے۔ پولوس رسول اور دوسرے باقی رسول اپنے تجربے کے سبب آپ کو اس نام سے پکارنے پر مجبور ہوئے اور نہ اس نام کو استعمال کرنا ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔ مرحوم بشپ گور فرماتے ہیں ۔ رسولوں کا آپ کو مسیح ، مولا اور خدا کا بیٹا ماننا ان باتوں کی بنا پر تھا جو کچھ خود انہوں نے اپنے اس تجربہ کے دوران میں دیکھا اور سنا تھا۔ جو ان کو ان دنوں میں حاصل ہوا۔ جب سیدنا عیسیٰ مسیح ان کے درمیان چلتے پھرتے تھے۔ پھر اس عقیدہ کی بنیاد روح القدس کے تجربہ پر بھی تھی جو ان کے بعد میں حاصل ہوا۔

فقرہ " ابن اللہ " سے مراد الوہیت ہے

اس فقرہ " ابن اللہ " یا خدا کا بیٹا کی اصلیت اور مطلب کی تشریح میں جو کچھ ہم نے اب تک کہا ہے اس سے بعض لوگ غالباً یہ خیال کرینگے کہ اس واقعی مشکل فقرہ کے متواتر استعمال کی حمایت ہی میں ہم مسیحی کیوں اس قدر متردد ہیں۔ کیا یہ مذہب مفید نہ ہوگا کہ کسی اور مضمون پر غور کیا جائے اب مسلمان تو اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں لیکن کیا ہمیں بھی اس کا احساس ہے کہ آخر اس دعویٰ ابن اللہ سے مراد کیا ہے۔ ابھی ہمیں اس لاثانی دعوے کے اصل مفہوم پر غور کرنا باقی ہے۔ بہر حال جس طرح ہمارے لئے اور سیدنا عیسیٰ مسیح کے زمانہ میں یہودیوں کے لئے یہ بات سچ تھی اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی یہ کہنا درست ہے کہ ان کے اعتراض کا پورا زور خطاب ابن اللہ کے اتنا خلاف نہیں ہے جتنا ابنیت کے ان گہرے معنوں کے خلاف ہے یعنی یہ کہ باپ اور بیٹا اپنی ذات میں ایک ہی ہیں۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا اعتراض اسی الوہیت مسیح کے مفہوم پر ہے کہ جس میں خدا کے تجسم کا خیال بھی شامل ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اللہ لاشریک ہے اور اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ خدا واحد ہے۔ اس کی مانند کوئی نہیں ہے وہ دنیا سے علیحدہٰ ہے ۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔اب اگر مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق الوہیت مسیح کو درست تسلیم کرلیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ خدا اپنے الہیٰ جلال میں کسی دوسرے کو شریک کرتاہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو مسلمانوں کے نزدیک نہ صرف کفر بلکہ محال بھی ہے جیسا مولانا محمد علی کا قول ہے کہ اسلام ذات الہیٰ کے تجسم کا قائل نہیں ۔ لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں وہ بات پائی جاتی ہے جو مسیحی عقیدہ کی بنیاد ہے۔ ہم اس بات کو نظر انداز تو کرہی نہیں سکتے اور تردید کرنے کا تو خیال ہی ناممکن ہے کیونکہ مسیحیت جو کچھ بھی ہے اس کی بنیاد ان ہی باتوں پر ہے جو ہم سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق مانتے ہیں مگر کیا ہم اپنے اس عقیدہ کو ایسی صورت میں پیش کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے نفرت انگیز نہ رہے اور نہ ہی عقلی طور پر اس کا ماننا ان کے لئے مشکل ہو۔ اور ان باتوں کے باوجود اس عقیدہ کے کسی لازمی جز کا انکار بھی نہ کیا جائے ؟ فی الحال اسی سوال کے جواب دینے کی کوشش کی جائیگی۔

اگر ہم اس عقیدہ کی تشریح مسلمانوں کے اس خیال کو مدِ نظر رکھ کر کریں کہ جوان کے دل میں گہرے طور پر جما ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات سے بالکل علیحدہ اور منزہ ہے تو ان کی غلطی ظاہر ہوجائیگی جس طرح قرآن کے الفاظ میں وہ یہ کہتاہے کہ نہیں لائق ہے رحمٰن کو کہ رکھے اولاد"۔ اسی طرح پلٹ کر وہ مسیحی کو یہ جواب دے سکتاہے کہ پاک ذات ہے خدائے رحمٰن کی اس بات سے کہ وہ ہو انسانی شکل میں۔ دوسرے لفظوں میں خدا کا تجسم ہونا مسلمان خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف سمجھتاہے۔ اگرچہ تجسم کا یہ فعل انسان کی نجات کے لئے ہی کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو۔ مسلمانوں کے اس نقطہ نگاہ کے اظہار کے لئے ہم اس قسم کے انتہائی لفظوں کے استعمال کرنے کی جرات کرسکتے ہیں کہ بہ نسبت

اس کے کہ خدا انسان کو بچانے کے لئے جسم ہو بہتر ہے کہ انسان جہنم میں جائے۔

لیکن اس طرح سے خدائے بزرگ و برتر کی شان کو اس قسم کے خیالات مذکورہ سے بچانے کی کوشش کرنے میں کہ مسلمانوں کے زعم میں شان الہیٰ کی توہین کے باعث ہیں۔ وہ کم از کم اس ایک ناجائز خیال کے مرتکب ہیں کہ گویا وہ اپنے آپ کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ انہیں ازلی خدا کی سمجھ کا علم حاصل ہے۔ ہمیں خدا کے متعلق بیشک علم حاصل ہے۔ یعنی ہم اس کی حکمت ، قدرت، رفعت بلکہ اس کی حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ مگر یہ کہنا کہ خدا کا الہیٰ نقطہ نگاہ وہی ہے جو ہمارا ہے۔ گستاخی ہے۔ تو بھی یہی تو وہ دعویٰ ہے کہ مسیحی جس کے مدعی ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ خدا کی سمجھ کا انہیں صحیح علم حاصل ہے۔ یہ علم انسان کی اپنی دریافت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ خود ابدی خدا کا اپنے آپ کو ایک معین زمانہ میں ظاہر کرنے کا نتیجہ ہے۔

تو پھر مسیح کی ابنیت کے متعلق کیا کہا جائے

دنیا میں بُت پرست اقوام کی ایسی کہانیاں کہ جن میں دیوتاؤں کا انسان کی بیٹیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کا ذکر ہے بہت مشہور ہیں اور یوں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کا تعصب اس معاملہ میں اس قدر کیوں زیادہ ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی ابنیت کے مسئلہ کو بھی مشتبہ نظر سے دیکھتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ مسیحی عقیدہ بھی ایسی ہی کسی نامعقول کہانی سے ماخوذ ہے لیکن ان کہانیوں کا اگر اچھا سے اچھا مطلب نکالا جائے تو ان کے لئے یہی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے متعلق یہ انسان کی قیاس آرائیوں کا اظہار ہیں اور آنے والی سچائی کے گویا یہ عکس ہیں۔ مگر ہم سیدنا عیسیٰ مسیح کو خدا کا لاثانی اور واجبی ظہور مانتے ہیں جو وقت معین پر ہوا۔

یہ مذکورہ بالا فقرہ قابل غور ہے کیونکہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی شخصیت کا بھید اسی سے کھلتا ہے۔ دنیا میں آپ کے ظہور کا سبب بتانے میں ہم خدا کے ایک حیرت انگیز فعل کا آپ پر اطلاق کرتے ہیں اور وہ فعل بھی کوئی اور نہیں بلکہ ذاتِ الہیٰ کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے اور یوں ہم مانتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح انسان کے اس دائمی سوال کے جواب ہیں کہ خدا کیسا ہے؟ یعنی آپ ہمارے سامنے ایک عقیدہ کی صورت ہی نہیں بلکہ عقدہ کے حل کی حیثیت سے آتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہم آپ میں دیکھتے ہیں ان سے ہمارے اندر اس بات کا گہرا اور فاتحانہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ قادر مطلق خدا جو آسمان اور زمین کا خالق ہے وہ خود نہایت ہی اعلیٰ طور پر اور اپنی ذات میں پاک محبت ہے۔

عبرانیوں کے خط کا لکھنے والا اس بیٹے کی بابت جب اپنے خط کے پہلے باب کی تیسری آیت میں لکھتا ہے کہ " وہ اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش " ہے تو ہم ان الفاظ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جس اعلیٰ ترین مد کا اطلاق ہم اس الہیٰ محبت پر کرسکتے ہیں کہ وہ اخلاقی ہے۔ جب ہم اس محبت ، بھروسہ اور تابعداری کو دیکھتے ہیں کہ جو اس بیٹے کی زندگی میں پائی جاتی ہیں تو ہم یہ

نتیجہ نکالتے ہیں کہ آپ کا پاک ارادہ اور پرُمحبت مقاصد خود خدا کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر یہ بحث کرنا کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کس طرح خدا کی ذات کے شریک تھے بے فائدہ ہے۔ آخر الامر جوبات ضروری ہے وہ یہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی مرضی بحیثیت بیٹے کے خدا کی مرضی کےساتھ ایک تھی اور خدا کی مرضی کےساتھ آپ کی مرضی کا یہ اتحاد نہ جزُئی طور پر نہ غیر مسلسل طریق سے اور نہی استعارةً بلکہ بعینہ تھا۔

جو کچھ ہم نے اب تک کہا ہے اس بات کے مان لینے پر منحصر ہے کہ غیر مرئی اور ازلی خدا کو انسان کی کافی پروا اوراس لئے اس سے ایسے کام کا صدور ہوا جس کا ہم نے ذکر کیاہے۔ اورہم مسیحی فی الواقع یہ مانتے ہیں کہ خدا کو انسان کی فکر ہے خود ہماری ضمیر کی آواز اس بات پر شاہد ہے کہ الہیٰ روح انسان کے اندر سکونت کرسکتا ہے بلکہ کرتا بھی ہے۔ اور پھر پیغمبروں اور مقدسوں کی زندگیاں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ کس طرح خدا کا روح انسان کو قوت اور روشن ضمیری عطا کرتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کو اپنے خاص فعل تخلیق کے ذریعہ سے ایسا کچھ بنایا ہے کہ وہ اپنے اندر خدا کی اس سکونت کو جو خدا خود اس کے اندر بسنے کے لئے اسے عطا کرتا ہے ۔ قبول کرنے کی صلاحیت رکھتاہے۔ یہ الہیٰ سکونت انسان کو جس خصوصیت کے ساتھ اور جس درجہ تک حاصل ہوتاہے اس کا انحصار اس کے خود اپنے قبول کرنے کی طاقت پر ہے۔ علاوہ اس کے ابتدا سے الہیٰ محبت انسانیت کے محدود شعور میں اپنے آپ کوظاہر کرنے کے لئے آمادہ عمل یا اس کے اظہار پر عامل تھی کہ وہ بالآخر ایمان، امید اور محبت کوان کی پوری معموری کے ساتھ انسانیت کے محدود دائرہ میں بیدار کرنے کا باعث ہو۔

اب جس طرح خدا کا روح انبیا کو ان کی خدمت کےلئے تیار کرتا تھا اسی طرح وہ روح سیدنا عیسیٰ مسیح کو انسانیت کی معموری میں اس حیثیت سے ظاہر کرتاہے کہ خدا کا خود اپنے آپ کو انسانی دائرہ میں ظاہر کرنے کے آپ کامل اور آخری وسیلہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کی وہ محبت جو انسان پر ظاہر ہونے کے لئے آمادہ عمل تھی اسے ظاہر کرنے کی کامل آمادگی اس پورے طور سے آپ کی زندگی میں پائی گئی کہ خدا کے نجات بخش مقصد کا پورا پورا ظہور ہوگیا۔

اس وجہ سے سیدنا عیسیٰ مسیح کے معاملہ میں ابنیت ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے آپ کا اور لوگوں کی طرح ہونا ظاہر ہو۔ ہاں اگرچہ آپ انسانی سطح پر تھے۔ بلکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ظاہر ہوتاہے کہ اور لوگوں سے آپ کی حیثیت جداگانہ اور ممتاز نہ تھی۔ آپ کی ابنیت آپ کے لاثانی اور بعید الفہم مرتبہ کا اعلان کرتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ آپ خدا کی نظر میں تھے کوئی اور دوسرا ہو نہیں سکتا جیسا کسی نے آپ کے حق میں سچ کہا ہے کہ " آپ کے شعور (سمجھ) کا اصلی عنصر خدا باپ کے بیٹے ہونے کا احساس تھا جو اس قدر عمیق صریح، قریبی حاوی کل اورجاذبِ کل تھا ۔ جتنا کبھی کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا۔ "

کوئی کمتر ہستی نہ ہی ایسے کامل طور پر خدا کے فہم کو سمجھ سکتی ہے اور نہ ہی ایسے کامل طریق سے انسان کے سامنے اس کا اظہار کرسکتی ہے ۔ اوریہی وہ بات ہے جس کا آپ نے دعویٰ کیا۔ چنانچہ حضرت متی کی انجیل کے گیارہ باب کی ستائیسویں آیت میں آپ فرماتے ہیں " کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے "۔

ازلی خدا کیوں کر سیدنا عیسیٰ مسیح میں ہوسکتا ہے

لیکن پھر مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اس کا تو خیال ہی محال ہے کہ آسمان وزمین کا خالق اور سارے جہاں کا رب اس طرح محدود ہوجائے ۔ جس طرح سے کہ تجسم کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے ۔ جتنا بے ڈھنگے طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے وہ ان الفاظ سے ظاہر ہے " کیا ان ۳۳سال کے عرصہ تک جبکہ خدا سیدنا عیسیٰ مسیح میں تھا تو اس نے اپنا تخت اور دنیا کی حکومت ترک کردی تھی چنانچہ ابن حزم (متوفی ۱۱۵۳ء) نے کلیسیا کے یعقوبی فرقہ پر مسیحی عقیدہ کو اس صورت میں ماننے کا الزام لگایا ہے جسے وہ یوں تحریر کرتا ہے "۔ مسیح خود خدا تعالیٰ ہے نیز خدا تعالیٰ (ان کا کفر اس قدر بڑا ہے) مر گیا مصلوب اور قتل ہوا اور دنیا تین دن تک بلا کسی حاکم کے رہی اور آسمان بغیر کسی حاکم کے رہا۔ اور پھر زندہ ہوکر جہاں تھا وہاں لوٹ گیا "۔ یہاں بجا طور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ یعقوبیہ چھوڑ کیا کبھی کسی فرقہ نے تجسم کے متعلق اپنے عقیدہ کا اظہار اس بے ڈھنگے طریقے پر کیا ہے اور بفرض محال اگر کسی مسیحی فرقہ نے کبھی ایسا کیا بھی ہے۔ تو ایسا کہنا الہیٰ سکونت کے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے بالکل خلاف ہے۔

یہاں ہم پھر دیکھتے کہ اس مسئلہ کے ماننے میں مسلمانوں کے لئے ایک اور دقت ہے جو ان کی اپنی مفروضہ بات پر مبنی ہے ۔ان کے تصور کے مطابق خدا لامحدود اور بے نیاز ہے پس ان کا دعویٰ ہے کہ اگر کسی صورت سے بھی یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خدا ، مجسم ہوا تو یہ اس کی اپنی ہی ذات کے منافی ہوگا۔ اب یہ ایسا نتیجہ ہے جو ان مقدمات سے نکلتا ہے جو مدعی کے نزدیک مسلمہ ہیں۔

لیکن سیدنا عیسیٰ مسیح میں جو کچھ ہم پاتے ہیں ان سے اس قسم کی دلیل کے مغالطہ کی پُرزور تردید ہوتی ہے ۔ کیونکہ آپ کی ذات ہم کو پورے طور پر یقین دلاتی ہے جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ قادرِ مطلق خدا اپنی ذات میں پاک محبت ہے۔ اور بہ حیثیت پاک محبت خدا کے لامحدود طور سے جو چاہے کرسکتا ہے پس اگر خدا پاک محبت کے سوا کچھ اور ہوتا مثلاً اس کی تعریف بہر صورت قدرت کے ہی الفاظ میں کی جاتی ۔ تو اس کے جلال کو اس کی پست حالی کے فعل سے دھبہ لگتا ۔ یا اگر وہ اپنی امتیازی حیثیت میں ایک اعلیٰ ترین دانائی ہوتا تو ممکن ہے کہ وہ مسکین کی صورت میں ظاہر ہونے سے جھجکتا۔ یا اگر اس کی بہتریں تعریف انصاف کے لفظوں میں کی جاتی تو وہ انسان کو بچانے کے لئے شائد کوئی اور طریقہ ڈھونڈتا ۔ مگر چونکہ وہ محبت ، ہاں پاک محبت ہے اس لئے وہ بچانے کی خاطر اپنے آپ کو پست کرتا ہے اور پست کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرنا

نہیں ہے۔ اگر خدا واقعی لائق ترین طور سے محبت ہے تو اس کا جلال بالخصوص محبت ہی کے فعل میں ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن پھر جب مسلمان سیدنا عیسیٰ مسیح کی اس زندگی پر نظر ڈالتا ہے۔ جو انجیل شریف میں مرقوم ہے اور ہم چاہتے بھی یہی ہیں کہ وہ آپ کی زندگی کو دیکھے تو بعض باتیں جو وہ وہاں دیکھتا ہے ان سے ایک اور دقت اسے پیش آتی ہے۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ اس بات کا ثبوت کہاں ہے کہ خدا ایسے حضرت عیسیٰ میں تھا جن کا ذکر انجیل میں ہے۔مثلاً انجیل میں آپ کے متعلق یہ باتیں لکھی ہیں کہ آپ نے خدا سے دعا کی (متی ۲۶ باب ۳۹ آیت) ۔شیطان نے آپ کو آزمایا (مرقس باب آیت ۱۳)۔ لوگوں کی بے اعتقادی پر آپ مایوس ہوئے (مرقس باب ۶ آیت ۶) آپ نے لاعلمی ظاہر کی کہ کس نے آپ کی پوشاک کا کنارا چھوا (مرقس باب ۵ آیت ۳۰)۔ تعجب کا اظہار کیا (متی ۸ باب آیت ۱۰)۔آپ تھکے ہوئے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیاسے بھی تھے (یوحنا ۴ باب ۶ تا ۷ آیت)۔ آپ کا ٹھٹھا اڑا گیا اور دشمنوں نے آپ پر تھوکا اور آپ کے مکے مارے (متی ۲۷ باب ۳۰، ۳۱ آیات)۔ آپ مصلوب ہوئے مرے اور دفن ہوئے (متی ۲۷ باب ۳۵، ۵۰، ۶۰ آیات)۔ مسلمان ان سب باتوں کو پڑھ کر دریافت کرتا ہے کہ کیا ممکن ہے کہ ازلی خدا جو خداوند اور زمین کے کناروں کا پیدا کرنے والا ہے وہ تھک جائے اور ماندہ ہو (مقابلہ کرو یسعیاہ ۴۰ باب ۲۸ آیت)۔کیا یہ ممکن ہے کہ وہ آزمایا جائے۔ لوگ اس پر تھوکیں اور اسے ہلاک کر ڈالیں۔ کیا خدا کے متعلق یہ کہنا کفر نہیں ہے کہ وہ گرفتار ہوا اس پر مار پڑی۔ وہ باندھا گیا۔ اس نے گالیاں سنیں۔

علاوہ اس کے مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی الوہیت کے مسیحی دعویٰ کی تردید خود آپ ہی کے اقوال میں موجود ہے چنانچہ ان الفاظ میں جو یوحنا کی انجیل کے پانچویں باب کی تیس آیت میں مرقوم ہے کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا اسی طرح متی کی انجیل کے ۱۴ ویں باب کی ۳۶ ویں آیت میں ہے جہاں آپ فرماتے ہیں۔ اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے، نہ بیٹا مگر صرف باپ۔

یہ وہ باتیں ہیں جو سیدنا عیسیٰ مسیح کی انسانی زندگی کے مشہور واقعات سے ماخوذ ہیں اور انہی تحریری واقعات کی بنا پر ہمیں اس معاملہ کی تحقیق کرنا ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ ان واقعات مذکورہ کا آخر مطلب کیا ہے ان سے دو قسم کی باتیں خاص کر نکلتی ہیں۔

اوّل۔ سیدنا عیسیٰ مسیح پورے اور کامل طور پر انسان تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ محض انسان ہی تھے۔

آپ یہودی تھے اور ایسے جسم میں زندگی بسر کرتے تھے جو آپ کی ذی شعور زندگی کے گذارنے کے لئے اعضا سے مرکب تھا۔ آپ کی طاقت محدود تھی جو کبھی لوگوں کی متواتر بے اعتقادی کے باعث اپنا اثر دکھانے سے معذور تھی۔ اسی طرح آپ کا علم جیسا کہ ہم پیشتر کہہ چکے ہیں محدود تھا۔ اس سلسلہ میں

تواریخی حیثیت سے قرآن کا یہ بیان کس قدر غلط ہے کہ جہاں یہ دکھایا گیاہے کہ آپ کو نجومیوں جیسا علم ، غیب حاصل تھا - چنانچہ سورہ آل عمران کے پانچویں رکوع میں آپ فرماتے ہیں " جو کچھ تم کھا کرآؤوہ اور جو کچھ تم نے اپنے گھروں میں سینت رکھاہے تم کو بتادوں "- اور پھر یہ الفاظ اصل حقیقت کے کس قدر اختلاف ہیں کہ قرآن نے جنہیں آپ کی طرف منسوب کیاہے اور سورۃ المائدہ کے سولھویں رکوع میں مرقوم ہے و لَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا (مقابلہ کرو متی باب ۱۱ آیت ۲۷)- آپ کی اخلاقی زندگی میں ترقی کی استعداد تھی اور زندگی بھر آپ نے آزمائش سہی- آپ کی دینداری اور شخصی خدا پرستی کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ آپ کا بھروسہ ہمیشہ خدا پر تھا- لیکن ان باتوں کا مطلب صرف یہی ہے کہ الہیٰ زندگی جو آپ میں تھی آپ کی حقیقی انسانی زندگی کے ذریعہ ظاہر ہوئی-

دوم- جو کچھ اوپر کیا گیاہے کہ اگر اس پر اس قدر اور اضافہ کیا جائے تو مسلمانوں کی دقت ایک حد تک حل ہوسکتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح میں ہم بالا اختیار گھٹائی ہوئی الوہیت کو پاتے ہیں - کیونکہ قادر مطلق خدا میں جو چاہے کرنے کی لاانتہا استعداد موجود ہے- اس لئے اس میں یہ بھی قدرت ہے کہ اپنی عظمت کو گھٹا کر ہماری انسانی زندگی کے تنگ دائرہ میں لے آئے - لیکن بہر حال خدا انسانیت میں جتنا سماسکتا ہے اس سے زیادہ اس میں نہیں رکھ سکتا - یوں یہ تصور جو سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی کے واقعات سے منتج ہوتاہے-یعنی خدا کا اپنے آپ کو محدود یاخالی کرنا بجائے ناممکن ہونے کے خدا کے الہام اورمکاشفہ کی اولین شرط بن جاتاہے- اس امر میں جن حالات کے تحت انسانیت ہے خدا انہیں کے وسیلہ عمل کرتاہے - یہی سبب ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح میں ان بعض صفات اور اختیارات کو نہیں پاتے کہ جنہیں صحیح طور پر ہم خدائے مطلق کے الانتہا جلال میں شامل سمجھتے ہیں- یعنی ناظر کل ، حاضر کل ، قادر کل وغیرہ، صفات حقیقی انسانیت کے نقیض ہے-

علاوہ اس کے یہ بالکل مناسب ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح میں بیٹے کی حیثیت سے باپ کی تابعداری کا احساس پایا جائے - اوریہی سبب ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے- (دیکھو یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۸)-اور اسی طرح یوحنا کی انجیل چھٹے باب کی ۳۸ویں آیت میں آپ فرماتے ہیں - میں آسمان سے اترا ہوں نہ اس لئے کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں بلکہ اس لئے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں- تو بھی آپ نے یہ فرمایا کیونکہ آپ کے حق میں یہ بالکل درست تھا- میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں (یوحنا ۴ باب ۳۴آیت)- غرضیکہ آپ کی ساری ہستی کی قوت عملیہ کامدار خدا کی مرضی پوری کرنے پر تھا-

ان معنوں میں جو ہم نے ابھی بیان کئے ہیں - سیدنا عیسیٰ مسیح کے ان اقوال کو بھی سمجھنا چاہیے -جیسے " میں اور باپ ایک ہیں "(یوحنا ۱۰ باب ۳۰آیت)- اور پھر " جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا یوحنا باب ۱۴

آیت ۹) انہی معنوں میں آپ نے بتایا کہ آپ کے اقوال اور افعال خدا کے اقوال اور افعال تھے ۔ اور ذات الوہیت کے ساتھ یہی وہ کامل اتحاد ہے کہ جو آپ کے اس دوسرے قول کو پُرمطلب بناتا ہے کہ جہاں آپ فرماتے ہیں " ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خداواحد اور برحق کو اور سیدنا عیسیٰ مسیح کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں"(یوحنا ۱۷ باب ۳آیت) کیونکہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی پہچان ہمیں بتاتی ہے کہ خدا کیسا ہے۔ اور سیدنا عیسیٰ مسیح میں ہمارا بھی تجربہ یہی ہے کیونکہ آپ کی سیرت ، اختیار اور محبت ہمارے لئے خود خدا کی سیرت، امتیاز اور محبت ہے۔

یوں سیدنا عیسیٰ مسیح میں خدا کا اپنا مکاشفہ ہر طریقہ سے انسانی ضرورت کے لئے کامل ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اس مکاشفہ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے جس قسم کی زندگی کا سیدنا عیسیٰ مسیح کے وسیلہ اظہار ہوا ہے اس کے متعلق کسی طرح کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مکاشفہ فیصلہ کن اور آخری ہے یعنی ہمیں کسی اور مکاشفہ کے انتظار کی ضرورت نہیں کیونکہ مکاشفہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔ ان ساری باتوں کے بعد اب نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح میں خدا کا سب کا سب ظاہر ہوا ۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ سیدنا عیسیٰ مسیح میں خدا جیسا کہ حقیقتاً ہے پہچانا جاتاہے تو بھی الوہیت کے ایسے نامعلوم مقامات مسیح میں باقی رہتے ہیں کہ جن کا ایمان پوری طرح پتہ نہیں لگا سکتا۔ پولوس رسول کے اس پُرعقیدت منادی کا یہی مطلب ہے " ۔ واہ! خدا کی دولت اور حکمت اور علم کیا ہی عمیق ہے اس کے فیصلے کس قدر اور ادراک سے پرے اور اسکی راہیں کیا ہی بے نشان ہیں"(رومیوں ۱۱ باب ۳۳آیت) یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہمیں اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا ایمان دو متضاد باتوں کا حامل ہے کہ خدا معلوم ہے اور نامعلوم بھی ہے۔ بہر صورت سیدنا عیسیٰ مسیح میں خدا کا ایسا مکاشفہ ہمیں حاصل ہے کہ ہمیں نہایت گہرا بھید نظر آتاہے۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ہم اس مکاشفہ کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ کیا خود سیدنا مسیح نے ہمیں فرمایا کہ کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے (متی ۱۱ باب ۲۷آیت)۔

اب ان ساری باتوں میں ایک نہایت ہی اہم بات مضمر ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اگر مسلمانوں سے یہ بات منوالی جائے تو مسئلہ تجسم کے متعلق ان کے خیالات بالکل پلٹا کھاجائینگے ۔ وہ یہ ہے کہ انسانیت اور الوہیت کے درمیان اگرچہ تقابل ہے مگر باہمی مناسبت بھی ہے خدائے تعالیٰ ازلی باپ کا انسان کے ساتھ رابطہ یا رشتہ ہے۔ جیسا کہ کتابِ مقدس میں لکھاہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر اور اپنی مانند بنایا ۔(پیدائش ۱ باب ۲۶آیت)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں ۔ انسان خدا کے متعلق ذی حس واقع ہوا ہے یعنی اسے قبول کرنے اور اس سے استفادہ حاصل کرنے کی اس میں استعداد پائی جاتی ہے ۔ اب یہ ایک ایسی بات ہے جو ہمارے انسانی تصور کو نہایت بلند کردیتی ہے ۔ اور زندگی کی عظمت وتوقیر میں اضافہ کردیتی

ہے۔علاوہ اس کے یہ فرضی تصور کی بھی تردید کرتی ہے کہ ہماری انسانی زندگی کی پست حالی الوہیت کے بالکل ناموافق ہے۔

یہ سچائی بھی ہم سیدنا عیسیٰ مسیح سے سیکھتے ہیں کیونکہ اگر یہ بات سچ ہے اور بلاشک ہم اس کے قائل بھی ہیں کہ صرف سیدنا عیسیٰ مسیح میں ہمیں خدا کا صاف رویا نظر آتاہے (یوحنا ۱۷ باب آیت ۳)۔ تو یہ بھی سچ ہے کہ صرف آپ ہی میں ہمیں انسان کا صاف رویا بھی نظر آتاہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ وہ فطرت جو کل بنی نوع انسان میں خدا کے موافق ہے ۔ سیدنا عیسیٰ مسیح میں اس فطرت کا خدا کے ساتھ اتحاد ہوجاتاہے۔ اور یوں ہم سیدنا عیسیٰ مسیح میں ایک نئی مخلوق کامل انسان اورالہیٰ انسانیت دیکھتے ہیں۔

لیکن خدا کیوں مجسم ہوا

یہ بھی ایک قسم کا اعتراض ہے جو مسلمانوں سے بحث ومباحثہ کے دوران میں پیدا ہوتاہے اس سے ایسی ذہنیت کا اظہار ہوتاہے جوان کے امتیازی تعصب کی مانند ہے جو قدیم زمانہ میں پایا جاتا تھا۔اورابتدائی مسیحی کلیسیا کو جس کا مقابلہ بڑی تندی سے کرنا پڑا تھا۔ ایک سچا مسلمان خدا کی ذات کی خالص تنزیہ کے قائل ہونے کے باعث یہودی کی طرح ہے۔ اورپھر خدا کا دنیا کے تمام آلام ومصائب سے لاپرواہ ہونے کی قائلیت کے سبب یونانی کی مانند ہے۔ اس قسم کا گہرا تعصب ان کے دلوں سے مسیح میں خدا کے مکاشفہ کو اوربالخصوص اس کے جلالی نجات بخش مقصد کو دیکھنے اورایمان لانے سے دور ہوسکتاہے ۔ بہتیرے مسلمانوں کو یہ باتیں کس قدر ناپسندیدہ ہیں۔مرحوم خواجہ کمال الدین قادیانی کے ذیل الفاظ سے ظاہر ہیں۔ جو انہوں نے انگلستان میں کچھ برس ہوئے اپنی تقریر کے دوران میں کہے تھے ۔" میں کم از کم دہریہ ہونا پسند کرونگا بہ نسبت اس کے کہ میں ایک ایسے خدا پر ایمان لاؤ کہ جس کی سیرت اور صفات کا ظہور چرنی میں اور صلیب پر ہوا ہو"۔ ایسی باتیں فی الحقیقت خدا کی سیرت کے اس تصور کا انکار ہے جس کا ظہور اس طور سے ہوا ہے ۔ اور اس قسم کے اعتراض کرنے والے اس مقصد پر بالکل غور نہیں کرتے کہ جسے پورا کرنے کے لئے ایسا وسائل عمل میں لائے گئے تھے۔

اب اس جلالی مقصد کے متعلق ہم کچھ کہینگے۔ پولوس رسول کے ان الفاظ سے بڑھ کر کسی اور الفاظ میں اس مقصد کا اظہار زیادہ واضح طور پر نہیں ہوسکتا کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کرلیا"(۲ کرنتھیوں باب ۵آیت ۱۹)۔ اس کامطلب یہ ہے کہ ہم مسیح اور مسیح کے وسیلہ گناہ کے قبضہ سے چھڑا کر خدا سے ملائے جائیں۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی اور تعلیم خود اس کی تائید کرتی ہے۔آپ فرماتے ہیں ۔ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے یعنی کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا۔اوراے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو۔ سب میرے پاس آؤ میں تمہیں آرام دونگا"(متی باب ۲۰آیت ۲۸۔لوقا ۱۹ باب آیت ۱۰ ۔ متی ۱۱ باب آیت ۲۸)۔ اب چونکہ نجات خدا کے دکھ اٹھائے بغیر

ممکن نہیں اس لئے انسان کے عوض الہیٰ قربانی کا اظہار تجسم سے ہوتاہے اور صلیب پر اس کی تکمیل ہوتی ہے اوریہی سبب ہے کہ ہمارے منجئی کی زندگی احتیاج ، دکھ اور ذلت کی تھی۔ لیکن اس کا خاتمہ فتح مند موت کے بعد آپ کی پرُجلال قیامت پر ہوا۔ہماری انسانی فطرت جو بذاتہ خود کافی نہیں۔ الہیٰ زندگی کو خود اپنی زندگی بنانے کی متقاضی ہے اور یہ تقاضاخدا کی لامحدود محبت کے وسیلہ ہی پورا ہوتاہے۔

یہ ساری باتیں ہمیں خدا کی حیرت انگیز پہچان بخشتی ہیں اوران کے سوا کسی اور بات سے اس قدر صفائی کے ساتھ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ہمارا باپ ہے لیکن یہ بات اتنی لطیف ہے کہ ہمیں شک آتا ہے کہ یہ بات شاید ہی سچ ہو۔ لیکن آپ اتنا تو مانینگے کہ خدا کے متعلق انسان کا بہترین جلال خیال لامحالہ بالکل سچ ہوگا۔ ہم خدا کو اتنے عزیز ہیں کہ وہ ہماری رفاقت چاہتا ہے ہمارا اس کے ساتھ رشتہ ہے۔ ہاں ہم اس کے فرزند ہیں گو کھوئے ہوئے ہی سہی۔ اور وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے حقیقی مقصود کو پہچانیں اوراس کے پاک بیٹے کے وسیلہ اٹھ کر نئی زندگی کی راہ میں چلیں اور اس کی پاکیزگی میں شامل ہوجائیں (عبرانیوں باب ۱۲ آیت ۱۰)۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کا اپنے کل طریقوں میں الہیٰ ہونا

سیدنا عیسیٰ مسیح کی شخصیت کے مطالعہ کے دوران میں اکثر اپنے دعوے کی تشریح میں ہم نے کتبِ مقدسہ کے الفاظ پیش کئے ہیں۔ تو بھی آپ کی الوہیت کی سب سے بڑی دلیل نہ تو بائبل کے متن میں اور نہ ہی مسیحی عقیدوں میں پائی جاتی ہے بلکہ یہ دلیل کلیسیا میں آپ کے فضل اور قوت کے تجربہ میں اور صدیوں سے شخصی طور پر ایمانداروں کی زندگی میں ملتی ہے۔

جن ایام میں آپ ہمارے درمیان تھے اس وقت یہی حال تھا۔ انجیل شریف میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنے شاگردوں کے پاس جو کٹر موحد تھے اپنے متعلق اپنے دعاوی کا اس قسم کے الفاظ میں اعلان کیا ہو کہ میں خدا ہوں۔ اگر آپ ایسا کرتے توآپ اپنے ہی طریقہ کے خلاف عمل کرتے اوراپنے مقصد میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔آپ نے ایسا نہیں کیا کہ آپ کے شاگرد بہت دنوں تک آپ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے آپ کے اس برتاؤ کو دیکھا۔ جو آپ ان کے ساتھ اوردوسرے لوگوں کے ساتھ کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو گنہگاروں کی مخالفت اور تمسخر انگیز مقدمہ کی برداشت کرتے دیکھا تھا۔آخر کار آپ صلیب پر مار ڈالے گئے اور پھر غیر متوقع طور پرآپ مردوں میں سے جی اٹھے۔ اور تب ہاں تب ہی وہ مجبور ہوئے۔ کہ آپ کے متعلق یہ کہیں۔ کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا کہ باپ کے اکلوتے کا جلال۔ (یوحنا ۱ باب ۱۴ آیت)۔

یہ بات آج بھی سچی ہے کیونکہ سیدنا عیسیٰ مسیح نہ صرف زندہ تھے بلکہ زندہ ہیں۔آپ اس طور سے ہمارے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں جو ہم جانتے ہیں کہ خدا کا طریقہ ہے یعنی ہم نے آزمایا ہے کہ آپ کا روح ہماری زندگی کو نئی

پیدائش بخشنے والی قوت ہے کیونکہ مسیح کی حقیقت ہمیشہ وہی ہے جو ضمیر کی حقیقت ہے۔ لوگ آپ کو جانچنے کے لئے آپ کے پاس جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ کی تجسسانہ نگاہ ان کے دلوں کی گہرائیوں کی جانچ کرتی ہے۔ آپ کی پاک حضوری انہیں مجرم ٹھہراتی ہے اور تو بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ گناہ کے قبضہ سے چھڑانے کی آپ کو قدرت ہے اور آپ کا مقصد بھی یہی ہے اور یوں خدا اور مسیح کے درمیان اخلاقی معنوں میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ خدا کی مرضی بجالانا مسیح کی مرضی پوری کرنا ہے۔ خدا اور مسیح ایک ہی ہیں۔

پس تو اب یہ مسیح کون ہیں اور ہم آپ کا بیان کن الفاظ میں کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ وہ ہیں کہ جنہیں وہ نام بخشا گیا جو سب ناموں میں اعلیٰ ہے کیوں کہ ہم نے اپنی زندگیوں کی نجات کے لئے آپ کو خدا کی قدرت اور محبت پایا ہے۔مگر آخر کار آپ کے حق میں یہ بات وہی لوگ کہہ سکینگے جو اپنی نجات کے لئے آپ کے مقروض ہیں۔ کیونکہ آپ کے جلال کا رویا اخلاقی طور سے نئی پیدائش حاصل کرنے کے بعد ملتا ہے۔

اسی سبب سے ہم مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کرسکتے اور نہ ہی ہمیں ان سے یہ توقع کرنی چاہیے کہ وہ ہمارے سیدنا عیسیٰ مسیح کی الوہیت کو فوراً مان لینگے یا بآسانی آپ کو خدا کا بیٹا تسلیم کرلینگے نہ ہی ہمیں چاہیے کہ بلاِ ضرورت اس نام کو مسلمانوں کے سامنے لاتے رہیں۔ گویا کہ یہ نام مسیح پر ایمان رکھنے کے پھل کے بجائے یہ اس ایمان کی بنیاد ہے۔ ہم پہلے خود معلوم کرتے ہیں کہ مسیح ہمارے حق میں کیا ہیں اور خدا کے ساتھ آپ کا کیا تعلق ہے اور تب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نام سب ناموں سے اعلیٰ ہے آپ کا موزون نام ہے لیکن خاص بات نام نہیں بلکہ ہمارے دلوں اور زندگیوں میں آپ کے نجات بخش کام کا تجربہ ہے۔

پولوس رسول بھی شروع میں سیدنا عیسیٰ مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں کہہ سکے پہلے انہوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور جب انہیں آپ کا شخصی تجربہ حقیقی طور پر ہوا تو آخر کار آپ نے کہا نہ کوئی روح القدس کے بغیر کہہ سکتا ہے کہ عیسیٰ خداوند ہیں(۱ کرنتھیوں ۱۲ باب ۳آیت)۔پس اس قسم کے اقرار کے لئے خدا ہی کی قدرت کی ضرورت ہے ۔ پولوس رسول اس بات کو مانتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے فضل سے مجھے بلایا۔ جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے (گلتیوں ۱ باب ۱۵ ، ۱۶ آیات)۔

دوسرے لفظوں میں سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق یہ ایک سچائی ہے جو الہام سے ظاہر ہوئی ۔ انسانی عقل کے معمولی طریقہ سے یہ علم حاصل نہیں ہوا۔ اور پھر سیدنا عیسیٰ مسیح کا مطلب بھی یہی تھا۔ جب آپ نے پطرس رسول سے اس نام خدا کے بیٹے کے متعلق فرمایا جو پطرس نے آپ کو دیا تھا" مبارک ہے تو شمعون بریونا۔ کیونکہ یہ بات گوشت اور خون نے نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی (متی باب۶ آیت ۱۳ تا ۱۷)۔

چوتھا باب

تثلیث پر مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ انسانی طبیعت کا یہ صاف تقاضہ ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اس کا کوئی ہمسر یا شریک نہ مانے۔

۲۔ پیدائش کی کتاب سے لے کر ملاکی کی کتاب تک یہی سکھاتی ہے کہ کل انبیا نے صاف اور صریح لفظوں میں خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی ہے۔

۳۔یہودی اس بات کے گواہ ہیں کہ انہیں تثلیث کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی اور نہ کبھی ان کے کسی پیغمبر نے اس بات کی پیشینگوئی کی کہ اس دنیا میں خدا یا کسی اور ایسے شخص کا جسے لفظی طور پر خدا کا بیٹا کہا جائیگا ظہور ہوگا۔

۴۔ بائبل سے تثلیث کی تعلیم کو ثابت کرنے کی توقع رکھنا ایسا ہے جیسے آفتاب کو پھونک مار کر بجھادینے کی امید کرنا۔(صفحہ ۹۹، ۱۰۰)۔

۵۔ انجیل کی بھی یہی تعلیم ہے کہ خدا ایک ہے اور تثلیث کی تعلیم کا شمہ بھر ذکر ان میں نہیں ملتا۔(صفحہ ۱۰۰۔ ۱۰۱)۔

۶۔ تثلیث کا غیر معقول عقیدہ مہلک گناہ ہے۔ کہ جس سے بڑھ کر کسی اور گناہ کا انسان مرتکب نہیں ہوسکتا۔

۷۔ یہ مردود کفر بھی نفرت انگیز ہے کہ جب تک خدا میں روح القدس اور عیسیٰ ابن مریم شریک نہ ہوں تو خدا مکمل نہیں ہے۔ اور یہ کہ ان تینوں کے ایک ساتھ مخلوط ہونے سے خدا بنتا ہے۔(صفحہ ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۱)۔

۸۔ ہمارے خیال میں ابنیت تثلیث اور کفارہ جیسی تعلیمات مسیح کی طرف منسوب کرنا آپ کے متعلق سب سے بڑی غلط بیانی ہے بلکہ آپ کے مقدس نام کی بڑی بے حرمتی ہے(صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۱)۔

۹۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ایک اکیلا وجود ہے جس میں کسی قسم کے باطینی امتیازات یا تعلقات نہیں پائے جاتے کیونکہ اس قسم کا تصور غیر معقول ہے(صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۳)۔

چوتھا باب

عقیدہ تثلیث

سب سے مشہور عقیدہ جسے مسلمانوں نے اعتراض اورملامت کا نشانہ بنارکھاہے وہ تثلیث ہے کیونکہ ان کی سمجھ میں یہ عقیدہ نہ صرف کفر بلکہ غیر معقول بھی ہے۔ بہر حال یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ ایک مشہور مسیحی فاضل کا بیان ہے کہ مغرب میں بھی ایسے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے جن کا اس تعلیم کے متعلق یہی خیال ہے گوانہیں الہٰیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تعلیم علم الحساب کا ایک ایسا معمہ معلوم ہوتاہے جس سے بعض دیندار لوگوں کے مذہبی احساس کو بہت ٹھیس لگتی ہے اور جنہیں اپنی بڑی سمجھ پر ناز ہے ان کے لئے یہ مضحکہ خیز ہے۔

ایک اسلامی جریدہ نے یہ شائع کیا تھاکہ تثلیث کا مسیحی عقیدہ مسئلہ ریاضی کی اس شکل کی مانند ہے ۱ + ۱ + ۱ = ۱ یہ غلطی ایسی ہے کہ اگر طفل مکتب بھی اپنے حساب میں یہ غلطی کربیٹھے تومار کھائیگا۔

لیکن اس عقیدہ کی ابتدا کے متعلق جو باتیں مسیحی علمانے پیش کی ہیں ان کو پرکھنے اور اس عقیدہ کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی مسلمانوں نے کبھی صحیح کوشش نہیں کی۔ چنانچہ ہماری یہ رائے کتاب موسومہ توحید بخلاف تثلیث کا مفصل بیان " پر خوب صادق آتی ہے۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ۱۵۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔ لیکن درحقیقت اس کتاب میں تثلیث کا کوئی مفصل بیان نہیں بلکہ اس کے برعکس مصنفِ کتاب یہ مبالغہ آمیز دعویٰ کرنے کے بعد کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ تثلیث کے پُراسرار عقیدہ پر ایمان لائے بغیر انسان ابدی عذاب سےبچ نہیں سکتا تقریباً نصف کتاب سیدنا عیسیٰ مسیح کے چال چلن پر جرح کرنے میں صرف کرتاہے تاکہ مسیح کی الوہیت کی تردید کرے۔

اس معاملہ میں بھی اسلام کے اساسی عقیدہ توحید کا مسلمانوں کے ذہن پر اس قدر زیادہ اثر ہے کہ خدا کی ذات کے متعلق جو بیان قرآن کے منافی ہو وہ فوراً قرار پاتاہے۔ اور بیشک قرآن میں ایسی آیتیں موجود ہیں جن کی بنا پر ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کے بعض مقامات سے اس کفر یہ اور بدعتی تعلیم کا رد ہوتاہے۔

قرآن میں تثلیث کا ذکر

قرآن میں تثلیث کے سلسلہ میں جو آیتیں آئی ہیں کم از کم ان کے متعلق یہ کہہ سکتےہیں کہ وہ اپنے بیان میں عجیب ہیں ۔ یہ آیتیں حسب ذیل ہیں :

"اے اہلِ کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کی نسبت حق بات کے سوا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالو۔ مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح اللہ کے ایک رسول ہیں اور اس کا کلام جو اس کی طرف ڈال دیا اور اس کا روح پس اللہ

اوراس کے رسول پرایمان لاؤ اور اس کو تین نہ کہو۔ اس سے باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پس اللہ ہی اکیلا معبود ہے" سورۃ نسا آیت ۱۶۹۔

" جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں ایک تیسرا ہے۔ بے شک کافر ہوگئے حالانکہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور خدا کے بارے میں جیسی جیسی باتیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگران سے باز نہیں آئینگے توجولوگ ان میں سے کفر کرتے رہینگے ان پر عذاب دردناک نازل ہوگا"۔ سورۃ المائدہ آیت ۷۷۔

" جب اللہ تعالیٰ پوچھیگا کہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھ کو اور میری والدہ کو بھی دو خدا مانو۔ عیسیٰ عرض کرینگے کہ تیری ذات پاک ہے مجھ سے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں ایسی بات کہوں۔ جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں اوراگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو میرا کہنا تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو تو میرے دل تک کی بات جانتا ہے اورمیں تیرے دل کی بات نہیں جانتا"سورۃ المائدہ آیت ۱۱۶۔

آیات مافوق میں سے پہلی آیت کی تفسیر میں علامہ یوسف علی اپنی تفسیر القران میں لکھتے ہیں کہ " اس آیت میں مسیحی عقیدہ کو باطل ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ یہ عقیدہ سیدنا عیسیٰ کو خدا کا ہمسر بناتاہے۔ اور بعض صورتوں میں مریم کی ایسی تعظیم کی گئی ہے کہ جو قریب قریب بت پرستی ہے اور ایک مادی بیٹا خدا کی طرف منسوب کرتاہے اور تثلیث کی تعلیم کی اختراع کا باعث ہے جو عقل کے بالکل خلاف ہے اور اتھانیسی اس عقیدہ کے مطابق جو اس پر ایمان نہ لائے ہمیشہ کے لئے جہنم کی سزا کا مستحق ہوگا"۔

مولانا محمد علی آیات مذکورہ کی تفسیر میں دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کہیں بھی یہ نہیں کہتا کہ مسیحی تثلیث عیسی، مریم اور خدا سے مرکب ہے جیسا کہ قرآن کے بعض مسیحی نقادوں نے نتیجہ نکالا ہے۔ مولانا موصوف کی رائے میں حضرت مریم کے متعلق جو کچھ قرآن میں کہا گیا ہے۔ اس کا تعلق حضرت مریم کی اس پرستش سے ہے جو رومی کلیسیا میں رائج ہے۔ اور پھر آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ اگر مسیحیوں نے حضرت مریم کی پرستش بطور مادر خدا نہ کی ہوتی تو یہ نتیجہ نکل سکتا تھا کہ قرآن نے تثلیث کی تیسری اقنوم کو غلطی سے حضرت مریم سمجھا۔مولانا محمد علی کی اس رائے کے برعکس ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں کہیں بھی تثلیث کے سلسلہ میں روح القدس کا ذکر نہیں آیا ہے اس لئے یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح حضرت محمد نے حضرت مریم کو تثلیث میں شریک سمجھا۔ علاوہ اس کے مفسر جلال الدین نے آیات مافوق کی پہلی دوآیات مذکورہ کے متعلق اور بیضاوی نے پہلی آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم از کم ان کی رائے میں قرآن کے بیان کے مطابق مسیحی تثلیث باپ، ماں اور بیٹے سے ترکیب پاتی ہے۔ چنانچہ تفسیر جلالین کا بیان سورۃ النساء کی ۱۶۹ آیت کے متعلق یہ ہے کہ اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ " تین خدا ہیں اللہ اور عیسیٰ اوراس کی ماں۔

اور سورۃ المائدہ کی ۷۷آیت کے متعلق اسی تفسیر کا بیان ہے کہ کافر ہوئے وہ جوکہتے ہیں کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک ہے باقی دو خدا عیسیٰ اوران کی ماں ہیں"(تفسیر جلالین اردو مطبوعہ مطبع حسینی آگرہ صفحات ۲۱۴ ، ۲۴۸) اسی طرح مفسر بیضاوی کا قول سورۃ النسا کی ۱۶۹ آیت کی تفسیر میں یہ ہے الالھۃ ثلاثۃ اللہ والمسیح ومریمہ ، ویشھد علیہ قولہ تعالیٰ ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ۔ یعنی معبود تین ہیں۔ اللہ مسیح اورمریم۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول شاہد ہے کہ کیا تم نے (اے عیسیٰ) لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھ کو اور میری والدہ کو بھی دوخدا مانو۔ پھر علامہ جیلی اپنی مشہور کتاب انسان کامل کے اڑتیسویں باب کے شروع میں لکھتے ہیں ۔" انجیل کا آغاز اسم اب اورام اور ابن کے ساتھ ہے جیسے کہ قرآن کی ابتدا بسمہ اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ ہے پس ان کی قوم نے اس کلام کے ظاہری معنی لئے اورانہوں نے یہ گمان کیا کہ اب اور ام اور ابن روح اورمریم اورعیسیٰ سے مراد ہے"۔

یہ ممکن ہے کہ مقدسہ مریم کی جو بے حد تعظیم ملکِ حبش کے مسیحی کرتے تھے اس سے اس قسم کا غلط خیال پھیل گیا ہو۔ لیکن حال ہی میں اس غلط فہمی کا ایک اور ممکن سبب ڈاکٹر براؤن مصنف" ایشیا میں مسیحیت کا زوال" اورسابق لکچرار ہنری مارٹن مدرسہ اسلامیات نے تجویز کیاہے آپ کہتے ہیں کہ سریانی زبان کا لفظ روحا جوروح کے معنوں میں مستعمل ہوتاہے مونث ہے۔ اور سریانی زبان بولنے والے مسیحی روح القدس کے لئے ضمیر مونث استعمال کرتے تھے بلکہ ایک قدیم موضوعہ انجیل میں کہ جس کا نام عبرانیوں کی انجیل ہے یہ جملہ پایا جاتاہے جس میں غالباً مسیح کی آزمائش کی طرف اشارہ ہے۔" ابھی میری روح القدس مجھے میرے ایک بال کو پکڑ کر شبور کے بڑے پہاڑ پر لے گئی "۔ اوریجن نے تیسری صدی میں اور جیروم نے چوتھی صدی میں اس جملہ کو اپنی تصنیف میں نقل کیاہے اور یہ موضوعہ انجیل خود نویں صدی مسیحی تک مشہور اور مستعمل تھی۔ یہی ڈاکٹر براؤن اپنی کتاب مذکورہ میں لکھتے ہیں کہ کم از کم یہ ممکن ہے کہ مقدسہ مریم کنواری کی جو تعظیم ملکہِ حبش کی کلیسیا کرتی تھی۔ اس کے باعث مسیحیوں پر وہ الزام لگایا گیا جوسورۃ المائدۃ کی ۱۱۶ آیت میں موجود ہے۔مگراس کا اصلی سبب عبرانیوں کی موضوعہ انجیل کی آیت مذکورہ ہے یا اور کوئی ایسا قول ہے جواسی سے ماخوذ ہے"۔ بہر حال یہ خیال کہ روح القدس مونث ہے رائج ہوگیا۔ چنانچہ بارھویں صدی میں بھی ایک مصری راہب اسی الزام میں ماخوذ ہوا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ الوہیت میں ایک ایسی صفت موجود ہے جو یہ ثانیت کے مشابہ ہے اوراس کی تعلیم تھی کہ یہ صفت ثانیت روح القدس سے وابستہ ہے اور وہ مانتا تھا کہ خدا کا ابدی کلام باپ اور روح القدس سے ازل سے متولد ہے۔

مسیحی بھی خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں

پہلی بات جو کہنی چاہیے اورتاکیداً کہنے کی ہے وہ یہ ہے خدا کی وحدانیت کے ماننے میں ہم مسیحی مسلمانوں سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ مسیحیوں

میں تثلیث کی تعریف خواہ کسی الفاظ میں کیوں نہ کی جائے ۔ کم از کم اتنا تو سب تسلیم کرینگے کہ تثلیث توحید کے تابع ہے۔ اس لئے جب کوئی مسلمان قرآن کے الفاظ میں تثلیث کا بیان ہمارے سامنے پیش کرتا اور کہتاہے کہ اس قسم کی تثلیث پرہمارا ایمان ہے توہم جواب میں کہہ سکتےہیں کہ جس طرح یہ سچ ہے کہ فقرہ ابن اللہ مسیحی جسمانی معنوں میں استعمال نہیں کرتے اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ کوئی مسیحی تین خدا پر ہر گزایمان نہیں رکھتا۔

علاوہ اس کے بنیادی عقیدہ کی تائید میں ہمارے سامنے سیدنا عیسیٰ مسیح کا نمونہ اوراس عقیدہ توحید پرآپ کی پسندیدگی کا اظہار موجود ہے جوآپ کے ان الفاظ میں پایا جاتاہے جنہیں آپ نے موسیٰ کے کلام کو دوہراتے ہوئے فرمایا جو بنی اسرائیل کو سنایا گیا تھا ۔ " اے سرائیل سن ۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے"(استثنا باب ٦آیت ٤)۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آپ نے یہی کہنے پراکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی فرمایا ۔" توخداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اوراپنی ساری جان اوراپنی ساری عقل اوراپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"(مرقس ١٢ باب آیات ٢٩ ، ٣٠) اور یوں وحدانیت کے عقیدہ کوآپ نے اخلاقی رنگ میں پیش کیا اور بتایا کہ سب سے اول اور سب سے بڑا حکم یہی ہے ۔ لیکن مسیحیوں کے لئے اوراسی طرح یہودیوں کے لئے بھی جس بڑی حقیقت کا اظہار کلام مذکور میں ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ذاتِ الٰہیٰ نہ صرف واحد بلکہ راست اورپاک بھی ہے ۔ خدا کو محض واحد ماننا مقدم بات نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ خدا کو محض واحد ماننا ایک بے معنی ذہنی عقیدہ توحید کا اظہار ہو۔

کتبِ مقدسہ سے اس عقیدہ کی کیا تائید ہوتی ہے

ممکن ہے کہ مسلمان یہ کہیں اوران کا یہ کہنا ظاہر ادرست معلوم ہو کہ توحید کی تعلیم کی جس پر ان کا ایمان ہے قرآن کے الفاظ سے پوری تائید ہوتی ہے۔ اور یہ قرآن کا خاص بڑا مضمون بھی ہے مگر مسیحی بائبل کی سیدھی سادی تعلیم سے جیسا کہ مرقس کی انجیل کی آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے دور پڑگئے ہیں اورانہوں نے اپنی طرف سے ایسی تعلیم اختراع کرلی ہے کہ جس کا ہماری توقع کے برعکس بائبل میں کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا۔

اس اعتراض سے دوسوالات پیدا ہوتےہیں جن کا ذکراس موقعہ پر کرنا چاہیے ۔ اول نئے عہد نامہ کا خاص بڑا مضمون کیا ہے۔ دوم کتبِ مقدسہ سے اس تعلیم کا کیا ثبوت ملتاہے۔ ہم ان سوالات پر فرداً فرداً غور کرینگے۔

اوّل۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ بعض مسیحی مصنفوں نے کسی خاص مضمون کے سلسلہ میں تثلیث کو خدا کے مسیحی مفہوم کی امتیازی صورت بتائی ہے توبھی تجسم کے اعلیٰ مقصد کی روشنی میں ان کا یہ بیان مغالطہ دہ معلوم ہوتاہے۔ یہ سچ ہے کہ مسیحیت کے ابتدائی دنوں میں ہی مسیحی ایمان نے تثلیث کے عقیدہ کی صورت اختیار کرلی تھی توبھی اگر خدا کے متعلق مسیحی عقیدہ کی امتیازی تعلیم کو ایک جملہ میں ادا کیا جائے تو یہ نہیں کہینگے کہ خدا

ثالوث ہے۔ بلکہ یہ کہا جائیگا کہ خدا نجات بخش محبت ہے۔ اس لئے تجسم کی طرح تثلیث کی تعلیم بھی مسیحیوں کے لئے یوں پر معنی بن جاتی ہے کہ اس کا تعلق خدا کے نجات بخش مقصد سے ہے اور اگرچہ اس تعلیم کی بنیادی باتیں واقعی انجیلی بیانات میں پائی جاتی ہیں توبھی انجیل کا خاص بڑا مضمون جس کا اعلان سیدنا عیسیٰ مسیح اورآپ کے رسولوں نے کیا گنہگار انسان کو خدا کی طرف سے فضل کی بخشش ہے ۔ فی الحقیقت تھوڑی دیر کےلئے بھی یہ خیال محال معلوم ہوتاہے کہ جب سیدنا عیسیٰ مسیح فلسطین کے گاؤں اور دیہات کے علاقوں میں خدا کی بابت تعلیم دیتے اور خدا کو اپنی رحمدلی کے وسیلہ ظاہر کرتے پھررہے تھے توآپ کو خاص فکریہ تھی کہ لوگ خدا کے اس تصور کو سمجھیں اورقبول کریں کہ خدامیں تین اقانیم ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسان جنہیں خدا کی نجات بخش تعلیم کی ضرورت ہے ان کے لئے تثلیث یا توحید کا محض عقیدہ ہی خوشخبری نہیں ہوسکتا۔

دوم۔ تثلیث کے متعلق دوسری بات جوکہنی ہےوہ یہ ہے کہ کتاب مقدس میں یہ تعلیم عقیدہ کی شکل میں نہیں پائی جاتی اوراس کاسبب یہ ہے کہ نئے عہدنامہ کی آخری کتاب کے لکھے جانے کے وقت اس تعلیم نے عقیدہ کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ اس کی ابتدا ان حقیقتوں پر مبنی ہے جو خدا کی نجات بخش محبت کے مسیحی تجربہ میں اورپھر اس تجربہ پر عرصہ تک غور کرنے میں پائی جاتی ہیں مگر جس تجربہ کوقائم رکھنے کے لئے تجسم اور تثلیث نے عقیدہ کی صورت اختیار کی۔ اس کاصفائی سے نئے عہد نامہ میں اظہار ہے۔ اس تجربہ کی مرکزی حقیقت جیسا ہم بیان کرچکے ہیں یہ ہے کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کرلیا۔ سیدنا عیسیٰ مسیح الہیٰ زندگی اور خالق کے نجات بخش کام کے مظہر اور وسیلہ ہیں۔ اسی طرح پولوس رسول کے اس ایمان کو جو مسیح کی الوہیت پر تھا۔ تثلیثی الہیٰات کے بغیر پورے طورپر الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے ۔ چنانچہ پولوس رسول کے ان الفاظ پر غور کیجئے "۔ وہی (خدا) ہمارے دلوں میں چمکا تا کہ خدا کے جلال کی پہچان کا نور، عیسیٰ مسیح کے چہرہ سے جلوہ گرہو"(۲ کرنتھیوں ۴باب ۶ آیت ۔ اس عبارت میں وہ تمام باتیں موجودہیں جنہوں نے بعدمیں تثلیث کی تعلیم میں معین صورت اختیار کی یعنی خدا اور اس کی ذات منزہ کی یہ حیثیت کہ وہ کائنات سے بعید القیاس طورپر اعلیٰ وبالا ہے ۔ اور پھر خدا کی اس حیثیت کی طرف بھی اشارہ موجودہے جوآدمیوں پر سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی اور موت اور قیامت کے وسیلہ ظاہر ہوا اورپھر خدا کی اس حیثیت کی طرف بھی اشارہ پایا جاتاہے جس حیثیت سے وہ ہمہ جا حاضر ہے یعنی اگرچہ وہ نادیدنی ہے توبھی بہت ہی قریب ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سکونت کرتاہے۔ اور یہ تینوں اسی ایک آیت میں پائی جاتی ہیں۔ پھر اسی سلسلہ میں پولوس رسول کے اس جملہ پر بھی غور کیجئے۔

" اس (عیسیٰ مسیح) ہی کے وسیلہ سے ہم دونوں (یعنی یہودی اور غیر قوم) کی ایک ہی روح میں باپ کے پاس رسائی ہوتی ہے"(افسیوں باب ۲آیت ۱۸ ۔

پھر ذیل کی آیتوں میں تثلیثی عقیدہ کی اصولی باتیں زیادہ صریح طور پر پائی جاتی ہیں۔

" باپ اوربیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو"(متی باب ۲۸ آیت ۱۹ ۔ (کلمہ بپتسمہ)۔

" سیدنا عیسیٰ مسیح کا فضل اور خدا کی محبت اور روح القدس کی شراکت تم سب کے ساتھ ہوتی رہے"۔(۲کرنتھیوں باب ۱۳آیت ۱۴)(کلمہِ برکت)۔

عقیدہِ تثلیث کاابتدائی کلیسیاکے مسیحیوں کے تجربہ سے متعلق

اب ہم ذرا اورگھری نظر کے ساتھ اس تجربہ پر غور کرتے ہیں جس نے قدیم مسیحیوں میں باوجودیکہ وہ پکے موحد تھے ایسی صلاحیت پیدا کردی جس سے انہوں نے اپنے ایمان کا اقرار ایسی صورت میں کیا جس سے آگے چل کر تثلیث کی تعلیم کاعقیدہ کی صورت اختیار کرلینا ممکن بن گیا۔

پہلی بات جو اس سلسلہ میں ہم پیشتر دیکھ چکے ہیں وہ یہ تھی کہ ابتدائی کلیسیا کے مسیحی سیدنا عیسیٰ مسیح کی لاثانی شخصیت کے اسباب سمجھنے سے قاصر رہے۔ وہ آپ کو اپنی معلومات کی کسی مد میں نہیں رکھ سکے۔ بالخصوص آپ کی تعلیم نہیں بلکہ آپ کے خصائل اورآپ کے شخصی تعلقات جن ان لوگوں کے ساتھ تھے ۔ ان سب سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ایک بے نظیر اور نامعلوم طریقہ پر آپ کا رشتہ خدا اوراس کی قدرت ، حکمت اور محبت کےساتھ تھا۔ آپ ہی کے وسیلہ وہ ایک " نئی مخلوق" بن گئے تھے(۲کرنتھیوں باب ۵آیت ۱۷)۔ اور برائی کی غلامی سے چھٹکارا پاکر انہوں نے نئی امید اور مقصد اور زندگی بسر کرنے کی نئی طاقت کی معموری حاصل کی تھی۔

اوراگرچہ یہودی ہونے کے باعث کی ترتیب اس قسم کی واقع ہوئی تھی کہ وہ کثیر معبود پرستی کو ایک ایسا گناہ سمجھ کر جس کی معافی مل نہیں سکتی اس سے وہ نفرت کرتے تھے ۔ توبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا پورا ایمان مسیح پر تھا۔اور یوں وہ مجبور ہوئے کہ مسیح کے اپنے اس نئے تجربہ اوراس نئی قائلیت اورالہیٰ وحدانیت کی بنیادی حقیقت میں مطابقت پیدا کریں۔ اس کا حل ان کو اس وقت ملا جب وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسیح ایک پُراسرار طریقہ سے " خدا" کی مد میں ہے اورآگے چل کران کا فکر اس بات کے اعلان کرنے کی متقاضی ہوئی کہ ذاتِ الہیٰ میں ایسا امتیاز موجود ہے جس کا پتہ اب تک نہیں لگا اور ذات الہیٰ کے اس امتیاز کے اظہار کاایک طریقہ یہ اختیار کیا کہ وہ مسیح کو ابن اللہ اور کلمة

اللہ کے نام سے پکارنے لگے۔ ان مسیحیوں کے لئے یہ ایک کامیاب دریافت تھی جس کی بنیاد کل دیگر علمی تحقیقات کے مانند تجربہ پر تھی۔

یہی تجربہ ان کو روح القدس کا ہوا عین اس وعدہ کے مطابق جو خود سیدنا عیسیٰ مسیح نے ان سے کیا تھا۔انہیں معلوم ہوا کہ روح القدس مسیح کی باتیں لے کر ان پر ظاہر کرتا تھا سیدنا عیسیٰ مسیح کے الفاظ روح القدس کے متعلق لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ کیونکہ روح القدس نے مسیح کے خاص کام کو لوگوں کے دلوں میں جاری رکھا۔ یعنی ان کو ان کے گناہوں سے قائل کرتا اور انہیں راستباز بنانے کے لئے ان کی زندگی کو پاک وصاف کرتا تھا (دیکھو یوحنا باب ۱۶آیت ۸، ۱۴تا ۱۵) بالخصوص روح القدس کی رفاقت کے ذریعہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ مسیح کا فضل اور خدا کی محبت اور بھی زیادہ گہرے طور پر معلوم کیا۔ علاوہ اس کے روح القدس کا سلوک ان کے ساتھ وہی تھا جو خود خدا کا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ روح القدس بھی" خدا کی مد میں ہے۔ دوسرے الفاظ میں خدا باپ جس کی منادی سیدنا عیسیٰ مسیح نے کی اور پھر خود سیدنا عیسیٰ مسیح جو ابن اللہ ہیں اور روح القدس جو ان میں حامل ہے نجات بخش مقصد اور عمل میں بالذات ایک ہی ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو تجربہ سے انہوں نے معلوم کیا اور پھر جائز طور پر اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ خدا ثالوث ہے۔

آخر الامر مذہبی زندگی میں سب سے ضروری بات جسے مسیحیوں اور مسلمانوں کو اپنے دلوں میں جگہ دینی چاہیے وہ صحیح عقیدہ کی صورت اتنی نہیں ہے اگرچہ ہمارے عقیدہ کا صحیح ہونا لازمی ہے جتنا کہ روحانی طور پر زندہ خدا کے حقیقی تجربہ کو حاصل کرنا ہے۔ کتاب " مسیح کی پیروی" کے مصنف طامس کیمپی کا یہ قول کتنا برمحل ہے کہ تثلیث پر نہایت گہرائی کے ساتھ تقریر کرنے سے تجھے کیا فائدہ۔ اگر تیرے اندر حلیمی نہ ہو جس کے نہ ہونے کے سبب خدائے ثالوث تجھ سے خوش نہیں ہے۔

اگر مسلمانوں کو یہ سمجھا دیا جائے کہ تثلیث کی تعلیم میں روح القدس کے اس نجات بخش عمل کی جو ہمارے اندر جاری ہے ایسی تشریح کی کوشش کی گئی ہے جو ہماری سمجھ کی قید میں ہے تو پھر بھی اگرچہ وہ اس تعلیم کو قبول نہ کرسکے تاہم کم ازکم یہ تعلیم اسے غیر معقول نہ معلوم دیگی اور اسے یقیناً وہ کفر تو نہیں سمجھیگا۔ پولوس رسول کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے جلال کی پہچان کا نور جو سیدنا عیسیٰ مسیح کے چہرہ سے جلوہ گر ہوا ہمارے دل میں بھی چمکا کیونکہ ایمان روح القدس کے کسی ایسے حقیقی تجربہ کو حاصل کرتا جو ساتھ ہی مسیح کی حقیقی حضوری کا تجربہ بھی نہو ہو۔ اور پھر زندہ مسیح پر ایمان رکھنا اور عیسیٰ مسیح کو مولا ماننا روح القدس کے وسیلہ ہی ممکن ہے۔

پس آئیے ہم مسلمانوں کو دعوت دیں کہ وہ اور ہم اپنے اپنے روحانی تجربوں کی باتوں کا پتہ لگائیں۔ جس طرح ہمارے دلوں میں اسی طرح ان کے دلوں میں بھی زندہ خدا کا روح یقیناً کام کررہاہے۔ اور یہ قول جس کے کہنے کی ایک مسلمان مصنف نے جرات کی ہے بالکل درست نہیں کہ روح القدس نے

کوئی ایسا کام نہیں کیا جن کی بابت مسیح نے کہا تھا کہ تسلی دینے والا کریگا۔ اس نے کسی کی عدالت نہیں کی۔ اور نہ کسی کو مجرم ٹھہرایا نہ ہی مسیح کو جلال دیا۔ اور نہ ہی مسیح کی کسی چیز کو لے کر لوگوں کو دکھایا۔ مسیحی لوگ دنیا کے ہر حصہ میں بآسانی اس قسم کے بے بنیاد دعاوی کی تردید میں اپنا ذاتی تجربہ پیش کرسکتے ہیں بلکہ ایسا تجربہ مسلمانوں کی زندگی سے بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور فی زمانہ پیش کیا جارہا ہے اورجب مسلمان اپنی زندگی کے تجربہ میں روح القدس کے وسیلہ قائل ہوکر یہ دریافت کرنے پر مجبور ہوتاہے کہ یہ کون ہے جو میری زندگی میں ایسے کام کررہاہے۔ تب وہ خدا کے اس بڑے راز کو سمجھنا شروع کرتاہے۔

تثلیث کا عقیدہ کی صورت اختیار کرنے کی وجہ

قدیم مسیحی مطمئن تھے کہ روح کی ہدایت سے تثلیث کے اس بڑے راز میں زندہ اور نادیدنی خدا کے متعلق ان کو نئی نئی باتوں کا پتہ لگ رہا ہے۔ اورپہلے پہل اس کے متعلق انہوں نے کوئی باقاعدہ عقیدہ مرتب نہیں کیا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا اور ان سچی حقیقتوں پر جنہیں وہ مانتے تھے سوال اٹھنے لگے اور بحث مباحثہ کے باعث ان کی حقیقت خطرہ میں پڑگئی تو گویا اپنی اس قائلیت کے تحفظ کے خیال سے انہوں نے مناسب سمجھا کہ انہیں عقیدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے۔

اس بھید پر جتنا انہوں نے غور کیا اتنا ہی ان کا یقین اور بھی بڑھتا گیا کہ خدا کی پہچان کی اس معموری میں جوانہیں حاصل ہے سیدنا عیسیٰ مسیح اورآسمانی باپ اور روح القدس کا تجربہ آپس میں لازم وملزوم ہے اوراسی سے وہ تصور ماخوذ ہے جسے بہتر الفاظ کے نہ ملنے کے سبب خدا کی ۳سہ گانہ حقیقت کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور کلیسیائے جامع آخر کار اس سچائی کی تعریف جسے وہ مانتی تھی اس طرح سے کرنے پر متفق ہوئی کہ ذات الوہیت کے اندر ایک حقیقی امتیاز موجود ہے یعنی ایسی تفریق کہ جووجودی ہے یا اپنے خاص عمل سے ممتاز ہے مگر جس صورت سے اس عقیدہ نے ترتیب پایا ہے اس میں یہ بات نہیں تھی اور نہ ہے کہ جس سے ایسے جداگانہ شعوروجودوں کی حقیقت کا اظہار ہوجن میں سے ہرایک کی ماہیت علیحدہٰ ہے۔

لیکن جوکچھ تثلیث کی تعلیم میں ابھی کہا گیا ہے اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی مسیحی کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ تثلیث کی ایسی تشریح بھی جو سب سے زیادہ مقبول عام ہے خدا کے متعلق انتہائی سچائی کا کافی اظہار ہے۔ ہاں یہ دعویٰ ضرور ہے کہ اس کی ذات کی بہتر سمجھ حاصل کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ اگر خدا کے متعلق اس سچائی کو سمجھنا نہایت دشوار معلوم ہو تو ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا چاہیے بلکہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک دائمی سچائی ہے جیسا کہ کتابِ مقدس کہتاہے کہ کوئی بھی اپنی تلاش سے خدا کا

بھید نہیں پاسکتا "(ایوب باب ۱۱ آیت ۷)۔ ہمارے لئے اس قدر کافی ہے کہ ہم خدا کو باپ اور عیسیٰ مسیح کو مظہر اور منجی جانیں اورروح القدس کو ابدی زندگی کی وہ قوت سمجھیں جوہمارے دلوں میں سکونت کرتی ہے اوراگرخدا کا یہ علم ہمیں نہ صرف اس کی مرضی کی پہچان بلکہ اس کے بجالانے کی قدرت بھی منشاہے توپھر اس حوصلہ کی بلندی انسانی دسترس کی انتہاہے۔

پانچواں باب

واقعہ صلیب کی تواریخی حیثیت پر

مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ قرآن شریف کی یہ تحدی ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے(دیکھو صفحہ ۱۰۹)۔

۲۔ یونس نبی کی نشان کے دئے جانے کا وعدہ کرکے مسیح نے یہ بتانا چاہا ہے کہ آپ یونس نبی کی طرح زندہ قبر میں داخل ہونگے۔ اوریوں اپنی صلبی موت کے خیال کی آپ نے تردید کی ہے۔

۳۔ برنباس کی انجیل مسیحیوں میں جھوٹی سمجھی جاتی ہے اورعیسائیوں کی مجلس نے اسے رد کیاہے مگر غورطلب بات یہ ہے کہ برنباس کی انجیل قدیم عیسایئوں میں مروج تھی کیونکہ اس کی تاریخ ۲۰۰ اور ۳۰۰ سن عیسوی کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

نوٹ : مسلمان کبھی کبھی غلطی سے اور بعض اوقات جان بوجھ کر برنباس کی جعلی انجیل اور برنباس کے خط میں خلط ملط کردیتے ہیں۔(دیکھو صفحہ ۱۱۱)۔

۴۔ حضرت مسیح نے گرفتاری سے بچنے کی کوشش کی۔ آپ اوروں کی خاطر جان دینے نہیں آئے تھے اور نہ آپ کی موت اختیاری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمنوں نے زبردستی آپ کو مار ڈالا۔ (صفحہ ۱۲۲)۔

۵۔ حضرت مسیح کی رات بھر کی دعا رائیگاں گئی۔ کیونکہ صبح ہوتے ہی رومی حکومت کے ایک سپاہی نے آپ کو گرفتار کرلیا اور دس بجے سے قبل آپ کو سپرد حوالات کردیا۔ کیا ایسے شخص کو قادر مطلق خدا کہہ سکتے ہیں؟

۶۔ ان تمام اذیتوں اور دکھوں کو جو حضرت مسیح نے سہے۔ ہم قادر مطلق خالق کی طرف منسوب نہیں کرسکتے بلکہ ایسے ضعیف مخلوق کی طرف ہی منسوب کرسکتے ہیں جسے حالات نے انسان کے رحم پر چھوڑ دیا ہو۔

۷۔ خدائے لامحدود کی جسمانی موت کا تصور بدترین کفر ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی اور کفر دنیا میں کوئی بک نہیں سکتا۔ خدا کی ہستی کا انکار بھی اس سے کمتر درجہ پر ہے۔

پانچواں باب

واقعہ صلیب کی تاریخی حیثیت

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے کم سے کم راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا گروہ ان کی موت کا قائل نہیں، لیکن اس کے برعکس زمانہ حاضرہ کے عقل پرست مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح نے وفات تو پائی مگر صلیب پر نہیں اوراپنے اس دعویٰ کی حمایت میں بحث بھی کرتے ہیں۔

اب دیکھئے اس معاملہ میں اسلام کی ایک حیرت انگیز خصوصیت کا یہاں انکشاف ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کی کثیر جماعت ہمیشہ یہ مانتی آئی ہے اوراب بھی مانتے ہے کہ خدا نے حضرت مسیح کو اوپر اٹھالیا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے رفعہ اللہ ایہ اللہ نے اسے (مسیح کو) اوپر اپنی طرف اٹھالیا۔ اوراس طرح آپ اس روز مقام گلگوتہ میں مرنے سے بچ گئے۔ لیکن اب اس عقیدہ کے برعکس جسے صدیوں سے مسلمان مانتے چلے آئے ہیں احمدیوں نے ایک نئی رائے قائم کی ہے کہ مسیح صلیب پر تونہیں بلکہ کسی اور وقت ایک دوسرے مقام پر طبعی موت سے مرے۔ مسلمانوں کی یہ دونو جماعتیں اپنی اپنی رائے کی تائید میں قرآن کی وہ آیتیں پیش کرتی ہیں جن کا تعلق اس مضمون سے ہے۔ لہذا ہم کو

چاہیے کہ قرآن کے ان مقامات کو ذرا باریکی سے جانچیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتے ہیں ۔ یہ آیتیں حسب ذیل ہیں ۔

" اور مجھ پر خدا کی امان جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مرونگا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھا کھڑا کیا جاؤ نگا " ۔ سورہ مریم آیت ۳۴۔ اور یہود نے عیسیٰ سے داؤ کیا اور اللہ نے ان سے داؤ کیا اور داؤ کرنے والوں میں اللہ سے سب بہتر داؤ کرنے والا ہے۔ اسی زمانہ میں اللہ نے عیسیٰ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ دنیا میں تمہارے رہنے کی مدت پوری کرکے (متوفیک) ہم تم کو اپنی طرف اٹھا لینگے (رافعک لی) اور کافروں سے تم کو پاک کرینگے سورہ آل عمران آیات ۴۷، ۴۸۔

نیز ان کی کفر کی وجہ سے اور مریم کی نسبت بڑے سخت بہتان کی باتیں بکنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قتل کر ڈالا اور حقیقت یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ کو سولی چڑھایا (واقع میں وہ کسی اور کو سولی دے رہے تھے) مگر ان کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ ہم عیسیٰ کو سولی دے رہے ہیں اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ کو سولی دی گئی تو اس معاملہ میں یہ لوگ ناحق کی شک میں پڑے ہیں ان کو اس کی واقعی خبر تو ہے نہیں مگر صرف اٹکل کے پیچھے دوڑے چلے جارہے ہیں اور یقیناً عیسیٰ کو لوگوں نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ سورۃ النسا آیت ۱۵۶ ۔

جب تک میں ان لوگوں میں موجو درہا ان کا نگرانِ حال رہا۔ پھر جب تونے مجھ کو دنیا سے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

ان آیتوں میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کئی بار یہ بیان آیا ہے کہ حضرت مسیح وفات پائینگے اور ایک مرتبہ فقرہ رفعہ کہ آپ کو اللہ نے اوپر اٹھالیا بھی آیا ہے۔ مگر ایک موقعہ پر پُرزور الفاظ میں اس کی تردید کی گئی ہے کہ یہودیوں نے آپ کو قتل کیا یا صلیب دی ۔ اب مسلمان مفسروں نے جو کچھ الفاظ مذکورہ کی تفسیر میں لکھاہے ان سے صاف ظاہر ہوتاہے کہ قرآن کے مبہم اور متضاد اقوال نے ان کو پریشان کر رکھاہے۔

راسخ الاعتقاد مسلمانوں کی رائے حضرت مسیح نے وفات نہیں پائی

پہلے ہم راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا نظریہ پیش کرینگے کہ مسیح نے وفات نہیں پائی ۔ بلکہ حالتِ حیات میں ہی خدا نے آپ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

یہ عقیدہ سورہ نساء کی ۱۵۶ آیت کی تفسیر پر مبنی ہے جو اہل اسلام صدیوں سے مانتے چلے آئے ہیں ۔ صلیب کے خلاف مسلمانوں کی حجت کچھ کچھ پطرس کی ملامت کی طرح ہے کہ جب انہوں نے آپ سے کہا کہ اے خداوند خدا نہ کرے ۔ یہ تجھ پر ہرگز نہیں ہونے کا (متی باب ۱۶ آیت ۲۲)۔اسی طرح مسلمان بھی یہی کہتے ہیں کہ ایسی شرمناک موت سے خدا نے حضرت مسیح کو

ہر گز مرنے نہیں دیا ہوگا۔ ورنہ آپ نعوذ باللہ ملعون ہوجاتے (استثنا باب ۲۱ آیت ۲۳)۔اور خدا کے رسول کا ایسا انجام ہو یہ نا ممکن ہے۔ اور پھر سورہ آل عمران کی ۴۸ ویں آیت بھی اس خیال کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ جہاں لکھا ہوا ہے کہ " خدا ان کو کافروں سے پاک کریگا"۔ جس کا مطلب ان کے خیال کے مطابق یہ ہے کہ یہودیوں نے جومنصوبہ حضرت مسیح کے قتل کرنے کا باندھا تھا اسے باطل کرکے خدانے آپ کو ان کے پنجوں سے بچالیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل واقعہ یوں ہے کہ ان کے آگے وہی صورت بن گئی ۔ دیگر مترجمین بھی یہی ترجمہ کرتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ میں ہے واقع میں وہ کسی اور کو رسولی دے رہے تھے مگران کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ ہم عیسیٰ کو سولی دے رہے ہیں۔ علامہ یوسف علی اپنی انگریزی تفسیر القران میں قریب قریب وہی ترجمہ کرتے ہیں جو ڈپٹی نذیر احمد کا ہے کہ ان کو ایسا ہی معلوم ہوا۔ علامہ یوسف علی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ حضرت مسیح یہودیوں کے ہاتھ سے نہ مصلوب ہوئے اور نہ قتل ہوئے اگرچہ بعض ظاہری حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے جن سے ان کے بعض دشمنوں کو اس قسم کا ذہنی دھوکا ہوا ۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآنی تعلیم اس موقعہ پر یہ ہے کہ مسیح کے اس معاملہ میں بحث مباحثہ شک اور قیاس سے کام لینا فضول ہے کیونکہ خدا نے ان کو اوپر اٹھالیا ۔ لیکن قرآنی عبارت کے سیاق وسباق سے بہر حال یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس معاملہ میں بحث مباحثہ شک اور قیاس سے کام لینا فضول ہے بلکہ یہ اس معاملہ میں گڑبڑی واقع ہوئی کہ آخر کار کس شخص کو صلیب دی گئی۔ اور اس لئے قرآن یہ کہتا ہے کہ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ یعنی وہ کسی اور کو سولی دے رہے تھے مگر ان کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ ہم عیسیٰ کو سولی دے رہے ہیں اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ کو سولی دی گئی تو اس معاملہ میں یہ لوگ ناحق کی شک میں پڑے ہیں (سورۃ النساء آیت ۱۵۶)۔ اس قرآنی بیان کے مقابلہ میں انجیل کا بیان کس قدر صاف اور سادہ ہے کہ یہوداہ نے ابن آدم کو بوسہ دے کر گرفتار کرایا۔(دیکھو لوقا باب ۲۲ آیت ۴۸)۔

لیکن قرآن کے اس مذکورہ بالا جملہ پر عجیب وغریب خیالات کا مفسرین نے اظہار کیا ہے۔ مثلاً مفسر بیضاوی کے مطابق بعض یہودیوں کی رائے میں حضرت مسیح کا مصلوب کیا جانا واقعی حق بجانب تھا اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح کے بجائے ایک دوسرا شخص جس پر مسیح کی شباہت ڈالی گئی تھی۔ صلیب پر کھینچا گیا۔ اور پھر جو شخص غلطی سے حضرت مسیح کی جگہ مصلوب ہوا اس کے متعلق بھی بہت کچھ رائے زنی کی گئی ہے۔ بیضاوی نے اس مقام پر اس کا نام طیطانوس لکھا ہے۔ اسلامی کتابوں میں اور بھی مختلف نام تلاش کرنے والے کو مل سکتے ہیں مثلاً فلطیانوس، شیوع، یہودیوں کا بادشاہ، وغیرہ۔ طبری ابن عباس کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح نے گتسمنی کے باغ میں یہ سوال کیا کہ کون اپنے آپ کو میری جگہ مرنے کے

لئے پیش کریگا۔میں اس سے بہشت کا وعدہ کرتا ہوں۔ اور آپ کے جواب میں شاگردوں میں سے سرجیس نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ اس کی شکل مسیح کی صورت میں تبدیل ہوجائے اورآپ کی جگہ مصلوب ہو۔ واقعہ صلیب کے بعد شاگردوں نے دریافت کیا کہ ان میں ایک کا شمار کم تھا اور تب یہوداہ اسکریوطی نے یہ محسوس کرکے کہ اس کے سبب ایک ساتھی ناحق مارا گیا اپنے آپ کو پھانسی پر لٹکا کرمار ڈالا۔

اسی طرح برنباس کی موضوعہ انجیل کے مطابق حضرت مسیح کے پہچاننے میں غلطی واقع ہونے کے باعث یہوداہ صلیب پر کھینچا گیا ۔ اس جعلی انجیل کے بیان کے مطابق جب یہوداہ کے ساتھ سپاہی حضرت مسیح کو گرفتار کرنے کی غرض سے آرہے تھے تو خدا نے اس خطرہ کی حالت کو دیکھ کر جبرئیل اور دوسرے خاص فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت عیسیٰ کو اس دنیا سے نکال لیں۔ اس وقت آپ مکان کے اندر تھے۔ اور فرشتوں نے آپ کو کھڑکی کے ذریعہ باہر نکالا۔۔۔اور تیسرے آسمان پرآپ کو پہنچادیا جہاں آپ فرشتوں کے ساتھ ہمیشہ خدا کی حمد میں مصروف ہیں۔ اس عرصہ میں یہودا نہایت تیزی کے ساتھ مکان کے اندر گھسا۔ شاگرد اس وقت سورہے تھے۔ اس وقت خدائے حکیم نے حکمت کے ساتھ کام کیا یہوداہ اپنی شکل اور گفتگومیں مسیح کی مانند ایسا تبدیل ہوگیا کہ شاگردوں نے اسے مسیح سمجھا۔اورانہیں بیدار کرکے سیدنا عیسیٰ مسیح کو تلاش کرنے لگا۔ شاگرد اس بات سے متعجب ہو کر بولے کہ آپ ہمارے آقا ہیں کیا آپ ہمیں بھول گئے ۔یہوداہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ تم لوگ کیسے بیوقوف ہو کہ مجھے نہیں پہچانتے کہ میں یہوداہ ہوں اس اثنا میں سپاہی مکان کے اندر گھس پڑے اور یہوداہ کو گرفتار کرلیا کیونکہ وہ ہر پہلو سے مسیح کے مشابہ تھا۔ جب یہوداہ نے مزاحمت کی تو سپاہیوں نے جھنجھلا کر اسے مکوں سے اور کوڑھوں سے مارنا شروع کیا اور غصہ میں بھرے ہوئے اسے یروشلیم لے گئے۔ اس کے بعد جو کچھ واقعات سیدنا عیسیٰ مسیح کے مقدمہ اورصلیب کے متعلق انجیل میں پائے جاتے ہیں وہ سب کچھ ترمیم کرکے یہوداہ پر عائد کئے گئے ہیں اورآخر کار سپاہی اسے لے جا کر صلیب پر کھینچ دیتے ہیں[1] ۔

سورۃ آل عمران کی اس عجیب آیت کی تفسیر میں کہ داؤ کیا یہود نے اور داؤ کیا اللہ نے اوراللہ سب سے بہتر داؤ کرنے والا ہے ۔ (آل عمران آیت

---

[1] اقتباس بالاسے انجیل برنباس کا جعلی ہونا بخوبی ظاہر ہے ۔ اس میں بڑی بے تکی طور پر جعلی انجیل وضع کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ مسلمان اس موضوعہ انجیل کا بار بار ذکر کرتے ہیں اوراکثر برنباس کے خط کے ساتھ اسے خلط ملط کردیتے ہیں لیکن یہ جعلی انجیل برنباس کے خط سے بالکل مختلف کتاب ہے ۔ یہ موضوعہ انجیل سب سے پہلے اطالوی زبان میں تھی۔ علما نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس کی تحقیق کی ہے اور اسے وہ ۱۵ یا ۱ صدی مسیحی کی تصنیف بتایا ہے۔ یعنی برنباس کے چودہ سوسال بعد جھوٹی انجیل وضع کی گئی ہے ۔ علما کی تحقیق ہے کہ یہ کسی یورپین مسیحی مرتد کی بنائی ہوئی کتاب ہے جسے مسیحی مذہب سے بہت تھوڑی واقفیت تھی اوراسلام کے متعلق اس کا علم اور بھی تھوڑا تھا دوسو سال ہوئے کہ سیل صاحب نے قرآن کے اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اسے صریح جعلسازی قرار دی تھی ۔ہندوستان کے مسلمانوں کو اس جعلی انجیل کا علم غالباً سیل صاحب کے دیباچہ قرآن سے ہی ہوا ہے ملاحظہ ہو رسالہ۔ انجیل برنباس مصنفہ سلیم عبدالاحدود ڈبلیوایچ ٹی گیئرڈنر۔

۴۸) مفسروں نے غرضیکہ طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں ۔ چنانچہ ایک اور مسلمان جو راسخ الاعتقاد فرقہ کا ہے یوں رقمطراز ہے کہ ہمارا قران ہمیں سکھاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ایک دوسرے شخص کو غلطی سے صلیب دیا۔ اور پھر یہ مصنف لکھتاہے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک دھوکا تھا۔

ایک ایسا گروہ بھی ہے جس نے راسخ الاعتقاد اور جدید عقل پرستوں کے خلاف ایک درمیانی رائے اختیار کی ہے اور سورہ آل عمران کی ۴۸ ویں آیت کا یہ مطلب لیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی مصلوب ہوئے تھے اور آپ نے واقعی وفات پائی اور پھر کچھ عرصہ تک مردہ رہنے کے بعد خدا نے آپ کودوبارہ زندہ کرکے آسمان پر اٹھالیا ۔ چنانچہ بیضاوی لکھتاہے کہ بعضوں کا خیال ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ کوسات گھنٹوں کے لئے وفات دی اور پھر آسمان پر اٹھالیا غرضیکہ مولانا محمد علی بھی جو یہ مانتے ہیں کہ مسیح نے صلیب پر وفات پائی نہ کہ یہ آپ زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے ۔ اقرار کرتے ہیں کہ متوفیک کے معنی اس مقام میں یہی ہیں کہ میں تجھے وفات دونگا اوراس معنی میں اللہ نے ان کی روح کو لے لیا۔ اور پھر آگے چل کرکہتے ہیں کہ بعض مفسرین کا بیان ہے کہ حضرت مسیح تین گھنٹہ صلیب پر مردہ رہے اور بعض کے بیان کے مطابق سات گھنٹہ وغیرہ۔ (دیکھو انگریزی تفسیر قرآن حاشیہ ۴۳۶)۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ مفسرین کو اس مقام پر ایک سخت دقت درپیش ہے کیونکہ سورہ آل عمران کی ۴۸ویں آیت عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ سورہ نسا کی ۱۵۶ آیت وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کے خلاف ہے کیونکہ اگر آپ آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے تھے تو اس موخر الذکر آیت سے یہ لازم آتاہے کہ رفع آسمانی کے قبل آپ نے وفات پائی ۔ لہذا بعض مفسروں نے جیسا کہ پیشتر ذکرہوچکاہے اس دقت کو حل کرنے کے لئے یہ کہاہے کہ حضرت عیسیٰ نے چند گھنٹوں کے لئے وفات پائی اور بعضوں نے لفظ وفات کو محض استعارہ سمجھا ہے اور یوں کہاہے کہ آپ سونے کی حالت میں آسمان پر اٹھائے گئے اور پھر بعض کی رائے یہ ہے کہ خدا نے آپ کو دنیاوی خواہشوں سے روحانی موت دی [1]۔

[1] چراغ الدین جموی نے اپنی کتاب منارۃ المسیح میں سورۃ النسا کی ۱۵۶ آیت کی تفسیر پردلچسپ خیالات کا اظہار کیاہے۔ مصنف موصوف کتب مقدسہ کے طول وطویل اقتباسات پیش کرتےہیں اوران کے مستند ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتےہیں کہ کتب مقدسہ کی درس اوران تعظیم تکریم کے بغیر اتباع انبیاء اوران پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے دلیل ہے"۔ اورپھر یہ کہ یہ (کتبِ مقدسہ) وہی کتابیں ہیں جن پر قرآن شریف ایمان لانے کا حکم دیتاہے (صفحات ۱۳، ۱۵) سیدنا عیسیٰ مسیح کی وفات کے متعلق ان کا بیان ہے قرآن شریف اپنے دوسرے مقامات میں شاہ رفع الی اللہ کے لئے موت شرط ٹھہراتا ہے۔ جیسا فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ(سورہ عنکبوت رکوع ۶ آیت ۵۷)۔ یعنی ہر ایک شخص موت کے بعد خدا کی طرف پھیرا جاتاہے اور پھر لکھتےہیں کہ اس بات کا کوئی عقلی ثبوت موجود نہیں کہ حضرت عیسیٰ کے عوض کوئی اور شخص مصلوب ہوا"۔ اور پھر یہ کہ ایک کتاب کافر مردود روح اللہ کی شبیہ کیونکر ہوسکتا ہے اوراس پر کیا دلیل ہے اور بالفرض ہم مان بھی لیں کہ ایک یہودی کافر حضرت عیسیٰ کی صورت بن کر صلیب دیا گیاہے۔ تواس پر یہ اعتراض ہوتاہے کہ اس نے سردار کاہن اور روساءیہود کی مجلس میں یاہیرودیس اور پلاطوس کے حضور میں اپنی بریت کے لئے یہ عذر کیوں پیش نہیں کیا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں "۔ اس مصنف کا بیان ہے کہ قرآن حضرت مسیح کی صلیبی موت کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس کے نتیجہ یعنی لعنتی ہونے کی نفی کرتاہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض قدیم مفسروں کے خیالات رسولوں کے زمانہ کے بعد کے بدعتی فرقوں یعنی ناستک اور دوستک سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ حضرت مسیح کے پہچاننے میں دشمنوں کو مغالطہ ہوا اور دوسرا شخص آپ کی جگہ مصلوب ہوا ۔اسلام سے صدیوں پیشتر مانی کے پیروؤں میں موجود تھا تیسری صدی مسیحی میں مانی نے اوراس سے قبل مسیحیوں کے ایک بدعتی فرقہ کے بانی باسی لیڈس نے یہ تعلیم دی تھی کہ شمعون کرینی جو بیگار میں پکڑا گیا تھا کہ مسیح کی صلیب اٹھائے مصلوب ہوا تھا۔ دوسری صدی کے بدعتی فرقہ ناستک کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کا جسم دراصل مادی نہیں تھا۔ بلکہ اس فرقہ کا بیان ہے کہ آپ مختلف موقعوں پر مختلف شکلوں میں دکھائی دیتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ فرقہ ایسے عیسیٰ مسیح کو مانتا تھا جس کا جسم ایک خیالی دھوکا تھا۔

آج کل کے بعض علمائے اسلام بھی واقف ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی مصلوبیت کے متعلق قرآن جو کچھ سکھاتا ہے اس کے پیچھے یہی بدعتی خیالات میں مگر ذرا غور کیجئے کہ وہ اس کا مطلب کیا نکالتے ہیں ۔ مثلاً علامہ یوسف علی سورۃ المائدہ کی ۱۵۶ ویں آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

" مسیحی مذہب کی راسخ الاعتقاد کلیسیاؤں کی تعلیم کا یہ بنیادی اصول ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح کی زندگی صلیب پر ختم ہوئی ۔ یعنی آپ نے وفات پائی آپ دفن ہوئے اور پھر تیسرے دن اپنے جسم کے ساتھ مع اپنے زخموں کے جو جیسے کے تیسے تھے زندہ ہوئے چلے پھرے شاگردوں کے ساتھ گفتگو کی اوران کے ساتھ کھانا کھایا اوراس کے بعد اپنے جسم کے ساتھ آپ آسمان پر اٹھالئے گئے گئے ۔ اور پھر آپ لکھتے ہیں ۔ اس قسم کا عقیدہ گناہوں کے لئے خونی قربانی اور عوضی کفارہ کی تعلیم کے باعث ضروری ہے (خط کشیدہ ہمارے ہیں)۔ اسلام کا منکر ہے لیکن بعض قدیم مسیحی فرقے بھی نہیں مانتے تھے کہ مسیح صلیب پر مرے۔ باسی لیڈی فرقہ کے پیرومانتے تھے کہ کوئی اور شخص مسیح کی جگہ مارا گیا۔ دوسی طی فرقے کے لوگ مانتے تھے کہ مسیح کا کوئی حقیقی مادی یا طبی جسم نہ تھا۔ بلکہ آپ کا جسم دکھادے کا یا محض ایک خیالی دھوکا تھا اورآپ کی مصلوبیت محض ایک دکھاوا تھی اس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ انجیل مارشیونی ۱۳۸ ء میں اس بات کا انکار ہے کہ مسیح پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ اس کا بیان ہے کہ آپ کی انسانی شکل ایک دکھاوا تھی ۔ برنباس کی انجیل اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ صلیب پر مسیح کے عوض کوئی اور شخص مارا گیا۔

سورہ آل عمران کی ۴۸ویں آیت کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں کہ اس آیت کوسورۃ نساء کی ۱۵۶ ویں آیت کے ساتھ پڑھنا چاہیے کیونکہ اس موخرالذکر آیت میں یہ لکھا ہے کہ یہودیوں کے نہ مسیح کوصلیب دیا اور نہ قتل کیا۔ بلکہ دوسرا شخص جوآپ کی مانند تھا مارا گیا۔ یہودیوں کا قصور قائم رہا لیکن مسیح آخر کار آسمان پر اٹھالئے گئے ۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ جدید مفسر آخر قرآن

پڑھنے والوں سے کیا منوانا چاہتاہے۔ کیا حضرت مسیح نے اس روز وفات پائی یا نہیں ۔ کیا وہ اس نظریہ کا قائل ہے کہ مسیح کےپہچاننے میں دشمنوں کو دھوکا ہوا۔ مگر سوال یہ ہے کہ آخر ان کے اس قول کا کہ مسیح آخر کار آسمان پر اٹھالئے گئے ۔ مطلب کیا ہے ؟ اٹھالئے گئے ؟ کیا اس سے مراد سات گھنٹہ موت ہے یا قادیانی نظریہ مراد ہے کہ مسیح نے ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی طویل عمر پائی اور پھر آپ کشمیر میں مرے ایسا معلوم ہوتاہے کہ علامہ یوسف علی کا خیال محکمہ تعلیم کے ایک ہندوستانی مسلمان کے اس قول کی ایک نظیر ہے جو اس نے مصنف کی موجودگی میں کہا تھا کہ بہتیرے دیندار اور سمجھدار مسلمانوں کو اس بات کا یقینی علم نہیں ہے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق مسیح واقعی صلیب پر مرے یا نہیں۔ یہ جدید مفسر سورہ نساء کی ۱۵۶ ویں آیت کی تفسیر کی ابتدا میں جس کے ایک حصہ کا اقتباس ہم پیش کرچکے ہیں یہ لکھنے پر اکتفا کرتاہے کہ" زمین پر مسیح کی زندگی کا خاتمہ اتنا ہی پرُاسرار ہے جتنا آپ کی پیدائش اور زندگی کا بڑا حصہ سوائے تین سالہ تبلیغی خدمات کے قدیم مسیحی فرقوں اور اسلامی علما کے بہتیرے شکوک اور قیاسی باتوں پر آپ کے متعلق بحث کرنا مفید نہیں ہے"۔

لیکن ہمارے پاس انجیل موجود ہے جو اس مضمون پر ہماری سب سے قدیم اور تنہا تواریخی سند ہیں انکا فیصلہ کیوں نہ مانا جائے ۔ یہ اناجیل ایک زبان ہو کر اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ عیسیٰ ناصری یہودیوں کی تحریک سے پنطس پیلاطوس کے حکم کے بموجب صلیب پر مارا گیا ۔ان تحریرات سے ذرا بھر اشارہ اس بات کا نہیں ملتا کہ آپ کے پہچاننے میں غلطی ہوئی یا آپ کے بجائے کوئی اور صلیب دیا گیا۔ اور نہ آپ کی صلیبی موت کے متعلق ان میں شمہ بھر بھی شک پایا جاتاہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اصل واقعات کو قبول کرنے کے بجائے ایسے مسیحی بیانات کی آڑ لینا کہ جن کا بدعتی ہونا مسلمہ ہے اور پھر اس واقعہ کی تنہا تاریخی بیان کی موجودگی میں ان بدعتی بیانات کی تصدیق کرنا مسلمانوں کو زیادہ پسند ہے۔

اگلے باب میں ہم اس حقیقت کا مطالعہ کرینگے۔ اوراس واقعہ کاایسی صفائی سے بیان کرنے کی کوشش کرینگے جس میں غلطی کا احتمال نہ رہے۔ واقعہ صلیب کسی ایسی تشریح پر مبنی نہیں جو بقول علامہ یوسف علی کسی الہیاتی مسئلہ کے لئے ضروری ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے ۔ بہر کیف کسی تاریخی واقعہ کا صرف اس لئے انکار کرنے سے کیا فائدہ کہ اس کی بعض باتیں ناگوار معلوم ہوتی ہیں ۔

واقعہ صلیب کی جدید تشریح

زمانہ حال میں عقل پرست مسلمان واقعہ صلیب کے متعلق قرآن کے متضاد بیانات میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ احمدی اصحاب کو یقین ہے کہ آخر کار ان کو اس واقعہ کے متعلق قرآن کے عربی لفظ کی صحیح تفسیر کا پتہ لگ گیاہے ۔ قرآن کی متعلقہ عبارتوں کا جو مطلب انہوں نے

نکالا ہے ۔ اس سے اسلام کے قدیم نظریہ کی ہی تردید نہیں ہوتی ۔ بلکہ مسیحی ایمان کی بنیاد پر بھی ایک کاری ضرب لگانا مقصود ہے۔

یوں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیان کے مطابق حضرت مسیح نے صلیب پر وفات نہیں پائی بلکہ حالت غشی میں شاگردوں نے آپ کو صلیب پر سے اتارلیا۔ اور چالیس دن میں ایک اعجازی مرہم کی مدد سے جو مرہم [1] عیسیٰ کہلاتا ہے ۔آپ نے شفا پائی ۔ اور پھر آپ نے مشرق کا سفر کیاتا کہ اسرائیل کے گھرانے کے دس کھوئے ہوئے قبیلوں میں جو مرزا صاحب کے خیال کے مطابق افغانستان اور کشمیر کے باشندے ہیں۔ انجیل کی تبلیغ کریں۔ اور آخر کار ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی عمر پانے کے بعد آپ نے وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں آپ دفن ہوئے۔

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مرزا صاحب قرآن کے اس بیان کے متعلق کچھ نہیں کہتے جس میں یہ ذکر ہے جو شخص مصلوب ہوا تھا اس کے پہچاننے میں اختلاف واقع ہوا(والذین اختلفوفیہ) بلکہ اس کے بجائے آپ یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر بے ہوش ہوگئے تھے۔ اور پھر آپ ہوش میں لائے گئے کہ قرآن سے جس کی ذرا بھر تائید نہیں ہوتی ۔مگر حالانکہ آپ کی قوت متخیلہ زبردست تھی تو بھی یہ خیال آپ کی ذہنی اختراع کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ آپ نے اسے بڑی تفصیل کے ساتھ مغرب سے لیا تھا۔

سو برس پیشتر ایک جرمن عقل پرست ونتورینی نے یہی خیال سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیب کے متعلق پیش کیا تھا ۔ اس نے ایک رومانی افسانہ لکھا تھا جس میں اس نے یہ دکھایا تھا کہ صلیب پر موت بڑے عرصہ بعد رفتہ رفتہ واقع ہوتی تھی اور چونکہ مسیح چند گھنٹہ بعد ہی صلیب پر سے اتار لئے گئے تھے اس لئے فی الواقع آپ مرے نہ تھے بلکہ آپ پر غشی طاری ہوگئی تھی ۔ پھر آپ کو ایسے غار میں رکھا گیا ۔ جہاں ٹھنڈک تھی اور پھر آپ کے زخموں پر شفا بخش مرہم لگایا گیا اور خوشبودار مصالحہ آپ کو سنگھایا گیا۔ جس سے آپ کو ہوش آیا ۔ ڈاکٹر پاؤلوس اور مشہور مصنف شلیر ماخیر دونوں نے اس نامعقول نظریہ کی تائید کی ہے۔ لیکن اسٹراس جیسے متشکک نے بھی اس نظریہ کا مضحکہ اڑایا اور ذیل کے الفاظ میں اس کی سخت تردید کی چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

" جو شخص نیم مردہ حالت میں قبر کے اندر سے چھپے چوری نکلے اور مرض کی حالت میں علاج کی غرض سے لوگوں کے ڈر کے مارے دبکتا پھرے اور جو مرہم پٹی وہمت افزائی اور تیمارداری کا محتاج ہو اور آخر کار اپنی تکلیفوں کے باعث مرجائے ناممکن ہے کہ ایسا شخص اپنے شاگردوں پر ایسا اثر ڈالے کہ وہ اسے موت اور قبر پر فاتح سمجھیں اور اسے زندگی کا شہزادہ مانیں۔اور پھر اثر بھی

---

[1] مرزاصاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ میں نے اس مرہم کے اجزا الہام سے معلوم کرکے اسے تیار کیا ہے۔ اور فی الحقیقت پلیگ کے علاج کے لئے مرزاصاحب اسے فروخت کرتے رہے۔ لیکن ڈپٹی کمشنر لاہور کے حکم مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۹ء اور پھر بسماعت اپیل پنجاب کے چیف کورٹ کے فیصلہ مورخہ ۸ جون ۱۹۰۰ء کے مطابق اس کا فروخت ہونا قطعاً بند کردیا گیا۔

کیسا کہ جو کچھ آئندہ بڑے بڑے کام انہوں نے کئے اسی اثر کا نتیجہ تھا۔ ایک شخص جس نے اس طرح دوبارہ زندگی پائی ہو تو اس کا وہ اثر بھی زائل ہوجائیگا جو اس نے اپنی زندگی میں ان پر ڈالا تھا۔ اور یہ تو کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ وہ ان کے غم کو سرگرمی سے بدل دے اور اس عزت کو جو اس کے لئے ان کے دلوں میں بھی ترقی دے کر عبادت کے درجہ پر پہنچادے"۔

بہر حال غورطلب بات یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے اس طریقہ سے نہ صرف سیدنا عیسیٰ مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے کی حقیقت کا انکار کرنے کی کوشش کی بلکہ اس بات کا بھی اعلان کرنا چاہا کہ مسیح مردہ ہیں اور جو کچھ مرزا صاحب نے کہا ہے تمام احمدی اس معاملہ میں انہی باتوں کو دوہرا رہے ہیں۔

مولانا محمد علی نے آیاتِ مافوق کا جو ترجمہ اور پھر ان کی جو تفسیر کی ہے اس سے بھی اسی مقصد کا اظہار ہوتاہے۔ چنانچہ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ (سورۃ النساآیت ۱۵۶) یعنی نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ انہوں نے اسے صلیب دی کی تفسیر کرتے ہوئے آپ اپنی انگریزی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس فقرہ سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے بلکہ صلیب پر چڑھائے جانے کے باعث آپ کی موت واقع ہونے کی نفی ہوتی ہے[1]۔ مولانا موصوف اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے اس قدر

[1] لیکن اگر قرآن کی عبارت کا یہ مطلب ہوتا تو پھر قرآن میں یہ بات یوں آتی کہ اگرچہ اسے انہوں نے صلیب دی تو بھی انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔

متردد معلوم ہوتے ہیں کہ قرآن کے ایک دوسرے مقام کا جسے اس مضمون سے دور کا بھی واسطہ نہیں زبردستی ایسا مطلب نکالنا چاہتے ہیں کہ جس سے آپ کے اس نظریہ کی تائید ہوجائے۔ یہ مقام سورۃ بقر کی ۶۸ آیت ہے جہاں لکھاہے فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا جس کا لفظی ترجمہ مولانا محمد علی نے یوں کیاہے " پس ہم نے کہا کہ اس کو اس کے بعض سے مارو"۔ اس آیت میں بَعْضِهَا کی جو ضمیر ہے وہ گائے کی طرف راجع ہے جس کا ذکر آیاتِ ماسبق میں آچکا ہے ۔ چنانچہ مولوی نذیر احمد اس کا پُرمطلب ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ پس ہم نے کہا کہ گائے کے گوشت کا کوئی ٹکڑا مردے کی لاش کو چھوادو۔ اور پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں"۔ مفسرین نے لکھا ہے یہودیوں میں ایک خون ہوگیا تھا اور اس کا پتہ نہ چلتا تھا اور مقتول کو مارا تھا اس کے وارثوں نے اور وہی دعویدار بنے تھے۔ حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے ایک گائے ذبح کرائی۔اس کا کوئی ٹکڑا مردے کو چھوادیا۔ مُردے نے تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہو کر قاتل کو بتادیا"۔ گائے کے اسی واقعہ کی رعایت سے اس سورت کا نام بقر رکھا گیا ہے۔ غرضیکہ یہ تمام قصہ سورہ بقر کی ۶۷ آیت سے لے کر تہترویں آیت تک مذکور ہے۔ اور اس سارے قصہ کا تعلق حضرت موسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں سے ہے۔ اور اس کی تفسیر استشناکے ۲۱ویں باب کی پہلی نوآیتوں کی روشنی میں کرسکتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ یوسف علی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ مگر مولانا محمد علی اس کی تفسیر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں "۔

قرائن سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ان الفاظ میں کس نبی کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔۔۔۔۔ ایسا قتل یا قتل کی کوشش جس میں اختلاف ہوا ہوا اور پھر وہ قتل بھی کسی نبی کا ہو جو حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھانے کا واقعہ ہے۔ اور کوئی واقعہ اس قسم کا تاریخ بنی اسرائیل میں نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف فرمایا وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر مارا بلکہ ان کے لئے وہ مشابہ بالمقتول کردیا گیا اور پھر فرمایا وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ(نساءآیت ۱۵۷) جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا وہ اس کے متعلق شک میں ہیں۔ پس اگر ایک طرف قرائن صفائی سے بتاتے ہیں کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا نبی جس کے قتل میں اختلاف ہوا اور کامیابی نہ ہوئی ہو وہ مسیح علیہ السلام میں"۔

فقرہ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا کی تفسیر میں مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ اضْرِبُوهُ میں ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے کیونکہ بعض وقت نفس کی ضمیر بلحاظ معنی مذکر آجاتی ہے اور بِبَعْضِهَا کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی بعض قتل سے ماردو یا فعل قتل اس پر پورا وارد نہ ہونے دو۔۔۔۔ اور یہی سچ ہے کہ حضرت مسیح پر پورا فعل قتل وارد نہیں ہوا۔ صلیب پر آپ صرف تین گھنٹے رہے اور اتنی تھوڑی دیر میں کوئی شخص صلیب کی موت سے مر نہیں سکتا کہ آپ کے ساتھ جو چور صلیب دئیے گئے تھے ان کی ہڈیاں توڑ گئیں۔آپ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ یہی اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ہے (بیان القرآن فائدہ نمبر ۹۸)۔

پھر غور کیجئے کہ سورہ نسا کی ایک ۱۵۷ ویں آیت کے فقرہ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ کے متعلق مولانا محمد علی کیا لکھتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد اس فقرہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ان کو ایسا ہی معلوم ہوا۔ مگر مولانا موصوف اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ وہ ان کے لئے اس جیسا بنادیا گیا۔ اور دیگر مفسروں کے برعکس اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ مگر وہ (یعنی مسیح) ان کے لئے مشابہ بنایا گیا جس کے معنی غلطی سے یوں کئے جاتے ہیں کہ کوئی شخص مسیح کا مشابہ بنایا گیا۔ یہ صریح غلطی ایک قصہ کو ذہن میں رکھ کر کی گئی ہے۔ ورنہ الفاظ قرآنی اس کی ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ ضمیر جو شبہ میں ہے وہ صرف حضرت مسیح کی طرف جاسکتی ہے جن کا ذکر چل رہا ہے۔ اور کسی ایسے شخص کی طرف ہرگز نہیں جاسکتی جس کا ذکر قرآن شریف میں کہیں بھی نہیں بلکہ کسی صحیح حدیث میں بھی نہیں جو مسیح کی جگہ قتل وصلیب کی موت سے مرا ہو۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ اگر یہ معنی کئے جائیں۔ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کا جواب بھی کوئی نہیں بنتا۔ کیونکہ ان دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے کہ مسیح قتل یا صلیب کی موت نہیں مرا۔ بلکہ ایک اور شخص مسیح کی طرح ہوگیا۔ اس دوسرے کے

مقتول یا مصلوب ہونے کا یہاں اشارہ تک نہیں"۔ (بیان القرآن فائدہ نمبر ۷۶۲)۔

صلیب کی ذِلت

سورہ آل عمران کی ۴۸ ویں آیت وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کا ترجمہ مفسرین بالاتفاق یہ کیا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھالونگا ۔ مگر مولانا محمد علی اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں اوراپنی طرف تیرا رفع کرنے والاہوں ۔ اور لفظ رفع کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رفع کا استعمال امام راغب نے چار طرح پر بیان کیا ہے ۔(۱) اجسام کے متعلق جب ان کو اپنی جگہ سے اوپر اٹھایا جائے ۔(۲)عمارت کے متعلق جب اسے اونچا کیا جائے ۔ (۳) ذکر کے متعلق جب اسے شہرت دی جائے ۔(۴) مرتبہ کے متعلق جب اسے شرف دیا جائے ۔ (بیان القرآن فائدہ نمبر ۴۹۳)۔ پھر اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک الرافع ہے جس سے مراد ہے وہ جو مومن کو سعید بنا کر اور اپنے اولیاء کو قرب عطا کرکے رفع فرماتاہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اس لفظ کا آنا اس بات پر دلالت کرتاہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے انسانوں کو رفع کرنے کا ذکر ہو وہاں مراد بلندی درجات اور قرب کا عطا کرنا ہوتا ہے۔۔۔۔ پس امام راغب نے جوچار معنی رفع کے دئے ہیں ان میں سے چوتھے معنی یعنی مرتبہ کی بلندی یہاں صادق آئینگے "۔(بیان القرآن فائدہ نمبر ۴۴۵)۔ سورہ النساء کی ۱۵۷ ویں آیت کی تفسیر میں حضور مسیح کے رفع اللہ کی وجہ بتاتے ہوئے آپ لکھتے ہیں" یہودی ان (مسیح) کو مقتول ومصلوب سمجھتے ہیں مگر یہود ونصاریٰ دونوں کو ان کے مقتول ومصلوب ہونے کا یقین نہیں بلکہ اللہ نے اسے رفع عطا فرمایا۔ یعنی بلندی درجات۔۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تومصلوب مان کر اسے قرب الہیٰ سے دور پھینکتے ہیں۔ مگر اللہ نے اسے قرب عطا فرمایا۔ قرب بارگاہ الہیٰ اور مصلوبیت ایک دوسری کی ضد ہیں اس لئے کہ یہودی جھوٹے مسیحیوں کو مصلوب کرتے تھے ۔ اوراس لئے بھی کہ استثناء ۲۱: ۲۳ سے اورپھر گلتیوں ۳: ۱۳ سے ثابت ہے کہ صلیب کی موت کو لعنتی موت سمجھا جاتا تھا۔ اور لعنت کا مفہوم اللہ تعالیٰ سے دوری ہے۔ پس لعنت کے ابطال کے لئے رفع کا ذکر کیا ۔ کیونکہ لعنت دوری ہے اور رفع قرب ۔(بیان القرآن فائدہ نمبر ۷۶۴)۔

دوسرے لفظوں میں یہ مفسر اوراس کے مقلدین یہ مانتے ہیں کہ صلیبی موت سے بچنے کے باعث حضور مسیح کو رفع یعنی سر بلندی حاصل ہے اوروہ یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ خاص تدبیر الہیٰ کی بدولت صلیبی موت سے بچے۔ لیکن سیدنا عیسیٰ مسیح کی قربان ہونے والی محبت کے اس جان نثار فعل کا مسیحی تصور اس اسلامی خیال سے کتنا مختلف ہے۔ چنانچہ یہی خیال عبرانیوں کے خط کا مصنف ذیل کے الفاظ میں ایسے پیرائے میں پیش کرتاہے ۔ جنہیں انسان بآسانی فراموش نہیں کرسکتا"۔ البتہ اس کو دیکھتے ہیں جو فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا۔ یعنی عیسیٰ مسیح کو کہ موت کا دکھ سہنے کے سبب جلال اور عزت کا تاج

اسے پہنایا گیا ہے "(عبرانیوں ۲: ۹)۔ اور پھر مقدس پولوس بھی اس کا ذکر یوں کرتے ہیں " انسانی شکل میں ظاہر ہو کر (مسیح نے) اپنے آپ کو پست کردیا۔اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی ۔ اسی واسطے خدا نے بھی اسے بہت سربلند کیا اوراسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے"(فلپیوں ۲: ۸، ۹)۔

لیکن اس صلیبی موت کی لازمی شرمندگی کا تعلق جہاں تک مسیح کی موت سے ہے اس کا ذکر واضح طور سے مقدس پولوس نے گلتیوں کے خط کے اسی مقام پر کیا ہے جسے معترضین پیش کرتے ہیں۔آپ استثنا کے ۲۱ویں باب کی ۲۳ویں آیت کے حوالہ سے پُرزور الفاظ میں لکھتے ہیں کہ مسیح ہمارے لئے لعنتی بنا(گلتیوں باب ۳آیت ۱۳) بنی نوع انسان کی نجات کی خاطر سیدنا عیسیٰ مسیح نے خود اپنی ہی مرضی سے صلیب کی ذلت اٹھائی ۔ اب یہ بات معترضین کے خیال سے بالکل مختلف ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ اس پر زور دیا جائے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت اختیاری تھی کیونکہ مسلمان مصنفین انجیل کے بیان کی بنا پر یہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ آپ کی موت کے بیان میں کوئی بھی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے اس کا اختیاری ہونا ظاہر ہو۔ چنانچہ لاہور کا جریدہ لائٹ مجریہ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۳ء ایک مضمون میں لکھتا ہے " مسیح اپنی مرضی سے مصلوب نہیں ہوا ۔ اس نے گرفتاری سے بچنے کی کوشش کی حتیٰ کہ آخری دم اس نے دعا مانگی کہ وہ پیالہ اسے نہ پینا پڑے"۔ لیکن ایسی باتوں سے اناجیل کے صاف بیانات کو وہ نظر انداز کرجاتے ہیں ۔ چنانچہ جب آپ یروشلیم کا آخری سفر کررہے تھے تو اس موقعہ پر لکھاہے۔ جب وہ دن نزدیک آئے کہ وہ اوپر اٹھایا جائے تو ایسا ہوا کہ اس نے یروشلیم کے جانے کو کمر باندھی (حاشیہ یونانی ، اپنا رخ مضبوط کیا) لوقا ۹: ۵۱ پھر آپ اپنی موت کے متعلق خود فرماتے ہیں ۔ میں اپنی جان دیتا ہوں تاکہ اسے پھر لے لوں۔ کوئی اسے مجھ سے چھینتا نہیں ۔ بلکہ میں اسے آپ ہی دیتا ہوں۔ یوحنا ۱۰: ۱۷، ۱۸ ملاحظہ ہو یوحنا ۱۱: ۷تا۱۶ ۔

علاوہ اس کے گلتیوں کے خط کے اس مقام پر مقدس پولوس یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے صلیب پر چڑھ کر یہ ظاہر کردیا کہ شریعت کا یہ دعویٰ کہ ہر شخص جو پھانسی پر لٹکایا جائے محض کاٹھ پر لٹکائے جانے کے باعث لعنتی ہے بالکل غلط ہے۔ بلکہ پولوس رسول کے اس کلام کا یہ مفہوم ہے کہ دیکھو یہاں ایک ایسا شخص موجود ہے جو کامل اور خدا کا مبارک بیٹا ہے۔ اور وہ لوگوں کی دشمنی کے باعث عین اسی موت سے مر رہا ہے جسے لعنتی کہا گیا ہے۔ درحقیقت اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ لعنتی ہے بلکہ یہ کہ شریعت اپنے اس دعوےٰ میں خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہی ہے۔

صلیب آج بھی ٹھوکر کا باعث ہے

مولانا محمد علی اورآپ کے دوسرے ہم خیال اصحاب سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت سے انکار کرنے پر جس پختگی سے اڑے ہوئے ہیں اور پھر اپنے

اس انکار کی تائید میں جس قسم کے دلائل پیش کررہے نہایت افسوس ناک ہیں۔ سورۃ النساء کی ۱۵۶ ویں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا موصوف چودہ دلائل اپنی انگریزی تفسیر القرآن میں اس بات کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ خود انجیل شریف کی تواریخی شہادت کی بنا پر حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے مگر مرے نہیں۔ ہم ان چودہ دلائل میں سے صرف چند ایسے دلائل ذیل میں پیش کرتے ہیں جن کا تعلق حضور مسیح کی صلیبی موت سے ہے۔ مولانا موصوف کے چودہ دلائل میں سے بعض کا تعلق دراصل حضور مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے سے ہے۔

۱۔ مسیح صلیب پر محض چند گھنٹے رہے۔ حالانکہ صلیب پر موت آہستہ آہستہ اور ہمیشہ بڑے عرصہ کے بعد واقع ہوتی تھی۔

اس دلیل میں مغالطہ لفظ ہمیشہ کے استعمال میں پایا جاتاہے۔ انجیل شریف صفائی سے بتاتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح پرموت جلد واقع ہوئی اوراسکا سبب معلوم کرنا آسان ہے۔ ایک توآپ کا سارا ہفتہ بڑی محنت میں گذرا اور پھر گرفتاری کی رات گوگتسمنی کے باغ میں آپ پر جان کندنی کی حالت طاری ہوئی۔ اس کے علاوہ رات بھر کی بیداری مسلسل کئی گھنٹے مختلف کچہریوں میں آپ کی پیشی کا ہونا۔ دشمنوں کا بیدردی کے ساتھ آپ کو کوڑے مارنا یہ ساری باتیں ایسی تھیں کہ جن کے باعث صلیب پر آپ کا جلد دم دے دینا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ بلکہ رومی کوڑے کی مار ہی اس قسم کی تھی کہ اکثر لوگ اس سے ہی مرجاتے تھے۔

۲۔ دو آدمی جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے جب صلیب پر سے اتارے گئے توزندہ تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ مسیح بھی زندہ ہوں۔

مولانا محمد علی کا کہنا ممکن ہے کہ آپ زندہ ہوں ایک احتمالی امر ہے اس قول سے کہ آپ زندہ تھے مختلف ہے چنانچہ مولانا کے اس قیاس کے برعکس ہم انجیل میں پڑھتے ہیں۔ سیدنا عیسیٰ بڑی آواز سے چلائے اور دم دیدیا۔ --- پیلاطس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مرگیا اور صوبہ دار کو بلا کر اس سے پوچھا کہ اس کو مرے ہوئے دیر ہوگئی (مرقس باب ۱۵ آیات ۳۷، ۴۴)اور دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۳)۔

۳۔ دوچور جو آپ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے ان کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی ٹانگ نہیں توڑی گئی۔

مولانا کا مطلب یہ ہے کہ ٹانگوں کے توڑنے کے باعث موت واقع ہوتی تھی لیکن یادرکھنا چاہیے کہ صلیب کے اوپر ہی چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی ٹانگ اس لئے نہیں توڑی گئی کہ سپاہیوں نے آپ کے پاس آکر دیکھا کہ آپ مرچکے تھے "۔ جب انہوں نے سیدنا عیسیٰ کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مرچکے ہیں تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں "۔ یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۳۔

۴- جب مسیح کا پہلو بھالے سے چھیدا گیا تو خون بہ نکلا اور یہ زندگی کی یقینی علامت ہے مگر انجیل کی اصل عبارت میں ہے کہ خون اور پانی بہ نکلا جو مولانا کے بیان سے بالکل مختلف بات ہے۔ اور انجیل نویس کے خیال کے مطابق جس سے مراد حیات نہیں بلکہ موت ہے۔ ملاحظہ ہو یوحنا ۱۹ : ۳۴۔

۵- پیلاطیس کو بھی یقین نہیں آیا کہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں مسیح کی موت واقع ہو گئی۔

مولانا کے خیال کے برعکس انجیل میں لکھاہے کہ پیلاطس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور سپاہی کے تحقیق کرنے کے بعد اس نے لاش یوسف کی حوالہ کی۔(مرقس ۱۵ : ۴۵)۔

۶ - باقی دو چوروں کی طرح مسیح دفن نہیں کئے گئے بلکہ آپ ایک دولتمند شاگرد کے سپرد کردیئے گئے جس نے ہر طرح سے آپ کی خبر گیری کی۔ اور آپ کو ایک وسیع کمرہ میں رکھا جو ایک چٹان کے پہلو میں کھود کر بنایا گیا تھا۔

وینتوریني دہریہ کا وہی مردود خیال ! کہ آپ کو ایک ہوادار کمرہ میں رکھا جہاں آخر کار بھلا آپ کی بے ہوشی کیوں نہ دور ہوتی !۔

لیکن زمانہ کے پاس جو اکیلی تاریخی شہادت موجود ہے وہ کچھ اور بتاتی ہے یعنی انجیل میں لکھاہے کہ یہ جگہ ہی لاش رکھنے کے لئے تیار کی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو" لاش کو ---۔ ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی رکھا "۔ مرقس باب ۱۵ آیت ۴۶، اور ملاحظہ ہو متی باب ۲۷ آیات ۵۹ ، ۶۰ ۔ لوقا باب ۲۳ آیات ۵۰ تا ۵۳۔ یوحنا باب ۱۹ آیات ۳۸ تا ۴۲۔

۷- سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی گرفتاری سے قبل ساری رات دعا مانگی کہ صلیب کی لعنتی موت سے بچ جائیں اور اپنے شاگردوں سے بھی دعا کی آپ نے درخواست کی اور یہ الہیٰ قانون ہے کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت راستباز کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے (لفظ ہمیشہ استعمال کرکے مولانا پھر مغالطہ دینا چاہتے ہیں)۔ معلوم پڑتا ہے کہ ان کے آقا کا ان سے وعدہ تھا (ذرا مولانا کا قول ملاحظہ ہو) کہ وہ انہیں بچائینگے۔ اور جب آپ نے صلیب پر چلا کر یہ کہا اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑدیا تو اسی وعدہ کی طرف آپ کا اشارہ تھا۔ عبرانیوں کے خط کے پانچویں باب کی ساتویں آیت سے یہ بات اور بھی صفائی سے ظاہر ہوجاتی ہے کیونکہ اس مقام پر صاف لفظوں میں لکھاہے کہ سیدنا عیسیٰ کی دعا قبول ہوئی (صاف لفظوں میں لکھا ہے سنی گئی !)۔ چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں "۔ اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکارا کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجا کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اس کی سنی گئی "۔ ان ساری باتوں سے پوری طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ صلیب پر نہیں مرے اور اس لئے قرآنی بیان بالکل درست ہے۔

لیکن عبرانیوں کے خط کا لکھنے والا مسیح کی موت کا ذکر اپنے اس بیان سے پیشتر کرچکاہے۔ اور آپ کی یہ موت برابر اس کے ذہن میں موجود ہے۔ اور

معقول بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ عبرانیوں کے پانچویں باب کی ساتویں آیت کا وہ مطلب نہ سمجھا جائے جو احمدی زبردستی اس آیت کا نکالنا چاہتے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم انجیلی بیانات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ گتسمنی کے باغ میں جو زور زور سے پکار کر دعائیں اور التجائیں کی تھیں ان میں سب سے بڑی بات یہی تھی کہ میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو۔ (چنانچہ ملاحظہ ہو مرقس باب ۱۴ آیت ۳۶۔ متی باب ۲۶ آیات ۳۹، ۴۲۔ لوقا باب ۲۲ آیت ۴۲)۔ اور یوں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی دعا کا ایک حصہ قبول ہوا یعنی خدا کی مرضی پوری ہوئی۔ اور دوسرا حصہ کہ یہ پیالہ ٹل جائے۔ اگرچہ سنا گیا لیکن قبول نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ نے یہ پیالہ پیا یا جسے عبرانیوں کے خط کے لکھنے والے کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب کی خاطر اس نے موت کا مزا چکھا۔

ایسے لوگوں کا معاملہ اور مقصد کس قدر مایوس کن ہو گا جو کتابِ مقدس کے سیدھے سادے بیانات کا اس طرح غلط اور مغالطہ آمیز مطلب نکالتے ہیں پھر بھی جہاں تک احمدیوں کا تعلق ہے یہ معاملہ بس یہیں ختم نہیں ہو جاتا کہ مسیح صلیبی موت سے بچ گئے۔ آپ غلطی پر ہیں اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ احمدی بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مانتے ہیں کہ صلیبی موت سے بچ جانے کے بعد اب مسیح زندہ ہیں۔ بلکہ ان کا یہ ایمان ہے کہ مسیح مر گئے اور آپ کی وفات کا اعلان اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح مرزا غلام احمد نے کیا۔ اور اس مقصد کے لئے بھی اس واقعہ کے متعلق قرآن کے ذو معنی بیان سے مدد کی گئی ہے۔ سورۃ المائدہ کی ۱۱۷ ویں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہ جہاں لکھا ہے کہ جب تو نے مجھ کو دنیا سے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ مولانا محمد علی لکھتے ہیں یہ آیت قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ طبع موت سے مر گئے اور مسیحیوں کے ظنی عقیدہ اور بہتیرے مسلمانوں کے گمان کے برعکس آسمان پر اب زندہ موجود نہیں ہیں۔ (انگریزی تفسیر القرآن حاشیہ ۲۵۷ صفحہ)۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اقوال مذکورہ کے اسباب

اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ محض قیاسی باتوں پر بحث کرنا عموماً مفید نہیں ہوا کرتا تو بھی ہمیں چاہیے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی وفات کے متعلق جو عجیب اور متضاد بیانات قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کریں اور دریافت کریں کہ کیا سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کے انکار کرنے میں محمد صاحب کی کوئی غرض پائی جاتی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غالباً محمد صاحب اَن پڑھ تھے اور اس لئے انجیل انہوں نے نہیں پڑھی اور نہ ہی پڑھ سکتے تھے (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۶ نبی الامی) اور یوں انجیل کی باتوں کا جو کچھ علم انہیں حاصل تھا اس کا انحصار ایسے معلومات پر تھا جو انہوں نے دوسروں سے حاصل کئے تھے (اس شخص کو فلاں آدمی سکھایا کرتا ہے (سورۃ النحل آیت ۱۰۵)اگر محمد صاحب خود ان معلومات کو براہِ راست انجیل سے حاصل کرتے تو اس مرکزی

واقعہ کی نسبت دھوکا نہ کھاتے۔ کیونکہ مسیح کے مصلوب ہونے اور صلیب پر ہی وفات پانے کا قطعی ثبوت انجیل میں موجود ہے۔

تو کیا ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ حضرت محمد کو اس ماجرہ کی اصلیت کے متعلق واقعی شبہ تھا۔ اگر یہ سچ مان لیا جائے تو قرآن کے پریشان اور متضاد بیانات کا حل مل جاتا ہے۔ آپ پڑھ توسکتے نہیں تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے جوشیلے مسیحی مبشر سے آپ کی ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی کہ جس کی منادی کا مضمون ہی مسیح مصلوب تھا۔ یہ قابل غور بات ہے کہ سارے قرآن میں کہیں بھی سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کی مسیحی تشریح کا کوئی ذکر نہیں۔ انہی اسباب کی بنا پر حضرت محمد کے ایک سوانح نویس نے حال ہی میں لکھا ہے۔ حضرت محمد کا ایسے مسیحیوں کے ساتھ دیرپا شخصی تعلقات نہیں تھے کہ جنہیں اپنے مذہب سے صحیح واقفیت تھی۔

دوسری طرف یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ نے سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق مانی مذہب کے پیروؤں کا یہ عقیدہ سناہو کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کا جسم محض ایک خیالی دھوکا تھا اوراسے صحیح تسلیم کرلیاہو۔ چنانچہ سورۃ نساء کی ایک ۱۵۶ ویں آیت کا یہ مفہوم نکل سکتا ہے اورہم اس پر غور کرچکے ہیں مسلمان اس آیت کا یہی مطلب نکالتے ہیں اوراس سے مانی مذہب کے ماننے والوں کے خیال کی تائید ہوسکتی ہے (دیکھو صفحہ ۱۱۳)۔ اس صورت میں اغلب ہے کہ حضرت محمد نے سیدنا عیسیٰ مسیح کے نام کو اس بے عزتی کی موت کی بدنامی سے بچانے کے لئے مانی کے پیروؤں کے خیال کو بخوشی قبول کرلیاہوگا۔سید امیر علی مرحوم اپنی مشہور کتاب " اسپرٹ آف اسلام" میں لکھتے ہیں کہ سچائی کے بڑے معیاروں میں کامیابی ہمیشہ ایک بڑامعیار ہے "۔ اس بارے میں عموماً مسلمانوں کے نقطہ خیال کی یہ ایک نظیر ہے اور اگر مسیح کے مصلوب ہونے کا واقعہ اس معیار سے جانچا جائے توپھر صریحاً یہ ایک ستم انگیز ناکامیابی نظر آئیگا۔ تو بھی سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی بے شک حضرت محمد کے خیال میں ناکامیاب نہیں تھی ۔ چنانچہ قرآن میں لکھاہے الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ (سورۃ آل عمران آیت ۴۰)۔

پھر اس معاملہ میں یہودیوں نے جو کچھ کیا وہ بھی اس سلسلہ میں قابل غور ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۵۶ آیت صفائی سے کہتی ہے کہ خود یہودیوں ہی کا دعویٰ تھا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کیاجائے۔ اب مدینہ کے یہودیوں نے حضرت محمد کو سیدنا عیسیٰ مسیح کے قتل کا کیا بیان دیا ہوگا؟ کیونکہ ایک ایسے مسیحی کی جگہ جس نے مسیح کی صلیبی موت کی تاویل میں یہ کہا ہوگا کہ مسیح کی موت ایک خیالی دھوکا تھا ایسے سینکڑوں یہودی وہاں موجود ہونگے جو قسمیہ اس بات کا اقرار کرنے کو تیار ہونگے کہ حضرت مسیح واقعی صلیب پر مارے گئے مگر ان کے اس اقرار کا فائدہ ! کیونکہ حضرت محمد نے خود ان یہودیوں کے ہاتھوں سخت تکلیف اٹھائی تھی چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ جس طرح ان یہودیوں نے حضرت محمد کو دق کیا تھا اوران سے جھوٹ بکا تھا۔ توپھر

حضرت محمد کو کیسے یقین آتا کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق ان کا بیان سچ ہے۔ آخر یہودیوں کو تو حضرت عیسیٰ کے نام سے نفرت تھی تو پھر حضرت محمد سے ان معاملہ میں بھی جھوٹ بولنے سے انہیں کون سی چیز مانع تھی۔

پھر ایک اور امکان بھی ہے جسے ہم اس سوال کی صورت میں پیش کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ کیا اس قیاس کی کوئی بنا ہے کہ حضرت محمد سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کی کل حقیقتوں کو جانتے تھے اورآپ کی اس موت کے لاثانی اثر سے واقف تھے جوایک ایسی روحانی حقیقت تھی کہ جس کے باعث لوگ سیدنا عیسیٰ مسیح کے پیرو بن رہے تھے؟ کیاہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سبب سے حضرت محمد نے سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کا انکار کیا؟ اب یہ سوال ایسا ہے کہ جس کاجواب رسوخ کے ساتھ دیناغالباً ناممکن ہے۔

بہر حال ہمارے زمانہ میں ایک ایسا شخص گذرا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اور جس نے اپنی زندگی حضرت محمد کے نمونہ پرڈھالنے کا دعویٰ کیا یعنی مرزا غلام احمد قادیانی ۔ اس مرزا صاحب نے کم از کم سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کے اپنے انکار کی وجہ ایسی صفائی سے بیان کردی ہے کہ جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے مرزا صاحب کا پرزور دعویٰ ان لوگوں کے لئے جو مسیحیت اور صلیب کی طرف موجودہ زمانہ کے احمدی قتل پرستوں کے رحجان کو سمجھنا چاہتے ہیں مطلب سے خالی نہیں ہے ۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ان کے اس بیان میں پایا جاتا ہے جسے آپ کے تابعین کوآپ کی آخری وصیت کہہ سکتے ہیں۔

" اے میرے دوستوں ! میری ایک وصیت سنو۔ اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یادرکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے پیش آتے ہیں پہلو بدل دو۔ اور عیسائیوں پر یہ ثابت کردو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہوچکا ہے ۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتحیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین پر سے صف لپیٹ دوگے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے عزیز اوقات کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پرزور دو اور پرزور دلائل سے عیسائیوں کولاجواب اورساکت کردو۔ جب تم مسیح کا مردوں داخل ہونا ثابت کردوگے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کردوگے تواس دن تم سمجھ لو کہ عیسائی مذہب دنیا سے رخصت[1] ہوا۔" ازالہ صفحہ ۱۱٦ ۔

لیکن سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کا حقیقی اور کافی تواریخی ثبوت جو انجیل شریف میں موجود ہے ہر معقول پسند شخص کو اس واقعہ کی سچائی کا یقین دلانے کے لئے بس ہے فی الحقیقت ایک طرف اناجیل کے چشمدیدہ گواہوں کے

---

[1] مرزا صاحب کی طرح فرانسیسی ملحد والٹیر نے بھی ۱۷٦۰ء میں عیسائی مذہب کے دنیا سے رخصت ہونے کی پیشگوئی کی تھی انیسویں صدی کے قبل مسیحی مذہب دنیا سے معدوم ہوجائیگا۔

مفصل اور مشرح بیانات اور دوسری طرف قرآن کے مختصر اور مبہم اور متضاد دعاوی میں کتنا بڑا فرق ہے ۔ صاف بات تو یہ ہے کہ ایک ایسے واقعہ کے متعلق معتبر خبر حاصل کرنے کے لئے جو قرآن سے چھ سو سال قبل کا ہے کوئی شخص قرآن کی سند نہیں قبول کریگا۔

آخری بات یہ ہے کہ دنیا کے سامنے اس واقعہ کا جو ثبوت موجود ہے وہ بالکل مسلمانوں کے دعویٰ کے خلاف ہے۔

انجیل شریف کے بیانات میں اس حقیقت سے بڑھ کر اور کوئی بات زیادہ واضح نہیں ہے کہ پنطیس پیلاطوس نے عیسیٰ ناصری کو صلیب دیا تا کہ یہودی خوش ہوجائیں۔

پھر پولوس رسول کے نوشتوں کا بڑا مضمون صلیبِ مسیح ہے۔ وہ خود تو مسیح کے مصلوب ہونے کا انکار ہر گز کر نہیں سکتا تھا مگر اس کا اعلیٰ مطلب ایک بڑے عرصہ تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب اس نے اس کی خوبی کو دیکھا تو بیساختہ چلا اٹھا ۔" خدا نہ کرے کہ میں کسی چیز پر فخر کروں۔ سوا اپنے مولا سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیب کے ۔" (گلتیوں باب ۶ آیت ۱۴)۔اور پھر یہودیوں نے کبھی اس واقعہ کا انکار نہیں کیا۔ (دیکھو یہودیوں کے اقرار کے لئے اعمال باب ۲ آیت ۲۳)۔ علاوہ اس کے قدیم زمانہ کے غیر مسیحی مصنفین اس کے شاہد ہیں۔ مثلاً ٹسائی ٹیس رومی مورخ (پیدائش ۵۶ء)۔ نیرو بادشاہ کے ان مظالم کے بیان میں جو مسیحیوں پر اس نے کئے تھے لکھتا ہے " اس فرقہ کا بانی مسیح تھا جسے طبریاس قیصر کے عہد حکومت میں پنطیس پیلاطوس حاکم نے مجرموں کی سزا دے کر مار ڈالا"۔ اور پھر ایک یونانی مصنف لوسیان (پیدائش ۱۰۰ء) اپنی ایک تصنیف میں مسیحیت کے بانی کو سفسطائی " مصلوب کہتا ہے ۔ ایک اور مصنف سلس اپکوری منکی فیلوسف ۔ مسیح کو" مصلوب عیسیٰ" اور " مصلوب خدا" کہتا ہے۔

اور پھر جس طرح محرم کی دسویں تاریخ کا منایا جانا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ان لوگوں کی موت کی تواریخی شہادت ہے جو میدانِ کربلا میں مارے گئے اسی طرح تمام دنیا میں پاک عشاء کی رسم کا بار بار منایا جانا مسیح کی موت کی حقیقت پر گواہ ہے۔ اس رسم کے منانے سے ہم سیدنا مسیح کی موت کا اظہار کرتے ہیں جب تک وہ نہ آئے۔(۱ کرنتھیوں باب ۱۱ آیت ۲۶)۔

چھٹا باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کے منجی ہونے پر

مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ مسیحی کفارہ کا مطلب یہ ہے کہ مسیح نے تمام لوگوں کے گناہ خود اپنے اوپر اٹھالئے اور اس لئے جو آپ پر ایمان لائیگا گناہ کی سزا سے بچ جائے گا(صفحات ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۳)۔

۲۔ اگر دوہزار برس پیشتر دنیا کے گناہوں کے لئے حضرت مسیح مرگئے تو پھر تمام عیسائیوں کے گناہ خود بخود معاف ہوگئے۔

۳۔ بہتیرے لوگ مسیح پر ایمان لائے ہیں مگر گناہ اور بدی کے نتائج سے ان کا چھٹکاراپانا زمان اورمکان کی قیود میں کسی نے مشاہدہ نہیں کیا۔(صفحات ۱۵۵، ۱۵۶)۔

۴۔ عوضی کفارہ کے اثر سے انسان کی قوتِ عملی مردہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ انسان کے لئے خود کرنے کا کوئی کام باقی نہیں رہتا اورساری ذمہ واری اس کے سر سے جاتی رہتی ہے۔(صفحات ۱۵۵، ۱۵۶)۔

۵۔ عیسائی مانتے ہیں کہ مسیح کی صلیبی موت ان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ لوگ خواہ کتنے ہی گناہ نہ کریں تو بھی وہ سیدھے جنت کو جائینگے۔

۶۔ کیا کوئی عیسائی خاتون خواہ یورپین ہو یا دیسی کہہ سکتی ہے عیسیٰ ناصری کے خون پر ایمان لانے کے باعث وہ دردزہ کی تکلیف سے بچ گئی؟(پیدائش باب ۳آیت ۱۶)؟

۷۔ مسیحی عقیدہ کے کل ارکان، الوہیت، مسیح، کفارہ وغیرہ کی بنیاد آدم کے گناہ میں پڑنے کی کہانی پر ہے۔ اور کلیسیائی تعلیم کی یہی ایک بنیادی چٹان ہے جسے اگر توڑڈالاجائے توپوری کلیسیا گر پڑیگی۔ صفحہ ۱۶۹۔

۸۔ کیا ضرورت تھی کہ انسان کو بچانے کی خاطر خدا انسانی جسم میں ظاہر ہونے کی شرمندگی اٹھائے۔ نبیوں کی طرح وہ کوئی اور بہتر طریقہ اختیار کرسکتا تھا(صفحات ۱۵۷ تا ۱۶۱)۔

۹۔صلیب پر مرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ خدا جو چاہتا ہے محض اپنی مرضی سے پورا کرسکتا ہے۔(صفحات ۱۳۶-۱۳۷)۔

۱۰۔ قرآن کی تعلیم ہے کہ کسی گنہگار کو معاف کرنے کے لئے خدا کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیتا۔(صفحات ۱۴۵، ۱۵۷)۔

۱۱۔ اگر مسیح خدا تھے تو لازم تھا کہ ان کی رسالت عالمگیر ہوتی محض کسی خاص جماعت تک محدود نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔ خدا صرف یہودیوں کا ہی پروردگار نہیں۔ (صفحہ ۱۶۳)۔

۱۲۔ اگر سیدنا عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کو ہی بچانے کے لئے آئے تھے تو پھر غیر اسرائیلیوں کو کون بچائیگا؟ (صفحہ ۱۶۳)۔

۱۳۔ مسیح کی موت قدرت کے عام قانون کے خلاف ہے کیونکہ عام قانون تو یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کی خاطر ہمیشہ قربان ہوتا ہے۔

۱۴۔ شریعت پر عمل کرنا تنگ راستہ ہے۔ مگر عیسائی یہ مانتے ہیں کہ صرف ایمان لاؤ اور یوں انہوں نے وسیع اور آسان راستہ اختیار کیا ہے۔

۱۵۔ مسیح کی جان نثاری کی جو طبیعت اپنے قربان ہونے میں دکھائی ہے اس میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن آپ کی یہ قربانی سچائی کی خاطر تھی۔ انسان کے گناہ کا یہ کفارہ نہ تھا۔

۱۶۔ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اپنی مرضی سے قربان ہونے کے لئے صلیب پر چڑھے۔ لیکن جب ان کے اس دعویٰ کی تحقیق ہمعصر شہادتوں کی بنا پر کی جاتی ہے جیسا متی کی انجیل کے آخری ابواب سے ظاہر ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ جبراً قتل کئے گئے۔

۱۷۔ مسیح کے صلیب پر مرنے کا عیسائی عقیدہ خونی قربانی اور گناہوں کے عوضی کفارہ کے الہیاتی مسئلہ کے لئے ضروری ہے۔ مگر اسلام اس مسئلہ کو مردود قرار دیتا ہے۔

۱۸۔ عوضی کفارہ کی تعلیم خدا کے انصاف اور انسان کی اخلاقی ذمہ داری کی نفی کرتی ہے۔

۱۹۔ مسئلہ نجات کے متعلق عیسائی مناظرین کا سارا دارومدار صرف ان دو باتوں پر ہے۔ یعنی مسیح کی بیگناہی اور اس کے خون کے وسیلہ گناہ کا کفارہ۔

۲۰۔ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق تثلیث کے علاوہ نجات کے لئے دوسری لازمی بات یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ مسیح صلیب پر مرے اور اپنی لعنتی موت کے وسیلہ آپ شیطان کی لعنت کے حصہ دار ہوئے۔

۲۱۔ کفارہ کا عقیدہ خدا کے رحم کا انکار ہے کیونکہ اس عقیدہ کے مطابق جب تک خدا نے حضرت عیسیٰ کو تمام انسان کے گناہ کی سزا نہ دے لی وہ راضی نہ ہو (صفحات ۱۶۰، ۱۶۱)۔

۲۲۔ میں نہیں سمجھتا کہ مسیح کی صلیبی موت کس طرح توبہ کرنے میں ہماری مددگار ہے (صفحات ۱۶۰، ۱۶۲)۔

۲۳۔ انسان کے چال وچلن پر حضرت مسیح کی موت کس طرح اثر کرتی ہے اور میری سمجھ سے باہر ہے۔ (صفحات ۱۶۰ تا ۱۶۲)۔

۲۴۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق انسان بغیر کسی گناہ کے دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ گناہ کسب ہے جسے انسان بعد میں حاصل کرتا ہے۔ یہ موروثی نہیں ہے(صفحات ۱۳۷، ۱۳۸)۔

۲۵۔خدا کی ہمہ جا حاضری انسان کو خفیہ گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے(صفحات ۱۴۳ تا ۱۴۶)۔

چھٹا باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کے منجی ہونے کی تشریح

قرآن شریف میں سیدنا عیسیٰ مسیح کے مصلوب ہونے کا ذکر صرف اس واقعہ کی انکار کی غرض سے آیا ہے اوراس میں مسیحیوں کے اس مروجہ عقیدہ کا کوئی ذکر نہیں کہ مسیح بیدینوں کی خاطر مرے اور اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت محمد نے کفارہ کی تعلیم کا ذکر کبھی سنا ہی نہ ہو۔

لیکن آج کل مسلمان اکثر اس مسیحی عقیدہ پر کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی موت سے کفارہ کے کام کو پورا کیا اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ مسیح مصلوب ہوئے تو یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کی یہ موت لوگوں کے لئے ذریعہ نجات ہے فضول اور بے فائدہ ہے۔ ان کا بیان ہے کہ مسیحی ایمانداروں کی زندگی سے ان کے اس عقیدہ کے سبب گناہ خارج نہیں ہوجاتا۔ اور نہ ہی وہ گناہ کی سزا سے بچ جاتے ہیں ۔ چنانچہ ایک احمدی رسالہ رقمطراز ہے کہ روز مرہ کا ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی عیسائی ملک کے کسی قانون کو توڑتا ہے تو اس وجہ سے کہ مسیح نے اس کے گناہ اوراس کی سزا سے بچانے کی خاطر اپنی جان دی وہ اپنی سزا سے چھوٹ نہیں جاتا بلکہ عیسائی چور

کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو ہندو چوہڑ کو ملتی ہے"۔ جریدہ لائٹ لاہور۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۳ء۔

پھر یہی جریدہ حال ہی میں نجات کے متعلق کسی مسلمان کے سوال کے جواب میں لکھتا ہے "۔ مسیحی مذہب کی تعلیم ہے کہ نجات ایک تواریخی واقعہ پر ایمان لانے سے ملتی ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ مسیح صلیب پر مرے۔ موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی اسے غلط بتائیگا۔ ایک ایسا شخص جو نہایت ہی بدکاری کی زندگی بسر کررہاہے محض مسیح کی صلیبی موت پر ایمان لانیکے باعث نجات کا حقدار نہیں ٹھہر سکتا"۔ ایک اور اقتباس ایک اسلامی رسالہ کا حسب ذیل ہے"۔ اگر کفارہ کی تعلیم میں کوئی سچائی ہوتی تو چاہیے تھا کہ مسیحی جماعت کے ہر طبقہ کے لوگ اس کے اثر سے اپنی عملی زندگی میں اخلاقی اعتبار سے فائدہ اٹھاتے"۔ ان ساری باتوں سے ظاہر ہے کہ عموماً مسلمان نہیں سمجھتے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے وسیلہ نجات پانے کا کیا مطلب ہے؟

خدا اور انسان کا اسلامی تصور

لیکن درحقیقت اس مسیحی تعلیم کے انکار کی وجہ اور بھی گہری ہے یعنی اللہ کے اسلامی تصور میں اس انکار کا سبب پایا جاتا ہے۔ قرآن اور مروجہ اسلامی خیال کے مطابق اس تصور کا ایسا خلاصہ کہ جس سے انکار کی وجہ ظاہر ہوجائے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ خدا قادر مطلق ہے یعنی جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اور اپنے افعال کا ذمہ وار نہیں ہے اس عقیدہ کی تائید میں قرآن سے کئی آیتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اس موقعہ پر ہم ایک ہی آیت کے نقل کرنے پر اکتفا کرینگے۔

" اگر اللہ مریم کے بیٹے مسیح کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں۔ سب کو ہلاک کرنا چاہے تو ایسا کون ہے جس کا خدا کے آگے کچھ بھی زور چلتا ہو اور آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان وزمین میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ سورہ مائدہ آیات ۱۹، ۲۰۔

۲۔ خدا رحیم ہے۔ یعنی وہ جسے چاہے معاف کرے مثلاً اللہ تو اس جرُم کو معاف کرنے والا ہے نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے۔ ہاں اس کے سوا جو گناہ جس کو چاہے معاف کردے"(سورۃ النساء آیت ۱۵)۔

خدا کی سرزور اور من مانی مرضی کا عقیدہ اس قدر بنیادی اور تاکیدی مانا گیا ہے کہ مسلمان نہ تو کفارہ کی گنجائش اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

مگر مسیحی نقطہ نگاہ سے کفارہ کی ضرورت صریحاً ظاہر ہے کیونکہ کم از کم تجربہ سے اس قدر معلوم ہے کہ دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے(یرمیاہ باب ۱۷ آیت ۹)۔ تو کیا انسان کے متعلق اسلام کی تعلیم اس مسیحی تعلیم سے اصولاً اختلاف رکھتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اسلام انسان کے دل کی

برائی کا قائل ہے لیکن اس برائی کے دور کرنے کے وسیلوں کے متعلق اسلام میں متضاد رائیں پائی جاتی ہیں۔ نجات کے اس مسیحی عقیدہ کا کہ یہ انسان کو خدا کے فضل کے ایک فعل کے وسیلہ ملتی ہے جب اسلامی عقیدہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو زیادہ صفائی سے یہ سمجھ میں آتا ہے اس لئے ہم پہلے انسانی فطرت کے متعلق اسلامی تعلیم پر غور کرینگے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی جو آیت عموماً پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفًا۔ یعنی اللہ چاہتا ہے تم پر سے بوجھ ہلکا کرے۔ کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۳۲۔

اس آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں عورتوں سے مباشرت کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا محمد علی اس کی تفسیر کرتے ہوئے بیان القرآن کے فائدہ نمبر ۶۴۲ میں لکھتے ہیں۔ "انسان کا علم اور انسان کی حکمت چونکہ بہت کمزور ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی امداد کی ضرورت ہے خلق الانسان ضعیفا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان شرائع پر عمل نہیں کرسکتا بلکہ ۔۔۔۔۔ یہ مطلب ہے کہ وہ شریعت کو خود اپنے لئے تجویز نہیں کرسکتا۔ یہی وہ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر سے ہلکا کردیا ہے اس کو رستہ بنا کر اس پر چلنے کی ہدایت فرمادی"۔

غرضیکہ اسلام نے اگرچہ نوع انسان کو کلی طور پر اپنے افعال میں گنہگار ٹھہرایا ہے تو بھی انسان کا گنہگار ہونا اس کی ایسی فطرت کے باعث نہیں ہے جو طبعاً گنہگار واقع ہوئی ہے۔ بلکہ انسان اپنے علم اور حکمت میں کمزور ہے۔ اور اپنی فطرت کی اس کمزوری کے باعث گناہ میں گرفتار ہے۔ وہ اپنے گناہ کے سبب جنت سے خارج تو کردیا گیا ہے مگر خدا سے دور نہیں ہے۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین مرحوم کا قول ہے"۔ قرآن یہ نہیں سکھاتا کہ گناہ انسانی فطرت میں طبعاً موجود ہے اور کہ آدمی خود اپنے نیک کاموں سے اس کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا"۔

گناہ کے متعلق اسلامی تعلیم

اسلام میں اللہ کے احکام کے خلاف سرکشی اور مخالفت کا نام گناہ ہے۔ یعنی حرام کاموں کے کرنے کے اور فرائض وواجبات کے ترک کرنے سے انسان گنہگار ٹھہرتا ہے قرآن میں لفظ گناہ کے لئے جو خاص الفاظ استعمال ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ثم ۔جیسے قرآن میں آیا ہے۔ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا یعنی اور جس نے خدا کا شریک گردانا تو اس نے خدا پر طوفان باندھا جو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ (سورۃ نساء آیت ۵۱)۔ اثم عظیم سے یہاں مراد شرک ہے۔ اور پھر ملاحظہ ہو۔ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ یعنی اور جو بڑے بڑے

گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو لوگوں کی خطاؤں سے در گذر کرتے ہیں۔ سورۃ لشوریٰ آیت ۳۵۔

۲۔ جرم۔ یہ لفظ مجرم یعنی اسم فاعل کی صورت میں یا فعل کی مختلف حالتوں میں قرآن کے اندر استعمال ہوا ہے۔ اس کا مفہوم بھی وہی ہے۔ جو لفظ اثم کا ہے۔

۳۔ ذنب۔ اثم اور ذنب میں یہ فرق ہے کہ ذنب کا لفظ ایسے گناہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے جو عمداً اور سہواً سرزد ہوں اور اثم کا اطلاق ایسے گناہ پر ہوتا ہے جو عمداً سرزد ہوں۔ یہ لفظ ذنب مسلمانوں کو اس دعا میں بھی آیا ہے جسے استغفار کہتے ہیں۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ میں اللہ اپنے پروردگار سے معافی مانگتا ہوں اپنے کل گناہوں کی اور توبہ کرتا ہوں اس کے سامنے [1]۔

[1] لفظ ذنب کے متعلق مولانا محمد علی سورۃ آل عمران کی ۹ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے انگریزی قرآن کے فائدہ نمبر ۳۹۳ اور بیان القرآن کے فائدہ نمبر ۳۸۱ میں لکھتے ہیں۔ ذنب کا لفظ عربی زبان میں نہایت وسیع ہے اور اس سے مراد وہ افعال بھی ہوسکتے ہیں جو فی الحقیقت گناہ نہیں اور نافرمانیاں ہیں مگر ان کا انجام ناگوار ہے اور ایسی نافرمانی بھی اس سے مراد ہوسکتی ہے جس میں عمدہ اور ارادہ کوئی دخل نہیں اور ایسے سخت گناہ بھی اس سے مراد ہوسکتے ہیں جو جناب الہیٰ سے قطع تعلق کا موجب ہوجائیں "۔ مگر اپنے انگریزی قرآن میں سورۃ المومن کی ۵۷ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے انگریزی قرآن فائدہ نمبر ۲۱۹۴ میں جہاں اس لفظ کا استعمال محمد کے لئے ہوا ہے (واستغفر الذنب) اسکے برعکس آپ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی واقعی گناہ نہیں ہیں!

گناہ کے لئے قرآن میں ان کے علاوہ یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ خطا، ظلم، جناح، سیئۃ، عصیان۔

قرآن بڑے گناہوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ لالچ، گھمنڈ، حسد، اسراف، بخل، خود نمائی، دھوکا، شک، چوری، یہ اور ان کے مثل دوسرے گناہ کبائر الاثم یا گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں۔ مسلمان شارع نے کبیرہ گناہوں کی فہرست تیار کی ہے جس میں اس قسم کے گناہ کا ذکر ہے۔ شرک، گناہ صغیرہ، بار بار کرتے رہنا۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا۔ اپنے آپ کو خدا کے غضب سے مامون سمجھنا جھوٹی گواہی، کسی مسلمان مرد یا عورت پر زنا کا جھوٹا الزام لگانا، جھوٹی قسم کھانا، جادو کرنا، شراب پینا، سود لینا، یتیموں کا مال بیجا طور سے لے لینا۔ زنا، لواطت، چوری، قتل، عمد، جہاد میں دشمنوں کے سامنے سے بھاگ نکلنا۔ والدین کی نافرمانی کرنا، سات مہلک گناہ یہ ہیں۔ شرک، قتل، عمد، زنا کا جھوٹا الزام لگانا، یتیموں کا مال بیجا طور سے لے لینا، سود، جہاد سے بھاگنا، والدین کی نافرمانی، بعض حدیثوں میں موخر الذکر گناہ کی جگہ جادو کا ذکر آیا ہے۔

یہ بتایا جاچکا ہے کہ سب سے بڑا گناہ جو قرآن کی تعلیم اور مسلمانوں کی ذہینیت دونوں کے اعتبار سے باقی تمام گناہوں سے بڑھ کر اور ان سب پر حاوی ہے اور گناہوں کی ہر فہرست کے شروع میں بلا مستثنیٰ جس کا نام آتا ہے وہ شرک ہے۔ کیونکہ یہ بُت پرستی کے برابر ہے۔ یہی ایک گناہ ہے کہ جسے اللہ معاف نہیں کرتا (سورۃ النسآ آیات ۵۱، ۱۱۶) اسلامی تعلیم کا یہ پہلو سیدنا

عیسیٰ مسیح کی تعلیم سے بالکل فرق ہے۔آپ کی یہ تعلیم ہے کہ زندگی عقیدہ سے بڑھ کر ہے اور چال وچلن کی اہمیت رسوم سے کہیں زیادہ ہے (متی باب ۲۲آیات ۳۴تا ۵۰) اورآپ نے روح القدس کے خلاف کفر بکنے کے گناہ کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی۔آپ نے فرمایا۔آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائیگا۔مگر جو روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائیگا۔ متی باب ۱۲آیات ۳۱، ۳۲۔ پھر بنی اسرائیل کے نبی حضرت یسعیاہ کے تنبیہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں"۔ ان پر واویلا ہے جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی کہتے ہیں۔ اور روشنی کی جگہ اندھیرا اور اندھیرے کی جگہ روشنی کرتے ہیں "یسعیاہ باب ۵آیت ۲۰۔ اسلامی اور مسیحی نقطہ نگاہ کے اس باہمی اختلاف سے دونو مذاہب کے انتہائی معافی کا اظہار ہورہا ہے۔

تقدیر اور جہنم کے متعلق قرآن کی تعلیم

تقدیر کے متعلق جو کچھ قرآن کی تعلیم ہے۔ اس سے گناہ کے اسلامی تصور اوررحجان پر اور بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس تعلیم کے مطابق جو کچھ انسان پر گذرتا ہے خواہ چھوٹی بات ہو یا بڑی سب کچھ خدا کے ازلی اور اٹل فیصلہ کے مطابق پہلے ہی مقرر ہو چکے ہیں۔ملاحظہ ہو سورۃ القمر آیت ۴۹، ۵۰۔

" ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا کیا ہے۔ اورہمارا حکم توایک ہی ہے یوں آجائیگا جیسے آنکھ کا جھپکنا"۔

اس تعلیم کے حق میں جائز طور پر یہ کہا جاتاہے کہ مصیبت کی حالت میں اس سے صبر اور توکل اور رضا کی طبیعت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کامیابی کے موقعوں پر دل میں طمانیت اور خطرہ کے وقت سکون پیدا ہوتاہے۔ اور یہ وہی کیفیت ہے جس کا اظہار تین سوسال کے اس پرانے مسیحی دعا سے ہوتاہے "اے خدا ہمیں سکھا کہ ساری باتوں میں ہم تیری کارسازی کے تابع ہوں اور انسانوں اور حالتوں کے انقلابات کے درمیان ہم قانع ہوں اور کامیابی کے موقعوں پر معتدل اور مصیبت کے وقت حلیم، صابر اور صاحب توکل ہوں"۔

بہر حال قرآن کی تعلیم بد قسمتی سے ہمیشہ اس قسم کے جائز اغراض تک ہی محدود نہیں ہے۔غور کیجئے ان قرآنی عبارتوں کا زندگی پر کیا اثر ہوسکتاہے "۔ خدا جسے چاہے اسے گمراہ کردے اور جسے چاہے اسے راہ راست پر لگادے" الانعام آیت ۳۹اور جس کو گمراہ کردے تو کوئی اس کا راہ دکھانے ولا نہیں "الرعد آیت ۳۳۔ اورملاحظہ ہو سورۃ البقر آیت ۳۶ سورۃ التوبہ آیت ۱۱۶۔

ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کرکے اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے "سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۴۔

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی مت کردیتا۔ لیکن لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہینگے۔ مگر جس پر تمہارا پروردگار فضل کرے

اوراسی لئے توان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا فرمودہ پورا ہو کر رہیگا کہ ہم جنات اور بنی آدم سب سے دوزخ بھر دینگے"۔ سورۃ ہود آیت ۱۲۰۔

اس آخری آیت کی تفسیر میں مولانا محمد علی اپنے انگریزی قرآن کے فائدہ نمبر ۱۲۱۰ میں لکھتے ہیں " جو لوگ ان راہوں سے برگشتہ ہوگئے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم سے ان کی ہدایت کی تھی۔ اس لئے انہیں ایک سخت آزمائش میں سے گذر نا پڑیگا تا کہ ان کی تمام برائیاں دُھل جائیں اور وہ روحانی ترقی کے قابل بن جائیں "۔ دیکھو بیان القرآن فائدہ نمبر ۱۵۱۴۔

اس سخت آزمائیش سے مراد دوزخ ہے جوہولناک عذاب کی جگہ ہے جس کے متعلق قرآن اوراحادیث میں بہت کچھ آیا ہے۔ مثلاً۔

"بے شک گنہگار لوگ گمراہی میں پڑے ہیں اورآخر کار جہنم میں جائینگے جس دن ان کو ان کے منہ کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائیگا اوران سے کہا جائیگا کہ اب تن بدن میں دوزخ کی آگ کے لگنے کا مزہ چکھو۔ سورۃ القمر آیت ۴۸۔

سرکشوں کا برا ٹھکانہ ہے دوزخ کہ اس میں ان کو جانا پڑیگا اور وہ کیا ہی بُری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا پانی اورپیپ اوراسی طرح کی اور انواع واقسام کی چیزیں دوزخیوں کے کھانے پینے کے لئے موجود ہیں توان چیزوں کے مزے پڑھ چکھا کریں "(سورۃ ص آیات ۵۵تا ۵۸)۔

" جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہم ان کو دوزخ میں داخل کرینگے۔ جب ان کی کھالیں جل جائینگی توہم اس غرض سے کہ وہ عذاب چکھیں گلی ہوئی کھالوں کی جگہ ان کودوسری نئی کھالیں پیدا کردینگے بے شک اللہ زبردست صاحب تدبیر ہے"۔سورۃ النساء آیت ۵۹۔

اس دن [1] ہم دوزخ سے پوچھینگے کہ تو دوزخیوں سے بھر چکی وہ عرض کریگی کہ کچھ اور بھی ہے۔ سورۃ ق آیت ۲۹۔

ان آیتوں کا حوالہ دینا ہم نے کیوں ضروری سمجھا؟ اس لئے نہیں کہ قرآن پر نکتہ چینی کریں۔ یہ ہمارا کام نہیں ہے ہم صرف یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ عام طورپر ان مسلمانوں کے لئے جن کی تربیت اس اسلامی تعلیم کی ماحول میں ہوئی ہے یہ محسوس کرنا کہ گناہ دراصل خدا کی پاک محبت کی خلاف ورزی ہے مشکل بلکہ محال ہے۔ اللہ کا قصور اوراس کا عقیدہ انسان کے تصور کے کلیتہً غیر ہے (اس کے مقابلہ میں دیکھو متی ۷باب آیت ۱۱)۔ اسلامی تعلیم کے مطابق خدا ایک مطلق العنان اورزبردست ہستی ہے اورجوچاہے کرتاہے اورجسے چاہے مہربانی دکھاتاہے۔ انسان عبدیا بندہ یعنی خدا کاغلام ہے۔ اورانسان کے تمام گناہ اور پھر ان گناہوں کے اوپر شرک کاابوالہول بھی خدا نے پہلے ہی سے لکھ دیا ہے۔ اور نہ ہی قرآن میں گنہگار انسان کے لئے اس قسم کے تسلی بخش کلام پائے جاتے ہیں جیسے کتابِ مقدس میں موجود ہیں مثلاً۔

[1] یہ حقیقت غور طلب ہے کہ قرآن کی ان خوفناک آیتوں کی کسی جدید مفسر نے تشریح نہیں کی ہے۔

مجھے اپنی حیات کی قسم ہے کہ شریر کے مرنے میں مجھے کچھ خوشی نہیں بلکہ اس میں ہے کہ شریر اپنی راہ سے باز آجائے اور جیئے ۔ حزقی ایل باب ۳۳آیت ۱۱ ۔

وہ (خدا) چاہتا ہے کہ سارے آدمی نجات پائیں ۔ ۱ تیمتھیس باب ۲آیت ۴۔

خدا کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا ۔ ۲ پطرس باب ۳آیت ۹ ۔

نجات کے متعلق اسلامی تعلیم

اب سوال یہ ہے کہ گنہگار کی نجات کے لئے قرآن اور اسلام نے کون سا وسیلہ مقرر کیا ہے۔ یقیناً اس سے بڑھ کر کوئی اور پُر اہم سوال ہو نہیں سکتا۔ اور اس کے جواب پر اس فیصلہ کا انحصار ہے کہ کیا در حقیقت اسلام آج کل کے دعوے کے مطابق انسان کی بہبودی کا مذہب ہے اور کیا واقعی قرآن ایسی کتاب ہے جس کی انسان کو اس کی نجات کے لئے ضرورت ہے ۔

اس موضوع پر ہم اسلام کے مانے ہوئے مفسرین کی تحریرات سے چند اقتباسات پیش کرینگے ۔ پہلا اقتباس مولانا محمد علی ۔ایم۔ اے کے ایک مضمون کا اقتباس ہے جوانہوں نے چند برس ہوئے ایک رسالہ[1] میں شائع کیا تھا۔

قرآن شریف میں بار بار آیا ہے کہ وسیلہ نجات اسی طرح ازل سے موجود ہے ۔ جس طرح خدا خود ازلی ہے اور ایسی تعلیم کا قرآن شریف میں انکار کیا گیا ہے ۔ جو یہ سکھاتا ہے کہ جب نجات کے باقی تمام وسیلے ناکامیاب ثابت ہوئے تب خدا بہت زمانہ بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسے چاہیے کہ خود اپنے آپ کو موت کے ماتحت کرکے نوع انسان کو نجات دے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان تب ہی نجات یافتہ کہلاسکتا ہے۔ جب اس کی کل نفسانی خواہشات بھسم ہوجائیں اور خدا کی مرضی اس کی اپنی مرضی بن جائے ۔ یعنی خدا کی محبت میں ایسے کامل طور سے وہ فنا ہوجائے کہ اس میں اپنی خودی کا نشان تک باقی نہ رہے۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ خدا ہی سب میں سب کچھ ہے اور اس کے اقوال وافعال اور حرکات اور ارادے سب کچھ خدا ہی کے لئے ہوجائیں۔ اور جب اپنے قلب کے باطن میں وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اس کی خوشی صرف خدا ہی میں ہے اور اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا ہونا موت ہے ۔ جب خدا کی کاملیت کی شمع اس کے اندر روشن ہوجائے اور گناہ کو دنیا کی سب سے پلید چیز سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگے ۔ اور جب خدا سے اس کو ایسی محبت ہوجائے جو

[1] کیا کوئی کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اگرہاں توکونسی کتاب ؟صفحہ ۲۸ تا ۳۴مطبوعہ محمڈن ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی لاہور

بیوی بچوں اور عزیز اوقارب کی محبت سے کہیں بڑھ کر ہو۔۔۔۔ جب انسان محبت الہیٰ کی اس منزل پر پہنچتا ہے تو اس کی کل نفسانی خواہشات محبت کی آگ میں مثل بھوسے کے بھسم ہوجاتی ہیں اور اس کے اندر ایک عظیم تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ تب اسے ایک ایسا قلب عطا ہوتا ہے جو اس کے پاس پہلے نہیں تھا۔۔۔ اس حالت کا نام نجات ہے کیونکہ یہ وہ حالت ہے کہ جس میں روح بارگاہِ الہیٰ کے آستانہ پر ولولہ انگیز محبت سے بھری ہوئی گر کر ابدی آرام حاصل کرتی ہے۔۔۔ انسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ خدا کی محبت اس میں چھپی ہوئی ہے اور جب روح کی پاکیزگی کے وسیلہ یہ محبت ہر طرح کے میل سے صاف ہوجاتی ہے۔۔۔ تو نور الہیٰ کو منعکس کرنے کے لئے اس کی فطرت ایک آئینہ بن جاتی ہے۔

بہر حال مصنفِ سطور مافوق کو اس بات کا احساس ہے کہ اس کامل زندگی کا حاصل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے آگے چل کر آپ اس کے حاصل کرنے کے متعلق لکھتے ہیں۔

انسان کے لئے یہ نہایت ہی مشکل ہے کہ وہ اس قسم کا یقین حاصل کرے جس کا تعلق خدا کی ہستی سے ہے۔ اور اس کے دل میں اس قسم کا پکا ایمان پیدا ہوجائے کہ خدا کی فرمانبرداری اس جہان اور آنے والے جہاں میں اطمینان اور خوشی کا سرچشمہ ہے اور اس کی مرضی کے خلاف چلنا تمام مصائب کی جڑ ہے۔ جب اس قسم کا کامل یقین انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے تو وہ ہر طرح کی برائی سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا یقینی علم ہوتا ہے کہ اس کے بُرے کاموں کو خدا دیکھ رہا ہے جو اسی زندگی کو اس کے لئے جہنم بنانے پر قادر ہے یہ تو صاف ظاہر ہے کہ جو شخص کسی چیز کو واقعی نقصان دہ سمجھتا ہے وہ اس سے اجتناب کریگا مثلاً کوئی شخص اپنا ہاتھ ایسے بِل یا سوراخ میں نہیں ڈالتا جس بِل یا سوراخ میں اسے یقین ہو کہ سانپ موجود ہے اور نہ کوئی ایسی چیز کھاتا ہے جو اسے معلوم ہے کہ زہر ہے۔ اس قسم کی خطرناک چیزوں سے بچنے کے لئے کسی کفارہ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی وہ اس کی ضرورت سمجھتا ہے کہ ان برائیوں سے بچانے کے لئے کوئی صلیب پر اپنی جان دے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اسے اس بات کا یقینی علم ہو کہ فلاں چیز میں خطرہ ہے اور اس چیز سے بچنے کے لئے بس اسی قدر کافی ہے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر ہلاکت میں نہیں کودتا۔ مریض بھی ایسی غذا سے پرہیز کرتا ہے۔ کہ جس کے کھانے سے وہ جانتا ہے اس کی جان کو خطرہ ہے"۔

لیکن مولانا محمد علی بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ برائی کا محض جاننا ہی کافی نہیں ہے۔ اور روزمرہ کی زندگی کے واقعات کا مشاہدہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اس لئے آپ اس سوال کے جواب کی طرف رجوع ہوتے ہیں کہ انسان جان بوجھ کر گناہ میں کیوں گرتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

" اس کا جواب صاف ہے۔ ایسے شخص کو گناہ سے نقصان پہنچنے کا ایسا پختہ یقین نہیں ہے جیسا کہ ان مادی اشیاء مذکورہ کے بارے میں اسے یقین

ہے۔ اس لئے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انسان کو گناہ سے بچانے کے لئے
جس چیز کی ضرورت ہے وہ کفارہ نہیں بلکہ خدا کی ہستی کے پختہ ایمان اوراس
مضبوط یقین کی ضرورت ہے کہ خدا کے خلاف گناہ کرنا انسان کے حق میں زہرہ
قاتل ہے۔ اگر اس کے دل میں یہ ایمان اور یقین پورے طور پر مسلط ہوجائے تو
وہ گناہ سے یقیناً اس طرح بھاگے گا جیسے وہ زہریلے کیڑے سے بھاگتا ہے۔ یوں
ہم نے ثابت کردیا اوراس میں ذرا بھر شک کی اب گنجائش نہیں رہتی کہ جس
دلیری سے لوگ گناہ کرتے ہیں اس کا سبب خدا پر اور اس کا بدلہ دینے پر ایمان
کی کمی یا اس کی کمزوری ہے"۔

اب اس ساری بحث کے خاتمہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ جس بات کو ثابت
کرنے کی کوشش کی گئی تھی ہم اس سے ذرا بھی آگے نہیں بڑھے بلکہ یہ مغالطہ
بُرہان دَوری کی ایک عمدہ مثال ہے غرضیکہ دعویٰ کے ثبوت میں جو دلیل
پیش کی گئی ہے وہ خود محتاج ثبوت ہے۔ اور درحقیقت کل دلائل مذکورہ کا
لب لباب یہ ہے کہ اگر گنہگار کو یقین آجائے کہ زندہ خدا اسے جہنم میں ڈالے گا
تو محض اس عذاب کے ڈر سے وہ خدا کی اطاعت کرنے لگے گا۔ مگر کیا گنہگار واقعی
اس ڈر سے خدا کی فرمانبرداری کرتا بھی ہے؟

اب ہم نجات کے متعلق ایک اور اسلامی نظریہ پر غور کرینگے جس کی یہ
تعلیم ہے کہ نجات حاصل کرنے کی خاطر انسان کی فطرت ایک شفیع کی متقاضی
ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے ایک رسالہ عصمت انبیاء کے دیباچہ میں
اس موضوع پر بحث کی ہے۔

مرزا صاحب یہ بحث کرتے ہوئے ہر شخص کسی مضبوط اور قومی بازو
کی مدد کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے جواسے جہالت اور شہوانی خواہشات
اور بار بار کی آزمائشوں سے بچا کر گناہ سے آزادی حاصل کرنے کے قابل بنادے۔
فرماتے ہیں کہ " اس کا سبب یہی ہے کہ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے اوراس
لئے وہ اپنی کمزور فطرت پر ایک لمحہ کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرسکتا"۔۔۔۔
ضمیر کی آواز باربار ہماری توجہ ہماری افسوسناک ناکامیابیوں اور پھر کسی
برتر ہستی کے ذریعہ حاصل کرنے کی طرف منعطف کرتی رہتی ہے"۔

اب اس معاملہ میں خدا کا کیا م ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں" قادر
مطلق خدا اپنی قدوسیت اورمنزہ وپاکیزگی کے عرش پر بلندی میں متمکن ہے۔
اور بنی نوع انسان گروہ کے گروہ وہ خطا کی گندی نالیوں اورتاریکی کے گڑھوں
میں ڈوبے پڑے ہیں۔ چونکہ خدا کی منزہ پاکیزگی اورانسانی گندگی میں کسی طرح
بھی مشابہت نہیں پائی جاتی ہے۔اس سبب سے عوام الناس کی حالت ایسی
نہیں ہے کہ خدا کے فضل کو خود حاصل کرکے اپنی کوششوں سے نجات
پاسکیں۔ اگرچہ فطرتاً یہ فضل انسان کے لئے قابل حصول ہے۔ اس لئے الہٰی
حکمت اورر حمت نے یہ مقدر کیا ہے کہ چندایسے کامل اشخاص جنہیں قدرت
نے باقی تمام نوع انسان سے بڑھ کر خوبیاں ودیعت کی ہیں۔ وہ خدا اور عوام

الناس کے درمیان بطور درمیانی خدمت انجام دیں۔ اس قسم کے لوگوں کو فطرت نے الہیٰ صفات اور انسانیت کے عمدہ ترین اوصاف سے پورے طور پر متصف کیا ہے ۔ اور یوں الہیٰ باتوں کو اپنے اندر حاصل کرنے کی استعداد کے باعث وہ آسمانی فضل کو اپنے لئے حاصل کرتے اور خدا کی برکتوں کو اپنے واسطے طلب کرتے ہیں اور پھر دوسری طرف اپنی انسانی صفات کے باعث وہ ان فضل اور برکتوں پر جو انہوں نے اوپر سے حاصل کی ہیں اپنے ہم جنس انسانوں تک پہنچا سکتے ہیں ۔ روح القدس ان کے دلوں پر اُوپر سے نازل ہوتا ہے اور وہ دوسروں میں روح بھرتے ہیں"۔

مرزا صاحب آگے چل کر بیان کرتے ہیں کہ شفیع[1] کے لئے بے گناہ ہونا ضروری ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

" شفاعت کرنے والے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ دوہرا تعلق ہے اوراس امر کی سچائی پر عقل خود شاہد ہے ۔ ایک طرف تو شفاعت کرنے والے کا خدا کے ساتھ نرالا تعلق ہونا چاہیے اور دوسری طرف انسان کے ساتھ اسے گھری ہمدردی ہونی چاہیے ۔ صرف یہی ایسی چیزیں ہیں جو ایک شخص کو خدا کے پاس انسان کی شفاعت کرنے کے لائق بناسکتے ہیں"۔ ہمارے مقدس پیغمبر قربت الہیٰ کی تمام فضیلتوں کو حاصل کرکے اورظہور الہیٰ کا پورا حصہ لے کر اور کل اخلاقی صفات الہیٰ سے آراستہ ہو کر (معراج سے) انسانیت کی طرف لوٹ آئے ۔ اور دوسری طرف تمام خوبیوں اور انسانیت کے پاک اوصاف جیسے ہمدردی اور بنی نوع انسان کی محبت حاصل کرنے کے بعد آپ نے اپنی فطرت کے دوسرے پہلو کی کمالیت کو بھی حاصل کیا----- اور یوں آپ نے خدا اور انسان کے درمیان مقام حاصل کیا------ اس لئے اس مقدس ہستی کے اندر شفیع کے دونوں اوصاف موجود تھے"۔

راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا گروہ نہ صرف حضرت محمد کی شفاعت پر بھروسہ رکھتا ہے ۔ بلکہ اعمال حسنہ کے وسیلہ نجات پانے پر بھی ایمان رکھتا ہے اوراس موخر الذکر وسیلہ نجات کے متعلق قرآن میں کافی حوالے موجود ہیں ۔مثلاً۔

" ایمان والے اپنی مراد کو پہنچ گئے اوروہ لوگ ہیں جو اپنی نمازیں عاجزی کرتے اور وہ جو نکمی باتوں کی طرف رخ کرتے اور وہ جو زکواۃ دیا کرتے اورجو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ----اوراپنی امانتوں اوراپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے اور وہ جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں۔ یہی لوگ اصلی وارث ہیں۔ جو بہشت بریں کی میراث پائینگے۔" سورۃ المومنون آیات ۱ تا ۱۱ ۔

" اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اورحاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اورایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے"سورۃ البقرآیت ۲۷۳ ۔

[1] مرزا صاحب نے الفاظ شفیع اور درمیانی بطور مترادف استعمال کئے ہیں۔

" جن کے نیک عملوں کا پلہ بھاری نکلیگا تویہی لوگ بامراد ہونگے اورجن کے نیک عملوں کا پلہ ہلکا ٹھہریگا تویہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں آپ برباد کرلیاکہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے "۔ سورۃ المومنون آیات ۱۰۴ تا ۱۰۵۔

مذکورہ بالا ہدایتوں کے علاوہ قرآن میں جا بجا خدا پر توکل کرنے اور حضرت محمد کی فرمانبرداری کرنے کی بھی تائید کی گئی ہے۔ مثلاً۔

" جو شخص اللہ اوراس کے رسول کا حکم مانے اوراللہ سے ڈرے اوراس کی نارضامندی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ آخر کار اپنی مراد کو پہنچینگے "۔سورۃ النور آیت ۵۱۔

" اورجو لوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل بھی کئے اورجو محمد پر نازل ہواہے اس پر بھی ایمان لائے اور وہ برحق ہے اوران کے پروردگارہی کی طرف سے نازل ہواہے خدانے ان کے گناہ ان پر سے اتاردیئے اوران کی حالت بھی درست کردی"۔ سورۃ محمد آیت ۲۔

مسئلہ نجات پر مسلمانوں کی متضاد رائیں

مسلمانوں میں نجات کے اہم مضمون کے متعلق متضاد رائیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی اپنی انگریزی تفسیر القرآن کے فائدہ نمبر ۱۵۶ میں ذیل کی آیت کو نجات کی قرآنی تعلیم کا خلاصہ قرار دیتے ہیں۔

" ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اوروہ احسان کرنے والاہے تواس کا اجراس کے رب کے پاس ہے اور اان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے"۔ سورۃ البقر آیت ۱۰۶۔

اورپھر فرماتے ہیں کہ یہی اور صرف یہی قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق نجات ہے ۔ مولانا موصوف کی نئی کتاب ریلیجن آف اسلام(مذہبِ اسلام)سے بھی ان کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اس آٹھ سو صفحہ کی کتاب میں نجات کا ذکر صرف چند سطروں میں کیا گیاہے ۔مگر اپنے انگریزی قرآن میں سورۃ الشمس کی آیت ۱۰ کی تشریحی نوٹ نمبر ۲۷۴۶ میں لکھتے ہیں کہ " قرآن کا قانون نجات یہ ہے کہ وہ چیز جس کے وسیلہ انسان نجات حاصل کرسکتا ہے وہ اس کی روح کا تمام برائیوں سے پاک ہونا ہے"۔ اورپھر سورہ مریم کی ۹۳آیت کے تشریحی نوٹ نمبر ۱۵۷۱ میں آپ فرماتےہیں کہ" اس سورۃ میں جس بات پرخاص زوردیا گیاہے ۔ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کسی گنہگار کی معافی کے لئے خدا کوئی مبادلہ نہیں چاہتا اوراس سے کفارہ کی تعلیم کی تردید ہوتی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کی بنیاد ہے"۔

جنوری ۱۹۳۱ء کے نگار میں لکھنوسے شائع ہوتاہے ایک دقت طلب استفسار شائع ہوا تھا جس میں یہ دریافت کیا گیا تھاکہ کون ناجی اور کون ناری ہیں۔ اس استفسار کی صورت کچھ اس قسم کی تھی جو حسب ذیل ہے۔ جنوری ۱۹۳۱ء کا نگار ہمارے سامنے نہیں ہے اس لئے استفتاء کو بعینہ نقل

کرنے سے ہم معذور ہیں لیکن ذیل کا بیان مئی ۱۹۳۷ء کے نگار اور اس کتاب کی انگریزی اصل پر مبنی ہے۔

ان دو شخصوں میں سے کون ناجی ہے اور کون ناری

ایک پیدائشی مسلمان جو پابند صوم وصلواۃ ہے بلکہ تہجد کی نماز بھی پڑھتاہے اور دیگر وظائف میں بھی مصروف رہتاہے۔ مگراس کی عملی زندگی مکروفریب، برائی کرنے اور جھوٹ بولنے اور دوسروں کے برا چاہنے اور لوگوں سے نفرت کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ یا

ایک برہمن جو پیدائشی کافر اور مشرک ہے اور رات دن مورتیوں کی پوجا کرتا ہے ۔لیکن اپنی روزمرہ کی زندگی ہم جنسوں کی خدمت، یتیموں کی خبر گیری اور بیواؤں کے مدد کرنے میں بسر کرتا ہے۔ اورجماعت کے لئے باعث خیرو برکت ہے۔

ایڈیٹر نگار نے اس استفتاء کی نقلیں ہندوستان کے بڑے تیئس علما کو بھی جو ہندوستان کے مسلمانوں میں آسمانِ مذہب کے درخشاں ستارے سمجھے جاتے ہیں جن میں سے صرف سولہ نے جواب دیا۔ ان جوابات پر انتقادی نظر ڈالتے ہوئے ۔ مدیر موصوف نے جو نوٹ لکھا تھا اس سے پتہ چلتاہے کہ بارہ علماء نے نہایت صفائی اور پورے رسوخ ویقین کے ساتھ حکم لگایا ہے کہ مسلمان چاہے کچھ کرے بہر حال اسے ناجی ہونا ہے۔ بشرطیکہ ایمان پراس کا خاتمہ ہو اور بُت پرست کافر کتنا ہی اخلاق کا اچھا کیوں نہ ہو اس کا ناری ہونا یقینی ہے۔ دو نے اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ناری اور ناجی ہونے کے متعلق وہ لب کشائی نہیں کرسکتے اس کا علم مالک الملک کو ہے باقی رہ گئے دو جن میں ایک تو مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ہیں جن کا جواب بھی مسلمان کے حق میں ہے۔ آپ کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں ناری ہیں لیکن مسلمان بخشا جائیگا۔ اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ۔ دوسرے مولانا اشرف علی صاحب ہیں انہوں نے ایڈیٹر نگار کے بیان کے مطابق نہ صرف جواب دینے سے احتراز کیا۔ بلکہ اس کی بھی کوشش کی کہ ان کی شخصیت کا پتہ نہ چلے کیونکہ نہ انہوں نے جواب میں دستخط ثبت فرمائے اور نہ مقام درج کیا۔ مگر ڈاکخانہ کی مہر سے پتہ لگ گیا کہ یہ جواب آپ ہی کا ہے ۔ جواب کے الفاظ یہ ہیں " ۔ سوال تنقیح طلب جو تحریر سے خالی از تکلیف نہیں۔ ایسے سوال کا جواب زبانی ہوسکتا ہے"۔

اس استفتاء کے اوپر انتقادی نظر ڈالتے ہوئے جو کچھ لاہور کے احمدی رسالہ لائٹ نے لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

" اول تو یہ سوال جس پیرائے میں کیا گیا ہے اصل مطلب سے دور لے جاتاہے ۔ اسلام میں کوئی ایسی چیز جسے نجات[1] کہتے ہیں نہیں ہے۔ یہ عیسائی تصور ہے جواسلام میں داخل ہوگیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ اس زندگی کی طبعی حالت ہے اور گناہ کو دور کرنا زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے ۔ مگر یہ غلط

---

[1] یہ قابلِ غور بات ہے کہ لفظ نجات قرآن میں صرف ایک مقام یعنی سورۃ المومن آیت ۴۲ میں آیا ہے۔

ہے اور عیسائیوں کی اس اصولی غلطی کی اصلاح کرنا اسلام کا مقصد ہے۔ اسلام ہر انسان کوخواہ وہ مسلم ہویا غیر مسلم پیدائش ہی کے وقت نجات دیدیتا ہے۔ پیغمبر کے ایک قول کے مطابق کل بچے مسلمان پیدا ہوتے ہیں اور یوں زندگی کے شروع ہی میں نجات دیدی جاتی ہے۔ اب ہمارا فرض یہ ہے بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ہماری زندگی اور مذہب کا مقصد یہ ہے کہ اس زندگی میں چند اصول کی پابندی کرکے انسان اپنی زندگی کو ترقی دے کر انتہائی عروج تک پہنچادے"۔

ایک اور مرتبہ اسی رسالہ لائٹ نے یہ بیان شائع کیا تھا کہ اسلام سکھاتاہے کہ پاک اور نیک زندگی ہی بہشت کو پہنچاتی ہے۔ احمدی جماعت کا یہ قول ان کے اس بیان کے مطابق ہے جواسی رسالہ لائٹ میں شائع ہوا تھا کہ لاہور کی انجمن احمدیہ یہ مانتی اوراس کا اعلان کرتی ہے کہ مسلمان وں میں اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی طبیعت پیدا کرنے کی استعداد موجود ہے۔ لیکن ایڈیٹر کے اس بیان کے خلاف ایک مسلمان نے احتجاج کے طور پر یہ لکھا تھا کہ یہ کہنا کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق اخلاقی اعتبار سے پاک زندگی بسر کرنا اورخدا کی توحید پر ایمان نہ رکھنا نجات کا حقدار بناتاہے بالکل مہمل ہے۔ بہر حال اسی قسم کا بیان چند سال ہوئے ایک خط کے جواب میں اسی رسالہ لائٹ نے شائع کیا تھاوہ افسوسناک خط یہ ہے کہ جسے بغداد کی ایک مایوس لڑکی نے لائٹ کے ایڈیٹر کو لکھا تھا۔

" میں بیس برس کی لڑکی ہوں اور بارہ برس کی عمر سے ان سارے گناہوں کی مرتکب ہوچکی ہوں جن کا آپ تصور کرسکتے ہیں۔ درحقیقت زندگی کے درخت کے ہر پتے کا ذائقہ چکھ چکی ہوں افسوس مرنے کے بعد میرے لئے سوا جہنم کے اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں خلوصِ دل سے دریافت کرتی ہوں کہ نجات پانے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے ۔میں یہ سوال ایک رومن کیتھولک پادری سے کرچکی ہوں ۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے توبہ کرنی چاہیے ۔لیکن درحقیقت یہ ہے کہ میں توبہ نہیں کرسکتی ۔ کیونکہ جو کچھ میں نے کیا اگرچہ وہ گناہ تھے تو بھی میں ان کا لطف اٹھاچکی ہوں۔ اب آپ مجھے صلاح دیجئے کہ جہنم سے بچنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے"۔

یہاں پھر یہ اہم سوال درپیش ہے کہ اسلام اس قسم کی مشکلات کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ مذکورہ بالاسوال کا جوجواب دیا گیا تھا حسب ذیل ہے:

ایک نیا صفحہ الٹو اور اب سے نیک زندگی بسر کرو، صرف اسی سے گذرے گناہ دھُل سکتے ہیں۔ یہی صرف حقیقی کفارہ ہے۔ قرآن یقین دلاتا ہے کہ صرف نیک اعمال سے گناہ دور ہوجاتے ہیں۔ سورہ ہودآیت ۱۱۶۔

لیکن اس بیکس لڑکی کوضرورت اس بات کی تھی کہ گناہ کی محبت اس کے دل سے نکال ڈالی جائے اوراس کا کوئی علاج اسے نہیں بتایا گیا۔ کیااس کے بعد کوئی واقعی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسلام میں نجات کے طریقہ کی حقیقی پہچان پائی جاتی ہے۔

اسلامی مسئلہ نجات پر اس تبصرہ کو ختم کرنے سے قبل مولانا محمد علی کی تصنیف سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جو چند سال ہوئے ایک رسالہ میں شائع ہوا تھا۔

" حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی اپنے اعمال سے نجات نہیں حاصل کرسکتا ۔ نجات صرف خدا کے فضل سے ملتی ہے"۔ مولانا موصوف کا یہ قول بیشک سچائی کا ایک وجدانی علم ہے۔

اس اسلامی مسئلہ نجات کے انتقادی تبصرہ نے اور کچھ نہیں توکم از کم ایک بڑی ضرورت اور پھر ایک کارِ عظیم کا احساس ہم میں پیدا کردیا ہے یعنی اس سلسلہ میں مسلمانوں کی ایک نہایت ہی اہم خدمت ہے جو ہم پر فرض ہے۔ یہ کارِ عظیم خدا کی صفات کو اس دائرہ سے جہاں اسلام نے رکھا ہے نکال کر بلند کرنا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ خدا کی قدوسیت ، راستبازی اور محبت پر زور دے کر جیسا کہ ہم پچھلے باب میں ظاہر کرچکے ہیں ۔ ہم مسلمانوں کی رہنمائی کریں کہ وہ خدا کے وجود کا ایک بہتر تصور ماننے لگیں۔ خدا کا اسلامی تصور اس قدر ناقص ہے کہ مسلمان انسان گناہ اور نجات کے متعلق سچائی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بالخصوص یہی وجہ ہے کہ وہ گنہگار انسان کے لئے سیدنا عیسیٰ مسیح کے حقیقی مطلب کو نہیں سمجھ سکتے۔

اس کے علاوہ ہماری اس خدمت کی بھی ضرورت ہے کہ ہم مسلمانوں کی مدد کریں کہ وہ خدا کی معافی کی کیفیت اور اس بھاری قیمت کو پہچان لیں جو خدا کو ہمیں معاف کرنے کے لئے ادا کرنی پڑی اور اگرچہ بہتیرے مسلمان گناہ کی معافی حاصل کرنے کے لئے سچی توبہ کی ضرورت کے قائل ہیں توبھی ہم ان کی اس معاملہ میں بھی مدد کریں کہ وہ جان لیں کہ حقیقی توبہ خدا سے معافی حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے۔

اس خدمت کے سلسلہ میں ہم مسلمانوں پر ظاہر کرسکتے ہیں کہ انسان کو جس قدر زیادہ اس کے گناہ کا احساس ہوگا اسی قدر اس کی توبہ بھی سچی ہوگی(لوقا ۷ باب آیت ۴۷)اوراس طریقہ سے ہم دکھاسکتے ہیں کہ صرف سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت کی حقیقت اوراس کے مطالب اور مقاصد پر دھیان کرنے سے ہی خدا کا زیادہ موزون تصوراور گناہ کا سچا مفہوم حاصل ہوتا ہے ہمارے لئے یہ باعثِ افسوس ہے کہ اس واقعہ پر دھیان کرنے سے جو مدد ملتی ہے مسلمانوں کی اس قدر بڑی تعداد اس کا انکار کرنے کے باعث اس مدد سے اپنے آپ کو محروم رکھتی ہے۔

تو پھر نجات کا حقیقی مطلب کیا ہے

بغدا کی لڑکی کی التماس مذکورہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے خیال میں نجات دوزخ کی آگ سے بچ نکلنے کا نام ہے۔ اوریہی خیال مسلمانوں کے علاوہ اور بھی بہتیرے لوگوں کا ہے توبھی اصل حقیقت یہ ہے کہ نجات کے متعلق بڑا مسئلہ جہنم سے بچ نکلنے کا نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ جہنم سے بچ جانے کی ضرورت پر ہی پورا زوردیتے ہیں ۔ بلکہ انسان کی گنہگار فطرت کا بدل جانا اور

جس خدا سے گناہ کے باعث برگشتہ ہوگیاہے اس سے میل کرلینانجات ہے غرضیکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان کی جسمانی اوراخلاقی فطرت پاک وصاف کی جائے اور صحیح راستہ پر لگائی جائے۔ عام طورپر ہر انسان کو گناہ ستاتارہتاہے اوراس لئے اس کی دماغی اورروحانی حالت میں انتشار رہتاہے ۔اس لئے اسے کسی نئی محبت کی ضرورت ہے جواس قدر زور آور ہو کہ اس کی زندگی سے گناہ کی خواہش کو دور کرکے اس کی زندگی میں ہم آہنگی یا اتحاد پیدا کردے۔کتبِ مقدسہ کی ساری تعلیم کا مضمون ہی یہی ہے لیکن قرآن کا یہ مضمون نہیں ہے۔

اس موقعہ پر نہ صرف مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سمجھادینی چاہیے بلکہ خود ہمیں بھی یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ خدا سے میل کرنے کے لئے خدا کو منانے کی ضرورت نہیں ہے ۔وہ اس جدائی کومٹانے کاآرزومند ہے کیونکہ خدا ہمیشہ سے محبت ہے۔ یوحنا باب ۳آیت ۱۶ ۔خدا نے جہان سے ایسی محبت رکھی ۔اوراس لئے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنے آپ کو قربان کرکے گویا خدا کو جو ناراض تھا اس سے انسان کے لئے معافی حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیب نے انسان کے متعلق کے خیال کو نہیں بدلا بلکہ انسان کے متعلق خدا کے ازلی خیال کو ظاہر کیا۔

اس خیال کے برعکس کہ خدا کومنانے کی ضرورت ہے یہ کہنا بجاہے کہ اس میل ملاپ کی راہ میں انسان روکاوٹ کا باعث ہے کیونکہ وہ ضدی اور باغی اور گناہ کی غلامی میں گرفتار ہے۔

بہ حیثیت مسیحی ہونے کے ہم مانتے ہیں کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہر شخص جو دنیا میں پیدا ہوتاہے اس کے اندر اس بات کی خداداد استعداد موجود ہوتی ہے کہ وہ روح القدس کے اثر سے خدا کی طرف پھرے تو بھی اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اس کے اندر خود غرضی کی موروثی میلانِ طبع بھی موجود ہوتی ہے جو تمام گناہوں کی جڑہے۔ تجربہ سے حتیٰ کہ مسلمان کے تجربے سے بھی اس کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔اس لئے نجات کے مسئلہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ کس طرح خدا کے دل کو انسان کی طرف تبدیل کیا جائے بلکہ کس طرح انسان میں ایسی تبدیلی پیدا کی جائے کہ خدا کے ساتھ جو آسمانی باپ ہے میل ملاپ کرنے کی اس میں آرزو پیدا ہوجائے۔ جب اس بڑی حقیقت کا ہم سامنا کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتاہے کہ مسلمان جب کہتے ہیں کہ ایسی الہیٰ مداخلت کی جسے کفارہ کہتے ہیں ضرورت نہیں تو وہ واقعی اصل حقیقت سے کس قدر دور ہیں؟

اس موقعہ پر گناہ کی اصل حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔ صحیح معنوں میں گناہ پاک اور پُرمحبت خدا کی پیش کی ہوئی پیار کی طرف انسان کا مخالفانہ رحجان اوراس کی مرضی سے لاپروائی کا اظہار ہے ۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کی تعلیم میں مصرف بیٹے کی لاثانی تمثیل سے (لوقا ۱۵ باب آیت ۱۱ تا ۳۲)

گناہ کی کیفیت اوراس کے نتائج پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ اس تمثیل کے ذریعہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹے کا قصور اتنا اس کے فعل میں نہیں تھاجتنا اپنے باپ کی طرف اس کی فرزندانہ طبیعت کے رحجان میں تھا۔ بلکہ اس امرمیں ہم سچائی کے زیادہ قریب ہونگے۔ اگر بجائے لفظ گناہوں کے جس سے مختلف گناہ کے افعال کا فرداً فرداً اظہار ہوتاہے۔ لفظ گناہ وسیع معنوں میں استعمال کریں جو شامل الکل ہے۔ یہ تمثیل بڑی صفائی سے اس حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے جواسلامی تعلیم کے خلاف ہے کہ گناہ کا سب سے بڑا نتیجہ انسان کا خدا سے یا یوں کہئے کہ بیٹے کا اپنے آسمانی باپ سے ستم انگیز طور پر جدا ہونا ہے۔

یہ جدائی اور جتنی باتیں اس میں شامل ہیں یہ گناہ کی سزا ہے اوراس سلسلہ میں کسی اور حقیقت پر اس قدر زوردینے کی ضرورت نہیں جتنا اس حقیقت پر کہ گنہگار کو اس کا گناہ خود سزا دیتا ہے اور وہ اس طور سے کہ گناہ انسان کو ذلیل اور برباد کرتاہے۔ اس سزا کا کچھ حصہ پہلے تو دوسرے لوگوں کو گنہگار میں یوں نظر آتاہے کہ اس کی روح بگڑجاتی ہے ۔اور وہ اپنی عزت آپ کھودیتاہے یہ جیتے جی ایک قسم کی موت ہے ۔ اوراس سزا کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جب گنہگار خود ہوش میں آتاہے تو ندامت کی سخت ایذا اور دماغ کی تکلیف دہ پریشانی سے اٹھانا پڑتی ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی شخص حتیٰ کہ رسمیہ طور پر سیدنا عیسیٰ مسیح پر ایمان رکھنے والا مسیحی بھی محض اس بنا پر کہ اس کے بچانے کے لئے مسیح نے صلیب پر اپنی جان دی ۔ گناہ کی اس مذکورہ بالا سزا سے بچ جاتاہے۔

ایسا کہنا اصل حقیقت کا مضحکہ اڑاناہے اور جنہیں خدانے بہتر سمجھ بخشی ہے وہ معلوم کرینگے کہ گنہگار کا اپنی گناہ کی شرم اور خدا سے اپنی جدائی کو محسوس کرنا ہی اس کے لئے کافی سزا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کس سزا کی اسے ضرورت ہے ؟

سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت کا گنہگار پر کیا اثر ہوتاہے

سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت کا انسان کی گنہگار طبیعت سے کیا تعلق ہے اور کن معنوں میں یہ موت اس کے لئے نجات کا باعث ہے ہم پہلے مختصر طورسے اس سوال پر غور کرینگے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت گنہگار کے لئے کیا نہیں کرتی اور نہ ہی کرسکتی ہے۔ ہم یہ تو بتاہی چکے ہیں کہ ایماندار جب کسی گناہ کا مرتکب ہوتاہے تو سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت اس کو اس گناہ کی واجبی سزا سے خواہ یہ سزا اخلاقی ہو یا سرکاری بری نہیں کرتی ۔ اور نہ اس کی معصومیت کو بحال کرسکتی ہے اور نہ ہی گناہ کے نتائج یا اثرات کو جو اسکے ذہن اور جسم میں ہوں مٹاسکتی ہے بیشک گنہگار اپنے گناہ کی معافی توحاصل کرلیتاہے مگر ہمیشہ کے لئے اپنے گذشتہ گناہوں کے تاسف کے باعث وہ فروتن رہتاہے تو بھی اس گناہ کے افسوسناک یاد اس کی روح کو گناہ کی طرف سے ایسا حساس بنادیتی ہے کہ گناہ کی ادنیٰ نزدیکی سے بھی وہ چوکنا ہوجاتاہے۔

غرضیکہ اگر بعض باتیں ایسی ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت بھی نہیں کرسکتی خدا کا شکر ہے کہ تو بھی ہماری ضرورت کے وقت ہمیں خدا کا فضل

ملتاہے جس سے ہمارے گناہ کے بد تریں نتائج میں تخفیف ہوجاتی ہے اور گناہ کے ثمرات کو ایسی نایاب چیز میں یہ الہیٰ فضل بدل دیتا ہے جواور کسی صورت میں ممکن نہیں۔ ہم خدا کا شکر کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ گناہ کی عادت وطبیعت جب خدا کے فضل سے مغلوب ہوجاتی ہے تو بھلائی کا ایک حصہ بن جاتی ہے اور پھر بھلائی ہماری زندگی میں بغیر اس فتح یابی کے جیسی کچھ اب ہے نہیں ہوسکتی تھی۔

یہ موت خدا کا چنا ہوا طریقہ ہے

جب ہم اپنے سلسلہ کلام میں اس موقعہ پر پہنچ گئے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت کا خاص مطلب جو گنہگاروں کے حق میں ہے بلا کسی قید کے بیان کرسکیں۔ گنہگار کے ساتھ اپنا میل کرانے کے لئے یہ خدا کا چنا ہوا طریقہ ہے جیسا پاک کلام میں لکھا ہے "۔ مسیح میں ہو کر خدا نے اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کررہا تھا" ۲ کرنتھیوں باب ۵ آیت ۱۹ ۔ اس لئے گنہگار انسان کے دل کو تبدیل کرکے خدا کے پاس لانے کا بہترین ذریعہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیبی موت ہے۔ یہ موت جیسا کہ بعض مسیحی مصنفین کا بھی بیان ہے۔ قرض ادا کرنا یا خدا کو بدلہ دینا یا انصاف کے تقاضہ کو پورا کرنا نہیں ہے۔ گویا خدا کا قانون خدا سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ نہیں۔ بلکہ خدا خود اس معاملہ میں پیش قدمی کرتا ہے انسان کا خدا کے پاس جانے سے بڑھ کر بڑی حقیقت یہ ہے کہ خود خدا انسان

کے پاس آتا ہے۔ یعنی سیدنا عیسیٰ مسیح میں ہو کر اورآپ کی صلیبی موت میں خدا ہمارے پاس آتا ہے تاکہ ہمیں کثرت کی زندگی بخشے۔

سب سے پہلی بات اس موت کے متعلق یہ ہے کہ اس میں تین بڑے حقائق کا مکاشفہ پایا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ خدا کا دکھ بھرا دل------ یعنی کوہ کلوری کے دکھ جیسی حقیقت ازلی خدا کے دل میں موجود ہے۔

۲۔گناہ سے خدا کی نفرت اورخدا کی پورے طورپر اس سے بیزاری---۔ کیونکہ خدا پاک ہے اورچونکہ یہ اس کے فرزندوں کی ہلاکت کا باعث ہے خدا کو گناہ سے نفرت ہے دیکھو یسعیاہ باب ۱ آیت ۱۴ ۔

۳۔ اپنے کھوئے اور بھٹکے ہوئے فرزندوں کے لئے خدا باپ کی پُراشتیاق انتظاری------۔سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیب میں جس محبت کا اظہار ہوتا ہے وہ خدا کی اپنی ہی محبت ہے (دیکھو رومیوں باب ۵ آیت ۸)۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ دکھ جو صلیب پر دکھائی دیتا ہے اگرالہیٰ نہیں ہوتا تو پھر خدا کے ساتھ انسان کے تعلق میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے یہ مفید نہیں ہوسکتا تھا بعض اوقات اگرچہ خدا کا بیان ایسے الفاظ میں کیا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ہر قسم کے احساس سے کہیں اعلیٰ وبالا ہے تو بھی ہمارا ایمان ہے کہ خدا کی ذات میں کوئی نہ کوئی ایسی بات موجود ہے جسے انسان کے ساتھ خدا کی دلچسپی کہہ سکتے ہیں۔ جس کے باعث ہم اس کی نظر میں قابل

تمنا سمجھے جاتے ہیں اور جو اپنے آپ کو ہم تک پہنچانے اور ہماری محبت کو قبول کرنے کی آرزومند ہے۔ اور جب یہ دلچسپی انسان کی لگاتار سرکشی یا بے اعتقادی کے باعث اس رفاقت کو نہیں پاتی تو خدا کو وہ تجربہ ہوتا ہے جسے الفاظ کی تنگی کے سبب دکھ کا احساس ہی کہہ سکتے ہیں ۔ یہی وہ خیال ہے جس کی تائید سیدنا عیسیٰ مسیح کی صلیب سے ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی موت سے انسان کے عوض اس کا قرض ادا نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے قانونِ انصاف کے تقاضہ کو پورا کیا تو انسان کے متعلق خدا کی دلی کیفیت کے اظہار کرنے کے علاوہ آپ نے کون سا اور کام اپنی موت سے پورا کیا۔ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہینگے کے نئے عہد نامہ کی تعلیم کا خلاصہ اگر صرف ایک جملہ میں پیش کرنا چاہیں تو یہ کہینگے کہ آپ نے ہماری خاطر دکھ اٹھایا۔ملاحظہ ہو پاک کلام کی یہ آیتیں۔

" مسیح نے اپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالہ کردیا۔(گلتیوں باب ۲آیت ۲۰)۔

" مسیح بھی تمہارے واسطے دکھ اٹھا کر تمہیں ایک نمونہ دے گیا"۔ (۱ پطرس باب ۲آیت ۲۱)۔

" وہ آپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لئے ہوئے صلیب پر چڑھ گیا"(۱ پطرس باب ۲آیت ۲۴)۔

خدا نے نجات بخش مقصد کو مدِ نظر رکھ کر جو کچھ مسیح میں پورا ہوا یہ بات لازمی معلوم پڑتی ہے کہ انسانی تجربہ جو لوگوں کے گناہ کی قید میں آچکا ہے خدا کے بیٹے کا شخصی تجربہ اس حیثیت سے بن جائے کہ یہ تجربہ بیرونی طور سے مشاہد کی بات نہ ہو بلکہ آپ کا باطنی احساس ہو۔

کوئی اس مضمون کا حق ادا نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی پورے طور پر اسے بیان کرسکتا ہے ۔ تو بھی مسیح نے جو دکھ صلیب پر اٹھایا اور جس معنی میں یہ دکھ ہمارے لئے تھے ہم انہیں کچھ حد تک سمجھنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔

آپ نے اس معنی میں دکھ سہا کہ انسان کے گناہ کے شرم کی آپ نے برداشت کی۔ اس شرم کا اظہار ایک محدود پیمانہ پر اس وقت ہورہا تھا۔ جب سپاہی آپ کا ٹھٹھا اڑارہے تھے ،آپ پر تھوک رہے تھے۔ اور آپ کو کوڑے ماررہے تھے اور آپ کو برہنہ کیا گیا تھا۔

آپ نے اس معنی میں بھی دکھ اٹھایا کہ آپ نے گناہ کی وہ حالت دیکھی جو پیشتر کبھی کسی کے مشاہدہ میں نہیں آئی تھی۔یعنی آپ کی نگاہ میں گناہ کی وہی اصلیت تھی جو خدا کی نگاہ میں ہے۔ یعنی کہ گناہ خدا کی پاک محبت کی توہین اور انسان کی روح کر بربادی ہے۔

آپ نے اس طرح بھی دکھ اٹھایا کہ آپ کی پاک روح نے گناہ سے اس طرح ٹکر کھائی کہ اس کی ساری حیوانیت آپ کے سامنے آگئی اور آپ نے اس سے پوری نفرت دکھا کر اسے مردود قرار دیا ۔ اور جس طرح اپنے بپتسمہ کے موقعہ

پر اسی طرح اپنی صلیبی موت کے وقت بھی آپ نے بحیثیت ابن آدم کے اپنے آپ کو پست کیاتا کہ گنہگار انسان کے زمرہ میں آپ شمار کئے جائیں۔

علاوہ اس کے آپ نے اس امر میں بھی دکھ سہا کہ انسان کے گناہ کے تلخ نتیجہ کی بھی آپ نے برداشت کی یعنی اپنے آسمانی باپ کی جدائی کے احساس کی ہولناک ایذا آپ صلیب پر سہہ رہے تھے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہے آپ نے اپنے عزیز باپ کی پیاری قربت کے احساس کے موقوف ہوجانے کی تکلیف برداشت کررہے تھے۔ ہاں آپ کی حالتِ تنہائی کی سخت ترین تکلیف کے باعث ہی تو تھا کہ جبراً آپ کے دل سے ۲۲ ویں زبور کے یہ الفاظ بیساختہ پکار کی صورت میں نکل پڑے۔ اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔(متی باب ۲۷ آیت ۴۶)۔

ان کے علاوہ اس پر بھی غور کیجئے کہ آپ کو دکھ کا تجربہ کن حالات کے تحت ہوا۔ یعنی ایسی زندگی بسر کرنے کے بعد جو دوسروں ہی کی خدمت میں گذری تھی اور پھر سب سے بڑھ کر دل پر سخت چوٹ لگانے والی بات یہ تھی کہ آپ ایسی قسم کی موت سے مارے گئے جو مجرموں کے لئے تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے دکھ کا پیالہ پورے کا پورا پیا۔

غرضیکہ آپ نے ہمارے لئے خدا کے سامنے ایک ایسی کامل انسانی زندگی کی قربانی گذرانی جو کچھ کے ذریعہ کامل کی گئی تھی اور یہ ایسی قربانی تھی جو خدا کو پسند آئی لیکن باپ اور بیٹے کے درمیان اس معاملہ میں کوئی افتراق نہیں تھا

جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ کیونکہ مسیح میں ہو کر خود خدا ہی نے اپنے آپ کو پست کیا تا کہ جھک کر ہمیں برکت دے۔

سیدنا عیسیٰ مسیح ہمیں کس طرح نجات دیتے ہیں

اگرہم اس بات کا صحیح اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ خدا کی نگاہ میں ہمارے گناہ کیا ہیں۔ توہمیں چاہیے کہ صلیب کی روشنی میں اس کا مطالعہ کریں۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کے دکھ اٹھانے کا کیا مطلب تھا۔ اس کے اندازہ لگانے کی ہم کوشش کرچکے ہیں ۔ اورہم نے یہ بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے ک خود خدا کا اس سے کیا مقصد تھا اوراس کی نگاہ میں اس کی کیا حیثیت تھی جب روح القدس مسیح کے ان دکھوں کو ہم پر ظاہر کرتاہے تواس کا اثرہماری زندگی پر پڑتاہے۔ یعنی جب روح پاک کی مدد سے ہم ان سختیوں اوراذیتوں پر غور کرتے ہیں جو ہمارے گناہ کے سبب آپ کو برداشت کرنی پڑی توہم سمجھنے لگتے ہیں کہ گناہ کیا ہے اور تب ہماری زندگی تبدیل ہونے گئی ہے۔

یعنی یہ غمناک واقعہ :

انسان کے دل پر چوٹ لگا کر اس کے ہوش وحواس کو بیدار کردیتاہے یا یوں کہئے کہ مسیح کی صلیبی موت ہمارے دل میں گناہ کی طرف سے ایسی سخت نفرت پیدا کردیتی ہے کہ ہم گناہ سے سخت بیزار ہوجاتے ہیں اوراسی کو ہم گناہ کا قوی احساس کہتے ہیں۔

انسان کے سخت سے سخت دل کو بھی پسیج دیتا ہے جس سے انسان کے دل میں گناہ کے لئے تاسف پیدا ہوتا ہے۔

انسان کو خدا کے پاس واپس لاتا ہے اور اس کی پرانی زندگی راستبازی کی نئی زندگی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

ذیل کا صحیح واقعہ ہمارے اس بیان مذکورہ کی ایک عمدہ مثال ہے۔ ایک لڑکی جس کے والدین خداپرست تھے گناہ کی مرتکب ہوئی اور اپنے والدین کو اس معاملہ میں دھوکا دیا۔ یہ لڑکی ایسے گناہ کرنے پر راضی ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کی ماں نے بہت کوشش کی کہ لڑکی ماں پر بھروسہ کرکے اصل حقیقت کا اس کے سامنے اقرار کردے۔ لیکن لڑکی اپنے شرمناک فعل کا انکار ہی کرتی رہی۔ آخر کار بیٹی اپنی ماں کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس طبی معائنہ کے لئے جانے کو راضی ہوئی ۔ جب اصل حقیقت ظاہر ہوگئی اور ماں اور اور بیٹی گھر واپس آئیں ماں نے ایک لفظ بھی ملامت کی بیٹی کو نہیں کہا بلکہ رات کو سونے سے قبل حسب معمول شب بخیر کہتے ہوئے شکستہ دلی کے ساتھ بیٹی کو بوسہ دیا۔ دوسرے روز صبح کو جب بیٹی اپنی ماں سے ملی تو اس نے دیکھا کہ رات ہی رات غم میں اس کی ماں کے سر کے بال سفید ہوگئے ہیں۔ اگرچہ ماں نے ملامت یا خفگی کی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی تھی۔ لیکن تو بھی لڑکی نے آخر کار اپنے آپ کو اپنی ماں کی پاک نگاہوں سے دیکھا اور اپنی ماں کی اس محبت کی نظر سے دیکھا جس محبت نے اس کی خاطر تنہا دکھ اٹھایا تھا اور اس محبت کے نظارہ نے اس کا دل توڑ دیا اور دلی تاسف اور توبہ کے بعد کچھ برس گذرنے کے پر اس لڑکی کی زندگی تبدیل ہوئی اور آخر کار سیدنا عیسیٰ مسیح کی سچی اور وفادار خادمنہ بن گئی۔

غرضکہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی کے غمناک واقعہ سے انسان کے دل میں کچھ اسی قسم کا اثر پیدا ہوتا ہے جس سے خدا کے فضل اور اس کی قدرت کے لئے انسان کے دل میں موثر طور پر عمل کرنا ممکن ہوجاتا ہے ۔ اب وہ خدا کے پاس آکر اپنی زندگی اس کے سپرد کردیتا ہے اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی کا طالب ہوتا ہے ۔ کیونکہ اگر انسان خدا کی حضوری میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو اسے پہلے معافی کرنا ضرور ہے۔ خدا کی حضوری کی راہ اس سے پہلے مسدود تھی ۔ یعنی خدا کی مرضی کی انسانی مخالفت نے خدا اور انسان کے درمیان رکاوٹ پیدا کردی تھی ۔ لیکن دل کی اس تبدیلی کے باعث خدا کی قوت، بخش معافی انسان تک پہنچتی ہے جو اس رکاوٹ کو توڑ دیتی ہے ہم مانتے ہیں کہ خدا معاف کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔ چنانچہ عہد قدیم کی کتابوں میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں اس کی معافی کا ہمیں یقین دلایا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو یسعیاہ باب ۳۸ آیت ۱۷ " تونے میرے سارے گناہوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا"۔ اور پھر اسی کتاب کی ۴۳ باب کی آیت ۲۵ آیت میں ہے" میں ہی وہ ہوں جو اپنے نام کی خاطر تیرے گناہوں کو مٹاتا ہوں اور جو کہ تیری خطاؤں کو یاد نہیں رکھونگا"۔ اور اسی طرح ملاحظہ ہو میکاہ باب ۷ آیت ۱۸ ، ۱۹

توبھی خدا سے معافی ملتی ہے وہ صرف سچے تائب ہی کی زندگی میں کارگرہوتی ہے۔

اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس الہیٰ بھید کے متعلق بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں کہ جنہیں سمجھ نہیں سکتے لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ہمارے دل میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی سکونت کے سبب ہم گناہ کے قبضہ سے آزاد ہوجاتے ہیں ۔ آپ ہمارے پریشان حال اور شکست خوردہ زندگی میں بطور آقا کے داخل ہوتے ہیں اورہماری اندرونی کشمکش کو مٹا ہماری زندگی کی روش کو اس طرح بدل دیتے ہیں کہ آپ ہماری زندگی کے مرکز بن جاتے ہیں اورآپ کی پیروی کے وسیلہ زندگی میں ہم آہنگی اوریکتائی پیدا ہوجاتی ہے۔ آپ کی صلیبی موت کل نیک کوششوں میں اور فتحیاب زندگی کے بسر کرنے میں کسی نہ کسی طریقہ سے خدا کی طاقت ثابت ہوچکی ہے اور ہورہی ہے ۔ تمام انسان کوآج اس یقین کی ضرورت ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت میں خدا کی نجات بخش طاقت پائی جاتی ہے ۔ اورہم ان کو یہ یقین دلاسکتے ہیں کیونکہ جو بات ہمارے حق میں درست ثابت ہوچکی ہے وہ [1] دوسروں کے حق میں بھی درست ثابت ہوگی۔

بہرحال یہ وہ طریقہ ہے کہ جس سے انسان کی زندگی تبدیلی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس معاملہ میں مسلمانوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اوراس کا غلط مطلب نکالتے ہیں ۔ اس لئے اس بات کے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ زندگی کی تبدیلی اور کامل نجات ایک ہی چیز نہیں ہیں اور نہ ہی انجیل کی یہ تعلیم ہے ۔ چنانچہ پولوس رسول فرماتے ہیں ۔" اپنی نجات کا کام کئے جاؤ (فلپیوں باب ۲ آیت ۱۲) غرضیکہ یہ کام ساری زندگی کا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ عین تبدیلی کے وقت یا مسیحی عقیدہ کا اقرار کرنے میں انسان کو پوری نجات اس طرح مل جاتی ہے جو زندگی بھر اس میں قائم رہتی ہے اور پھر اس کے کرنے کو کچھ باقی نہیں رہتا بلکہ اس کے برعکس تبدیلی کے بعد اگر انسان فضل میں ترقی نہ کرے۔ تونجات کا مطلب ایک بڑی حد تک مفقود ہوجاتاہے اور اس کی قدر گھٹ جاتی ہے ۔ زندگی کی تبدیلی انتہائے مقصد نہیں بلکہ آغاز ہے۔ یعنی انسان کی زندگی درحقیقت اس وقت تک پوری طرح تبدیل نہیں ہوئی ۔ جب تک وہ اپنی زندگی برابر خدا کے سپرد نہ کرتارہے۔

---

[1] بعض اوقات انجیل کی اس قسم کی آیتوں کی بنا پر کہ میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا "(متی باب ۱۵ آیت ۲۴) مسلمان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح کی رسالت صرف یہودیوں تک ہی محدود تھی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی رسالت کے اس زمانہ میں اپنی ساری توجہ اس مخصوص قوم کی طرف منعطف کرر کھی تھی۔ گوآپ اس قوم کو جس پر خدا نے زمانہ میں اپنی خاص مہربانیاں کی تھیں ایک آخری موقعہ دے رہے تھے کہ عالمگیر سلطنت کے قائم کرنے میں یہ قوم خدا کا وسیلہ بنیں۔ مگر آپ کی ذات اور آپ کی انجیل کا تمام بنی نوع انسان کے لئے ہونا صفائی سے بار بار انجیل میں مذکور ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ متی باب ۲۸ آیت ۱۹ ۔ یوحنا باب ۸ آیت ۱۲ ۔ باب ۱۲ آیت ۳۲۔ ملاحظہ ہوڈاکٹر براؤن کارسالہ " کیا مسیحی مذہب عالمگیر ہے"۔ اورجناب پادری برکت اللہ صاحب کی کتاب " اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی " اور" مسیحیت کی عالمگیری" ملنے کا پتہ پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی انارکلی لاہور۔

لیکن آخری اور صحیح ترین اورساری باتوں سے بڑھ کر تعجب خیزبات یہ ہے کہ فضل ہی سے ایمان کے وسیلہ ہمیں نجات ملتی ہے۔ یہ ہماری طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے اعمال کے سبب سے ہے۔ یہ خدا کی بخشش ہے (دیکھو افسیوں باب ۲آیات ۸، ۹) اوراب سے لے کر مسیح کی محبت ہم کو مجبور کرتی ہے۔(۲ کرنتھیوں باب ۵آیت ۱۴)۔

اس لئے ہم مسیحی خلوص دل کےساتھ آج کل کے بعض مسلمان قائدین کے اس قسم کے جملوں کو جن میں انہوں نے گنہگار انسان کے لئے خدا کے فضل کا اظہار کیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۲) خوش آمدید کہتےہیں کیونکہ اگریہ سچ ہے کہ خداوند کا خوف دانائی کاشروع ہے (امثال باب ۱آیت ۷)۔ تو کیا ہم یہ توقع نہ رکھیں کہ خدا کے فضل کی ضرورت کا یہ احساس مسیح میں خدا کی نجات بخش محبت کی دریافت کاشروع ہے ؟

ساتواں باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کی خرق العادت پیدائش پر مسلمانوں کے اعتراضات

۱ ۔ ان واقعات سے جن کا تعلق مسیح کی پیدائش سے ہے معقول طورسے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کا کوئی حقیقی والد بھی تھا جس سے جائز طورپرآپ پیدا ہوئے تھے۔

۲۔ مریم کا یوسف سے نکاح ہونا اورپھر مریم کا یوسف سے حاملہ ہونے کا خیال بالکل مہمل ہے۔ اور قرآن شریف کے سیدھے سادے الفاظ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

۳۔ قرآن شریف نے حضرت مسیح اور آپ کی والدہ پر یہ بڑا احسان کیاہے کہ آپ کی پیدائش پر بدگمانی کرنے سے لاکھوں کا منہ بند کردیا۔ قرآن لوگوں کو حکم دیتاہے کہ حضرت مسیح کا بلاپدر پیدا ہونا مانیں۔(صفحہ ۱۸۳)۔

۴۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بے پدر پر بڑا زور دیا جاتاہے ۔مگر آدم ابوالبشر کے متعلق آپ کیاکہینگے کہ جن کے نہ باپ تھے نہ ماں ہم آدم کو خدا نہیں سمجھتے (صفحہ ۱۷۷)۔

۵۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش میں کوئی ایسی نرالی بات نہیں پائی جاتی کہ جس سے آپ کو الوہیت کا حقدار سمجھا جائے۔

۶۔ قرآنی بیان کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ مسیحی مناظرین بطور حربہ کے استعمال نہیں کرسکتے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جب تک مسیحی مناظرین قرآن شریف کو منزل من اللہ پہلے نہ تسلیم کرلیں تب تک اس کی شہادت سے وہ فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔

ساتواں باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کی فوق العادت پیدائش

اس باب میں ہم مسلمانوں اور مسیحیوں کے مناظرہ کے ایک ایسے مختلف پہلو پر غور کرینگے جس کی حیثیت اصل اسلامی تعلیم سے جداگانہ ہے۔ یعنی خود سیدنا عیسیٰ مسیح کی مخالفت کرنا اور آپ پر عیب لگانا ۔ اب تک مسلمانوں نے آپ کے نام کی بڑی عزت کی ہے اوراس عزت کا باعث قرآن اوراحادیث کے وہ بیانات ہیں جن میں آپ کا ذکرآیا ہے۔ لیکن گذرے پچاس سال سے بغض اور عناد کا اظہار بعض مسلمانوں میں ہورہاہے ۔ اس قسم کی مخالفت طبیعت بالخصوص عقل پرست مسلمانوں میں زیادہ پائی جاتی ہے اور اس کاایک سبب اسلام اور محمد صاحب کے خلاف مبلغین اور غیر مبلغین کی نکتہ چینی ہے۔ مسلمان مصنفین خود اس کو مانتے ہیں ۔ چنانچہ ذیل کے اقتباس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

" یہ تصور خود مسیحی مبلغین کا ہے۔ اگر وہ خدا کے پاک پیغمبروں کی عیب جوئی کرنے سے باز رہتے اور بالخصوص پیغمبرِ عرب پر بدزبانی ، حقارت اور کج بحثی کے ساتھ حملہ کرکے مسلمانوں کے احساس کو مجروح نہ کرتے تو

مسلمانوں کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ یہودی تصانیف اورانا جیل کے صفحوں میں مسیح کی لغزشوں کی تلاش کرتے"۔

مسیحیت کے خلاف اس نئے حملہ کے مضامین زیادہ تر مرزا غلام احمد(۱۸۳۹ء تا ۱۹۰۸ء) کی تصنیفات سے ماخوذ ہیں جن کی کتاب سے عبارت مافوق ہم نے نقل کی ہے۔ لاکھوں راسخ الاعتقاد مسلمان ان کے نام پر اب تک نفرین کرتے ہیں۔ مثلاً ایڈیٹر زمیندار لاہور نے اپنے رسالہ مجریہ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء میں مرزا صاحب کے حملوں کو" مسیح کے متعلق مرزا کی ہتک آمیز شوریدہ سری" کے الفاظ سے یاد کیا ہے اس ایڈیٹر کا دعویٰ ہے کہ مرزا نے اسلام کی اصولی تعلیم کے خلاف دیدہ ودانستہ مخالفت کا اظہار کیا ہے لیکن یہ مخالفت اور کسی موقعہ پر اس قدر سخت نہیں ہے جیسی کہ حضرت مسیح اور حضرت مریم پر حملہ کرنے میں ۔ ایڈیٹر مذکور کا بیان ہے کہ مرزا نے اپنی کتاب" چشمہ مسیحی " میں قرآن شریف کی صریح تعلیم کے خلاف کنواری مریم پر کھلے الفاظ میں زنا کہ تہمت لگائی ہے اور مرزا نے برابر حضرت مسیح کو ولد الزنا کہا ہے۔ اس قسم کے سخت الفاظ کے باعث مرزا کی تصانیف کے خلاف ایڈیٹر موصوف نے احتجاج کی کہ کیوں ان کی اشاعت بند نہ کردی جائے۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق احمدیہ جماعت جو نیا نظریہ پیش کررہی ہے اس کا مفہوم ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ۔ کیونکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور حضرت محمد ﷺ کے حامی اس بات کو سمجھنے لگے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح اور حضرت محمد ﷺ میں سے صرف ایک کے حق میں آخری فیصلہ انحصار ہے۔ اوراس لئے اپنے پیغمبر کے خلاف مسیحی مصنفوں کی نکتہ چینی کے باعث انہوں نے مسیحی ایمان کے بانی کی بے عزتی کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مغرب کے عقل پرستوں کے دلائل بجنسہ لے کروہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے خلاف استعمال کررہے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں مسیحیت کے خلاف یہ نیا مجادلہ قدیم بحث ومباحثہ سے اس بات میں مختلف ہے کہ اس مجادلہ کا خاص موضوع خود سیدنا عیسیٰ مسیح کی شخصیت ہے نہ آپ کے متعلق مسیحیوں کا مروجہ عقیدہ ۔ اوریہی سبب ہے کہ قرآن کے صریح بیانات اور مسلمانوں کے عام عقیدہ کے باوجود احمدی سیدنا عیسیٰ مسیح کی مافوق الفطرت پیدائش، آپ کے معجزات اورآپ کے بے گناہ چال چلن کا انکا کرتے ہیں۔ اس باب میں اور پھر اگلے دو بابوں میں ہم انہیں باتوں پر غور کرینگے ۔ علاوہ اس کے سیدنا عیسیٰ مسیح کے زندہ آسمان پر موجود ہونے کا بھی وہ انکار کرتے ہیں ۔ حالانکہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس عقیدہ کی قائل ہے اوراحمدیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ چونکہ حضرت مسیح طبعی موت سے انتقال فرماگئے اس لئے تیسرے روز آپ زندہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ دوبارہ اس دنیامیں نزول فرمائینگے۔

ان اعتراضات کے ضمن میں احمدیوں کا ایک اور اعتراض ہے۔ جو اپنی اہمیت میں دوسرے اعتراضات سے کم نہیں کہ مسیحیت روما اوریونان

کے قدیم آفتاب[1] پرستی سے ماخوذ ہے اور یہ اعتراض بھی احمدیوں نے یوروپ کے بعض مصنفوں سے لیا ہے۔

نئے مجادلہ کی ان اسلامی کتابوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات مسیحی حامیانِ دین نے اپنے دعاوی کے ثابت کرنے کی دھُن میں مسیحی ایمان کی اصلیت کے بتانے میں بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔اس سے مسلمانوں کو مسیحیت کے سمجھنے میں نہ صرف پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ ان کے غیر محتاط اور متضاد بیانات سے ان نئے مخالفین کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا ایک بڑا موقعہ ہاتھ آیا ہے چنانچہ ایک سوساٹھ صفحے کی ایک چھوٹی سی کتاب میں صدر احمدیہ انجمن لاہور نے مندرجہ ذیل باتوں کو مسیحیت کی بنیاد قرار دی ہے۔

مسیحی مذہب کی **بنیاد** ہی عیسیٰ مسیح کی تنہا بے گناہی پر رکھی گئی ہے

انسانی فطرت کا ادنیٰ خیال مسیحی مذہب کا **بنیادی** پتھر ہے۔

صرف معجزات ہی ایسے ثبوت ہیں کہ جس پر عیسیٰ مسیح کی الوہیت کی بنیاد رکھی گئ ہے۔

[1] خواجہ کمال الدین نے یہ اعتراض بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ینابیع المسیحیت میں کیا ہے خواجہ کمال الدین کی اس کتاب کا دندان شکن جواب پادری برکت اللہ صاحب نے کتاب نورالہدیٰ میں دیا ہے۔ پادری صاحب موصوف کی یہ کتاب دو حصوں میں شائع ہوئی ہے۔ اور ہماری ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔

احمدی جماعت کی یہ مخالفت جس کا ذکر ہم نے کیا ہے ۔ ڈاکٹر بشارت احمد کے رسالہ ولادت مسیح (انگریزی) کے تمہیدی بیان میں پائی جاتی ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیدائش کے متعلق ہے اور جسے لاہور کے احمدی رسالہ نے چند سال ہوئے شائع کیا تھا۔ چنانچہ یہ احمدی مضمون نویس رقمطراز ہے۔

" اسلام اور مسیحیت دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے باہم ایک سخت لڑائی میں مصروف ہیں اس لئے اسلام کے حق میں بہتر تو یہی ہے کہ عیسیٰ مسیح اپنے الہیٰ منصب سے نیچے اتار دیا جائے ۔ اس کے حق میں معجزانہ پیدائش اور آسمانی صعود کے بیانات کو صحیح مان کر مسلمان اس مسیحی دعوے کی تائید کررہے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ انسان نہیں بلکہ خدا تھا۔ اس لئے آج کل کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم ثابت کردیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح بعینہ اسی طرح پیدا ہوا تھا۔ جس طرح اور انسان پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے مرنے والے انسانوں کی طرح اس کو بھی موت کا پیالہ پینا پڑا"۔

یہ احمدی مصنف جب اپنے اس مقصد کا اظہار کرتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر کی عبارت میں کیا گیا ہے تو وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ عام طور سے مسلمانوں کو اس خیال سے کہ مسیح کی پیدائش کسی انسانی باپ کے ذریعہ ہوئی تھی۔ اب بھی سخت صدمہ پہنچتا ہے ۔ چنانچہ یہ احمدی مصنف خود لکھتا ہے " بدقسمتی سے مسلمانوں کا مروجہ عقیدہ عیسائیوں کی اس توہم پرستی کی نقل ہے کہ مسیح بغیر کسی انسانی باپ کی وساطت کے پیدا ہوئے تھے "۔ اور پھر ان کی

غیر معقولیت پران کی ملامت کرتاہے کہ مسیح کی مافوق الفطرت پیدائش کا اقرار کرکے یہ مسلمان کیوں اس عقیدہ کے نتیجہ کا انکار کرتے ہیں" اوراس کے خیال میں" اس عقیدہ کا نتیجہ مسیح کی الوہیت ہے"۔

راسخ الاعتقاد اور عقل پرست مسلمانوں کا اس مسئلہ پر اختلاف

چونکہ مسلمانوں میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی ولادت کے متعلق یہ اختلاف رائے جس کا ذکر ابھی گذرچکا ہے ایک حد تک قرآن کی متعلقہ آیات کی مختلف تاویل کی بناپر ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر قرآن کے ان مقامات کا مطالعہ کرنا جہاں آپ کی پیدائش کا ذکر ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

سورہ مریم میں ایک طویل عبارت مقدسہ مریم اور سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق پائی جاتی ہے جس کی بنا پر مسلمان اب تک آپ کی مافوق العادت پیدائش پر ایمان رکھتے ہیں اس سورۃ کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے:

ہم نے اپنی روح یعنی جبرئیل کو ان کی طرف بھیجا تو وہ اچھے خاصے آدمی کی شکل بن کر ان کے روبرو کھڑے ہوگئے اوروہ ان کو دیکھ کرلگیں کہنے کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ جبرئیل بولے کہ میں تو بس تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں اوراس لئے آیا ہوں کہ تم ایک پاک طینت لڑکا دوں۔ وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا ہوسکتاہے۔حالانکہ نہ تو (نکاح کے طورپر) مجھ کو کسی مردنے چھوا اور نہ کبھی میں بدکار رہی ۔ جبریل نے کہا جیسا میں کہتا ہوں ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا پروردگار فرماتاہے کہ تمہارے ہاں بے باپ کے لڑکا پیدا کرنا ہم پرآسان ہے (اس کے پیدا کرنے سے) فرض یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہم اس کو ایک نشانی قراردیں اور دنیا میں ہم اس کو اپنی رحمت کے ذریعہ بنائیں اور یہ بات فیصل ہوچکی ہے۔۔۔۔۔ پھر مریم لڑکے کے گود میں لئے اپنی قوم کے پاس لائیں اور یہ بات فیصل ہوچکی ہے۔۔۔۔ پھر مریم لڑکے کے گود میں لئے اپنی قوم کے پاس لائیں اور وہ دیکھ کر لگے کہنے کہ مریم ! یہ تو تو نے بہت ہی نالائق کام کیا۔اے ہارون کی بہن ۔ نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ تو مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا (کہ جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو) وہ لگے کہنے ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں۔(اس پر بچہ) بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب عنایت فرمائی اور مجھ کو پیغمبر بنایا۔۔۔۔ اور مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور مجھ کو سخت گیر اور بدراہ نہیں کیا اور مجھ پر خدا کی امان ۔ جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مرونگا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھا کھڑا کیا جاؤنگا۔ یہ ہے عیسیٰ بن مریم پر سچی سچی بات جس میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ خدا کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے جب وہ کسی کام کو کرنا ٹھان لیتا ہے تو بس اس کو اتنا ہی فرمادیتا ہے کہ ہو اور وہ ہوجاتاہے "(سور مریم ۱۶ تا ۱۳۴آیت)۔

خدا کے کسی کام کے کرنے کے ٹھان لینے کے متعلق اسی قسم کی ایک اور عبارت ایک دوسرے مقام پر بھی آئی ہے جو حسب ذیل ہے :

اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسیٰ کو خدا نے مٹی سے آدم کے پتلے بنا کر اس کو حکم دیا کہ ہوجا اور وہ ہو گیا۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۲۔

علامہ یوسف علی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح معجزانہ طور پر خدا کے لفظ کنُ سے پیدا کئے گئے تھے۔

سورۃ مریم کی عبارت مذکورہ کی بعض باتوں میں اور مقدس لوقا کی انجیل کے پہلے باب کی ۲۶ ویں سے ۳۸ ویں آیتوں کے بیان میں بڑی مطابقت پائی جاتی ہے ۔ یعنی مقدسہ مریم کے چال چلن کی بریت کا اظہار اور انسان کے ذہن کو اس خیال سے پاک کرنے کی کوشش کہ خدا نے مسیح کو جنا۔ ان باتوں سے یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے کہ اگر ایک طرف حضرت محمد مقدسہ مریم کی پاکدامنی کے خلاف یہودیوں کی بے ہودہ تہمت کی تردید کرتے ہیں تو دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ کا اپنی ماں کے پیٹ میں پڑنا مرضی الہیٰ کا ایک معجزانہ فعل تھا۔ بہر حال مسلمانوں کا ہمیشہ یہی عقیدہ رہا ہے اور اس کی تائید میں زمانہ حال کے بہتیرے مصنفین کے اقوال بآسانی پیش کئے جاسکتے ہیں ۔ چنانچہ خود مرزا غلام احمد آنجہانی لکھتے ہیں۔

" ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہے ایسے لوگوں کا خدا مردہ خدا ہے اور ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ نہیں کرسکتا۔ ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں "۔(الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء)۔

علامہ یوسف علی اپنی تازہ تفسیر میں جو انگریزی زبان میں شائع ہوئی ہے ۔ سورۃ آل عمران کی ۴۷ ویں آیت پر لکھتے ہیں۔ حضرت مسیح کی ماں اس امر میں لاثانی ہیں کہ ایک خاص معجزہ کے وسیلہ عام دستور کے خلاف بغیر جسمانی توسط کے آپ سے بیٹا پیدا ہوا۔

لیکن احمدی مصنف ڈاکٹر بشارت احمد اپنے رسالہ مذکورہ ولادتِ مسیح (انگریزی) میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسیح کی پیدائش قدرت کے عام دستور کے مطابق ہوئی اور اس اپنے رسالہ کے پڑھنے والوں سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ ان کو اپنے اس نظریہ کا ثبوت قرآن اور انجیل کی عبارت میں ملتا ہے اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ پیدائش کے لئے باپ کا ہونا لازمی ہے اور اسے کلیہ قرار دے کر فرماتے ہیں کہ یہ قانون قدرت ہے اور خدا کا قانون بدل نہیں سکتا ۔ چنانچہ سورۃ الحجرات آیت ۱۳ میں لکھا ہے إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ پھر سورۃ دہر کی دوسری آیت میں لکھا ہے إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ہم نے آدمی کو مرکب نطفہ سے پیدا کیا۔ اس عالمگیر قانون کی کوئی مستثنیٰ صورت نہیں ہوسکتی۔ تو پھر مسیح کو اس قانون قدرت سے مستثنیٰ کرنے کی کیوں کوشش کی جائے؟ پھر آپ لکھتے ہیں۔

اگر مسیح کی پیدائش واقعی کسی مافوق البشر طریقہ سے ہوئی تھی تو چاہیے کہ آپ ؑ اپنی طینت میں بھی مافوق البشر ہوں۔ قرآن کی حجت کا مدار ہی اس بات پر ہے کہ مسیح کی پیدائش بالکل بشری طریقہ پر ہوئی تھی اور اس لئے آپ بشر سے زیادہ اور کچھ نہیں تھے۔ آپ کی ولادت بلا پدر کا نظریہ قرآن کی دلیل کو باطل کردیتا ہے اور اس لئے یہ نظریہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر بشارت احمد نہیں مانتے کہ سورۃ آل عمران کی باونویں آیت میں جہاں لکھاہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے کنُ سے پیدا ہوئے تھے۔ مسیح کی مافوق العادت پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ پھر انجیلی بیانات کے سلسلہ میں متی اور لوقا کے بیانات کو مصنف موصوف قابل یقین نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں یہ مانی ہوئی بات ہے یہ عبارتیں بہت عرصہ بعدالحاق کی گئی ہیں اور اس لئے قابل وثوق نہیں ہیں [1]۔ آگے چل کرآپ لکھتے ہیں۔

مسیح کے بے لوث طریقہ پر حمل میں پڑنے کی مسیحی تعلیم کا مدار یسعیاہ نبی کی اس مشہور نبوت پر ہے جو عمانویل کی آمد کے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴، ۱۵۔ اور پھر متی کی اس کوشش پر بھی اس عقیدہ کا مدار رہا ہے جو اس نے یسعیاہ کی اس نبوت میں اور مسیح کی پیدائش کے سنے سنائے ذکر

[1] ڈاکٹر بشارت احمد کے خیال کے برعکس یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیدائش کا بیان انجیل کے باقی بیانات کے بہت عرصہ بعد نہیں لکھا گیا۔ حتیٰ کہ مغرب کے مخالف نقاد بھی یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ لوقا کی انجیل کے پہلے دوابواب کے بیانات یہودی، مائل مسیحی جماعت کے درمیان پہلی صدی مسیحی میں مروج تھے۔

میں کسی نہ کسی طریقہ سے دیدہ ودانستہ مطابقت پیدا کردینے میں کی ہے مصنف مذکور لکھتے ہیں کہ ہر شخص جانتا ہے کہ متی نے یونانی لفظ پرتھینوس کیا ہے جو عبرانی لفظ علمہ کا ترجمہ نہیں ہے کیونکہ اس موخوالذکر لفظ کے معنی نوجوان عورت ہے (جو شادی کے سن کو پہنچ چکی ہو)۔

لیکن اس اعتراض کا کافی جواب یہی ہے کہ عبرانی لفظ کنواری کے تصور کو مانع نہیں ہے۔ اب رہا مقدس متی کا یسعیاہ نبی کا حوالہ پیش کرنا تو اس کی غرض ایسے کنایہ کی تردید کرنا ہے جو مقدسہ مریم کی عزت کے خلاف کسی بد باطن کے ذہن میں ہو۔

اس سلسلہ میں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان نے ڈاکٹر بشارت احمد کے رسالہ کا نہایت ہی معقول جواب [2] شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں مسیح کی ولادت بے پدر کے ثبوت کو مصنف نے بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ایسے قرآنی دلائل تک محدود رکھاہے جنہیں ہر مسلمان مانتا ہے اور جو قرآنی بیانات کے مطابق ہیں۔ اور ڈاکٹر بشارت احمد کی دلائل کے خلاف مصنف کا بیان ہے کہ قرآنی بیانات اس قدر صاف اور صریح ہیں کہ انہیں توڑ مروڑ کر ایسا مطالب نکال لینا جس کی احمدی مصنف نے کوشش کی ہے محال ہے اس مصنف کا بیان ہے کہ " معتزلہ کے سوا جو اسلام کا ایک عقل پرست فرقہ تھا۔ تمام مسلمان حضرت مسیح کی ولادتِ بے پدر کے قائل ہیں۔ یہ

[2] ولادتِ مسیح (انگریزی) مولانا احمد۔ ایم۔ اے میرٹھ کالج

فرقہ ان تمام باتوں کا منکر ہے جو ان کی ضمیر اور طبیعت کو اچھی نہ لگے۔ زمانہ حال میں مشہور سر سید احمد اور امیر علی نے اس فرقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ لاہور کے مرزائیوں نے سائنس اور مذہب میں مطابقت دکھانے کے لئے معتزلہ کے اصولوں کو قبول کیا ہے"۔ یہ مصنف ان لاہوری احمدیوں کو اس امر میں قصوروار ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے اس تعلیم کے ماننے سے انکار کردیا ہے کہ جس پر خود ان کے فرقہ کے بانی مرزا صاحب آنجہانی کا ایمان تھا۔ اور پھر مرزا صاحب اور موجودہ قادیانیوں کی تصنیفات سے اقتباسات پیش کرکے مصنف موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ قادیانی جماعت اس تعلیم کی قائل نہیں کہ یوسف نجار حضرت مسیح کے والد تھے بلکہ ان کا یہ ایمان ہے کہ حضرت مسیح مقدسہ مریم سے بغیر کسی پدری توسط کے پیدا ہوئے ۔ آگے چل کر مصنف موصوف فرماتے ہیں کہ سورۃ نسا کی ۱۵۵ ویں آیت میں صفائی سے لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی اوراس وجہ سے خدا نے انہیں ملعون قرار دیا اور پھر فرماتے ہیں۔ اگر حضرت مریم کے چال چلن کی بریت کی کوئی وجہ موجود نہ ہو ۔ تو قرآن کا آپ کی پاکیزگی پر اس قدر زور دینا فضول اور بے محل معلوم دیتا ہے۔ پھر آپ قرآن کے ان الفاظ پر زور دیتے ہیں کہ جہاں جبریل کی معرفت مریم صدیقہ کو خدا باربار لفظ کذالک (ایسا ہی ہے)سے یقین دلاتا اور سمجھاتا ہے چنانچہ قرآن میں آیا ہے۔ قَالَ كَذَلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ یعنی کہا جیسا میں کہتا ہوں ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا پروردگار فرماتا ہے

کہ یہ ہم پر آسان ہے(سورۃ مریم آیت ۲۱)۔ قَالَ كَذَلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ (سورۃ آل عمران ۴۲)۔ اور پھر اس امر کی تصدیق کہ ان الفاظ میں حضرت جبریل کے کلام کا اشارہ حضرت مسیح کی معجزانہ پیدائش کی طرف ہے اس سے بھی ہوتی ہے کی اسی قسم کے الفاظ حضرت جبریل نے حضرت یحییٰ (مقدس یوحنا اصطباغی) کی پیدائش کے متعلق بھی حضرت زکریا کو مخاطب کرکے استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ سورۃ آل عمران آیت ۳۵۔ پھر آپ فرماتے ہیں اس سلسلہ میں اس قسم کے فقرے کا استعمال کہ ایسا ہی ہوگا اس کیفیت کی تشریح کرتا اوراس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پیدائش مسیح میں قانونِ قدرت اپنے مقررہ دستور سے ہٹ گیا تھا ڈاکٹر بشارت احمد کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ مریم صدیقہ نے حضرت جبریل کے ساتھ دورانِ مکالمہ میں اپنے ایمان کی کمی کا اظہار کیا ہے آپ فرماتے ہیں جس طرح خدا نے ایک بانجھ کو بیٹا بخشا اسی طرح ایک کنواری کو بھی بیٹا عطا کیا غرضیکہ حضرت یحییٰ کی معجزانہ پیدائش حضرت مسیح کی مافوق العادت پیدائش کی ایک دلیل ہے ۔ اور پھر مولانا محمد علی کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے حضرت مریم کا یہ کہنا اے کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی (سورۃ مریم ۲۳آیت)۔ محض دردزہ کی شدت سے تھا۔ آپ فرماتے ہیں ۔ دردزہ کی شدت سے یہ ثابت نہیں کرتی کہ مس بشری کے بعد آپ حاملہ ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح بہر حال انسان ہی تھے ۔ بلکہ سورۃ

مریم کی یہ آیت حضرت مسیح کی ولادت ِ بے پدر کے حق میں ایک قطعی دلیل ہے۔ حضرت مریم کی یہ تمنا کہ میں بھولی بسری ہوگئی ہوتی قابل غور ہے۔ اورآپ کی یہ خواہش انسانی طبیعت کے مطابق تھی کیونکہ شادی کئے بغیر آپ حاملہ ہوگئی تھیں اور شرم کے باعث آپ الگ دور کے مقام میں چلی گئی تھیں۔ اور تب ایک آواز نے پکار کرآپ سے کہا ۔آزردہ خاطر نہ ہو غرضیکہ مولانا احمد فرماتے ہیں " آیاتِ مافوق سے حضرت مسیح کی ولادتِ بے پدر کے متعلق ہر قسم کے شبہ کا ازالہ ہوجاتاہے ۔ڈاکٹر بشارت احمد نے ان ساری باتوں کو بگاڑ کر انہیں مہمل کردیاہے"۔

مولانا محمد علی نے جوکچھ سورہ مریم کی ۲۳ویں آیت کی تفسیر میں لکھاہے اور جس کا ذکر عبارت مافوق میں آیاہے وہ حسب ذیل ہے:

جس طرح ذکر حمل عیسائیت پر اتمام حجت کے لئے ہی اسی طرح دردزہ کا ذکر بھی ہے ۔ کیونکہ عیسائی کہتے ہیں کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے عورت کو یہ سزا ملی تھی کہ درد سے تو لڑکے جنیگی (پیدائش ۳: ۱۶)اورجسے عیسائی اپنا خدا سمجھتے ہیں جس نے آدم کے گناہ کا ازالہ کرنا تھاجب وہ جنا جاتاہے تو اس کی ماں بھی دردزہ سے جنتی ہے------ اور اس کاذکر قرآن شریف نے اس لئے کیا جسے عیسائی خدا خدا کرکے پکارتے ہیں وہ کیسی بیکسی کی حالت میں پیدا ہوا اورجسے خدا کی ماں کہہ دیا جاتاہے اس نے کس مصیبت کی حالت میں اسے جنا (بیان القرآن نمبر ۱۹۹۰)اسی طرح سورۃ آل عمران کی باونویں آیت (مطابق بیان القرآن آیت ۵۸) کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا محمد علی لکھتے ہیں"۔ اس سورۃ (آل عمران) کے صدر میں عیسایئوں کے ساتھ ہی بحث ہے۔ اور غرض اس سارے بیان کی حضرت مسیح میں لوازمات بشریت کا ثابت کرنا اور یہ ظاہر کرناہے کہ وہ خدا نہ تھا"(بیان القرآن نمبر ۴۵۲)۔

احمدی تصنیفات کے اقتباسات مافوق سے واضح طورپر یہ بات ظاہر ہے کہ احمدی مصنفین اس غلطی میں مبتلاہیں کہ مسیحیوں کے نزدیک سیدنا عیسیٰ مسیح کی الوہیت کے عقیدہ کا خاص ثبوت آپ کی مافوق العادت پیدائش کے انجیلی بیانات پر موقوف ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس آپ کی ابنیت کا مسئلہ اورآپ کی بے گناہی کا مفہوم اور آپ کی الوہیت کا عقیدہ گو ان سب باتوں پر ہمارا ایمان ہے تو بھی آپ کی ولادت کے مسئلہ سے یہ وابستہ نہیں ہیں ۔ اور اگرچہ تمام مسیحی تجسم پر ایمان رکھتے ہیں تو بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ کنواری سے پیدا ہونے کا عقیدہ تجسم پر ایمان رکھنے کے لئے لازمی شرط ہے۔ مرحوم بشپ گور قدیم مسیحیوں کے ایمان کا ذکر کرتے ہوئے بالکل بجا فرماتے ہیں " کنواری سے پیدا ہونا ابتداء رسولی کلیسیا کے پیغام کا جزو نہیں تھا۔اور نہ ہی ایمان کے ان ارکان میں اس کا شمار تھا کہ جن پر سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق مسیحیوں کے ابتدائی عقیدہ کا انحصار تھا"۔

اس لئے مسیحی مبلغین کو لازم ہے کہ جس طرح تثلیث کی تعلیم میں اسی طرح اس معاملہ میں بھی مسلمانوں کے اس دعویٰ کی تردید کریں کہ کنواری

سے پیدا ہونے کا مسئلہ مسیحی بشارت کے لئے لازمی اور مسیحی ایمان کی جان ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر انجیل میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی ولادت کے طریقہ کا ذکر نہ ہوتا تو بھی مسیحی آپ کی الوہیت پر ایمان رکھتے کیونکہ ان کے اس عقیدہ کی بنیاد آپ کے طریق ولادت پر نہیں بلکہ اور باتوں پر ہے۔

ولادت مسیح اور نئے عہد نامہ کا سکوت

کلیسیا کی اس تعلیم کے خلاف اکثر یہ اعتراض کیاجاتا ہے کہ متی اور لوقا کی اناجیل کے علاوہ نئے عہد نامہ کی باقی کتابوں میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی فوق الفطرت پیدائش کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔اگرچہ اس اعتراض کا حل ظاہرا دشوار معلوم ہوتاہے تو بھی غور کرنے سے پتہ لگتاہے کہ متی اور لوقا کی اناجیل میں اس واقعہ کا مختصر ذکر ہونا اور باقی نئے عہد نامہ کا سکوت معقول اسباب کی بنا پر ہیں۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کی فوق العادت پیدائش کے واقعہ کا متی اور لوقا کی اناجیل میں پایا جانا ظاہر کرتاہے کہ پہلی صدی کے آخری نصف حصہ کے دوران میں یعنی جس زمانہ میں یہ اناجیل لکھی گئی تھیں فلسطین کی یہودی مائل مسیحی کلیسیا میں یہ تعلیم رائج تھی اس عرصہ میں حضرت مریم پر یہودیوں کے بہتان کی شہرت ہوچکی تھی۔ ان بہتان کی بنیادی اس حقیقت پر تھی کہ جس کا پتہ یہودیوں نے لگالیا تھا کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیدائش آپ کی والدہ مقدسہ کی غیر منکوحہ حالت میں ہوئی تھی ۔ اور کلیسیا کو اس لئے مجبوراً ان بہتان کا جواب دینا پڑا۔ اور یوں اس بیان کی ضرورت پڑی جو متی کی انجیل میں موجود ہے۔

حضرت یوسف حقیقت سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ایسے معاملہ میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو استثنا باب ۲۴آیت ۱ " اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس میں کوئی پلید بات پائی تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے۔ اوراسے اپنے گھر سے باہر کرے"۔ تو بھی آپ نے مریم مقدسہ کو طلاق نہیں دیا اب یہ ایسی بات ہے جس سے ثابت ہوتاہے کہ آپ مریم صدیقہ کی پاکدامنی کے قائل تھے علاوہ اس کے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتاہے کہ اگرچہ حضرت یوسف نجار کو انجیل میں سیدنا عیسیٰ مسیح کا باپ کہا گیا ہے تو بھی آپ حضرت یوسف کے بیٹے نہیں تھے۔ جب حضرت یوسف نے مریم مقدسہ کا باعصمت ہونا مان لیا تو مقدسہ مریم کے بیٹے کو بھی منظور کرلیا۔ جس سے مریم صدیقہ ایسی بے عزتی کے سہنے سے جومناسب تھی محفوظ ہوگئیں ۔ اوریوں آپ مقدسہ مریم کے فرزند کے شرعی باپ قرار پائے اور اس لئے اناجیل میں اسی حیثیت سے آپ کا ذکر آیا ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ نئے عہدنامہ کے سکوت کا سبب یہ ہو کہ اس واقعہ کو رسولوں پرظاہر کرنے میں مقدسہ مریم کو فطرتاً تامل ہوا ہوگا اور سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت کے بڑے عرصہ کے بعد ان کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہوگا۔

بہر حال بلاخوف تردید ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا جس کے اختیار سے پاک نوشتے ضبطِ تحریر میں آئے اگر یہ چاہتا کہ کنواری سے پیدا ہونے کا عقیدہ نجات

کے لئے ضروری ہے تونئے عہد نامہ میں نہ صرف صریحاً بلکہ اس کامکرر بیان ہوتا اور نہ ہی یہ بات ہمارے ذہن میں آتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی فوق العادت پیدائش کے عقیدہ کو شخصی نجات کی ایک مقدم شرط ٹھہرائی ہوگی۔

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل غور ہے کہ مقدس پولوس کی تحریرات سے یہ صفائی سے ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ سیدنا عیسیٰ مسیح کی فوق الفطرت پیدائش کے واقعہ سے واقف تھے۔لیکن مقدس پولوس کے متعلق اس قدر یاد رکھنا چاہیے کہ شروع ہی سے آپ نے سیدنا عیسیٰ مسیح کی ابنیت کی منادی کی اور آپ کی اس منادی کا کوئی تعلق سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیدائش سے نہ تھا(اعمال باب ۹آیت ۲۰)۔ اور یہ بارہا پیش کیا گیاہے کہ مقدس پولوس نے ایسے حالات کے تحت ان نومریدوں کےسامنے انجیل کی منادی تھی جوپہلے بت پرست تھے کہ فوق الفطرت پیدائش کے بیان سے ان نومریدوں کے ذہن پر غلط اثرپڑنے کا اندیشہ تھا۔ علاوہ اس کے آپ بھی جانتے تھے کہ انجیل کے پیغام کی اصلیت سے اس واقعہ کا کوئی تعلق نہیں۔

اس سارے معاملہ کا خلاصہ مرحوم بشپ گور کے الفاظ میں حسب ذیل ہے ۔ اگر اس دنیا میں ہمارے سیدنا عیسیٰ مسیح کے جلوہ افروز ہونے کے کل واقعات نے الہیٰ انتظام کےماتحت ظہور پایاہے توعقل یہ کہتی ہے کہ بیشک خدا کی یہ مرضی تھی کہ مسیح کے رسول صرف ان باتوں کے باعث آپ پر ایمان لائیں جو انہوں نے آپ میں دیکھا یا آپ سے سنا تھا۔ اورپھر ان رسولوں کے شاگردوں کے ایمان کی بنیادخودان رسولوں کی تعلیم پرہو جنہیں مسیح نے اپنے گواہ ہونے کے لئے تیار کیا اور اپنا پیغمبر بنایا تھا۔۔۔۔ بیشک سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق دنیاکے اس ایمان کی بنیاد کہ آپ مسیح اورابن اللہ ہیں سوائے برگزیدہ گواہوں کی شخصی شہادت اور کتبِ مقدسہ کی گواہی کےاور کسی بات پر نہیں ہے"۔

کیافوق العادت پیدائش کا عقیدہ بُت پرست اقوام سے ماخوذ ہے ؟

مغرب کے متشککین کی تقلید میں بعض مسلمانوں نے بھی یہ کہنا شروع کیاہے کہ تولید از کنواری کا خیال مسیحیوں نے بُت پرست اقوام سے لیاہے۔ اب اگر سطحی نظر سے دیکھاجائے تو اعتراض معقول معلوم ہوتاہے مگر اسے منظور کرنے کی وجہ نظر نہیں آتی ۔ بلکہ بہت سی باتیں اس کی تردید میں کہی جاسکتی ہیں۔

بُت پرست اقوام کی مذہبی کہانیوں میں اس قسم کے غیر معمولی واقعہ کی تفصیل میں ناشائستہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی ان کہانیوں میں تولیدازا کنواری کا ذکر نہیں بلکہ ایسے دیوتاؤں کا تذکرہ ہوتاہے جن میں انسان کی نفسانی خواہشات موجود ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس سارے نئے عہد نامہ کا طرز تحریرہی مختلف ہے جسے پڑھ کر یہ ناممکن معلوم ہوتاہے کہ انجیل نویس اپنے

بیانات کی خاطر اس قسم کے بے ہودہ افسانوں کو چرا کر اپنے آپ کو ذلیل کرینگے۔ علاوہ اس کے محققین کو بُت پرست اقوام میں اب تک کوئی ایسی کہانی نہیں ملی ہے کہ جس میں واقعی کسی کنواری عورت سے لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہو۔ بلکہ ہرناک جیسا مستند فاضل بھی اس بات کے امکان کی کہانی کا شرمندہ احسان ہے ۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں " یہ قیاس کہ کنواری سے پیدا ہونے کا عقیدہ ایک افسانہ ہے جسے مسیحیوں نے بتُ پرست اقوام سے لیا ہے۔ کل مسیحی تعلیم کی ابتدائی تواریخ کی منافی ہے"۔

نہ ہی ہم یہ مان سکتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیدائش کے بیانات یہودی مائل مسیحیوں کی اختراعات ہیں کیونکہ یہودی کنواری کی حالت کو نہیں بلکہ مناکحت کو افضل سمجھتے تھے۔

دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ متی اور لوقا نے اس واقعہ کے بیان کرنے میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ احتیاط سے کام لیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بیانات کا کوئی غلط مطلب نکالے۔ غرضکہ انجیل نویسوں کی یہ احتیاط اور پھر بیانات کی لطافت اور پاکیزگی واقعہ کی صداقت کے موئید ہیں۔ اوران فاسد خیالات اور بیجا تجسس کی باتوں سے یاانجیلی بیانات بالکل معرا ہیں کہ جن سے بُت پرست اقوام کی کہانیوں اوراناجیل موضوعہ کی داستانوں اوراسلامی روایتوں کی کتابوں کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ اگر آپ خود معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کی قوت متخیلہ جب بے لگام چھوڑدی جاتی ہے تب کیا کچھ کرسکتی ہے توآپ ان موضوعات کا ملاحظہ کیجئے۔

مثلاً مسلمانوں کی مقبول عام کتاب قصص الانبیاء کا مصنف اس بات کی تشریح کرنا ضروری سمجھتاہے کہ جب جبرئیل حضرت مریم کو خدا کا پیغام "یہ مجھ پر آسان " (سورۃ مریم آیت ۲۱) پہنچاچکے توانہوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا چنانچہ اس کتاب کا مصنف لکھتاہے کہ جبرئیل نے حضرت مریم کی قمیص کے اندر پھونکا جسے آپ نے اتار ڈالا تھا۔ اورجب فرشتہ حضرت مریم کے پاس سے چلا گیا توآپ نے اسے پھر چھین لیا اوریوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ نے حمل میں لیا۔ اور پھر اس کے بعد مصنف حمل کے قرار پکڑنے کی تشریح کا ناشائستہ الفاظ میں کرتاہے۔

اس سلسلہ میں ایک موضوعہ انجیل کی بھی روایت ملاحظہ ہو " حنا فقیہ نے مڑکر مریم کو دیکھا اور اسے حاملہ پایا۔اور فوراً کاہن کے پاس جاکر اس نےکہا۔ یوسف جسے تم راستباز سمجھتے ہو ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ کاہن نےدریافت کیا۔ کیوں کر؟ اوراس نے جواب دیا جس کنواری کو اس نے خداوند کی ہیکل سے قبول کیا تھا اس نے اسے ناپاک کیا ہے۔ اور بنی اسرائیل پر ظاہر کئے بغیر اس کے ساتھ چلکے سے اس نے شادی کرلی ہے۔ کاہن نے یہ سن کر کہا ۔ کیا واقعی یوسف نے ایسا کام کیا ہے۔ حنا فقیہ نے جواب دیا۔ اہلکاروں نے جاکرمعلوم کیا کہ واقعی بات درست تھی ۔ اوروہ اسے یوسف کے

ہمراہ عدالت گاہ میں لائے اور کاہن نے مریم کو مخاطب کرکے کہا۔ تم نے کیوں ایسا کام کیا۔ اور کیوں اپنی روح کو تم نے ذلیل کیا۔ اور اپنے خداوند خدا کو تم نے فراموش کردیا۔ تمہاری تربیت تو قدس الاقداس میں ہوئی تھی اور فرشتہ تمہارے لئے کھانا لایا تھا اور تم حمد کا گیت سن چکی ہو اور خداوند کے سامنے تم نے ناچاہے۔ پھر تم نے ایسا کام کیوں کیا۔

لیکن مریم زار زار رو کرکہنے لگی۔ خداوند میرا خدا جو زندہ ہے اسے حاضر جان کر میں کہتی ہوں کہ میں اس کے حضور بے قصور ہوں اور کسی مرد کو نہیں جانتی۔ اور کاہن نے یوسف سے کہا تم نے کیوں ایسا کام کیا۔ اور یوسف نے جواب دیا خداوند میرا خدا جو زندہ ہے وہ میرا گواہ ہے کہ میں اس خطا سے پاک ہوں۔ تب کاہن نے کہا۔ جھوٹی قسم مت کھاؤ۔ بلکہ سچ بولو۔ تم نے چپکے سے اس کے ساتھ شادی کی ہے اور بنی اسرائیل پر ظاہر نہیں کیا۔ اور خدا کے قوی ہاتھ کے نیچے تم نے اپنا سر خم نہیں کیا تاکہ تمہاری نسل برکت پاتی۔ مگر یوسف خاموش رہا۔ پھر کاہن نے کہا اس کنواری کو جسے تم نے خداوند کی ہیکل سے لیاہے واپس کردو۔ لیکن یوسف روتا رہا۔ اس پر کاہن نے کہا۔ میں تمہیں مجرم ٹھہرانے کا پانی جو خداوند کی طرف سے ہے پینے کو دونگا۔ اور تمہارا گناہ تمہارے سامنے آئیگا۔ اور تب کاہن نے یوسف کو یہ پانی پلایا اوراسے پہاڑی علاقہ میں بھیج دیا۔ اور یوسف صحیح وسلامت واپس آیا۔ پھر کاہن نے مریم کو بھی یہ پانی پلا کر پہاڑی علاقہ میں بھیج دیا۔ اور وہ بھی صحیح وسلامت واپس آئی۔ اور تمام لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان کا گناہ ثابت نہیں ہوا۔ اس پر کاہن نے کہا کہ چونکہ خداوند خدا نے تمہارا قصوروار ہونا ظاہر نہیں کیا۔ لہذا میں بھی تمہیں مجرم نہیں ٹھہراتا۔ اورانہیں جانے دیا۔ تب یوسف مریم کے ہمراہ خوشی مناتا اوراسرائیل کے خدا کی تمجید کرتا ہوا گھر واپس گیا"۔

ان بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے مصنفوں نے اس بے ہودہ رنگ میں انہیں بیان کیاہے کہ اصل واقعہ بالکل بگڑ کر اصلیت سے گر گیاہے۔ اور یہ باتیں پتادے رہی ہیں کہ اس کے لکھنے والوں میں اورانجیل نویسوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ متی اورلوقا کی اناجیل میں اصل واقعہ نہایت احترام کے ساتھ بیان کیا گیاہے اور ان موضوعہ اناجیل میں غیر پاکیزہ خیالات کی من گھڑت کہانی درج ہے۔ افسوس یہ ہے کہ محققین کی رائے میں حضرت عیسیٰ کا قرآنی بیان انہیں موضوعہ اناجیل سے صریحاً ماخوذ ہے۔ جنہیں کلیسیا نے کبھی قبول نہیں کیا۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ عام دعویٰ کہ قرآن اوراسلام نے مریم صدیقہ اور حضرت مسیح کے نام پر سے یہودیوں کے بہتان کو دور کیاہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس معاملہ میں یوسف کا طرزِ عمل جس کا ذکر متی نے کیا ہے۔ حضرت مریم کی پاکدامنی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

خواجہ کمال الدین اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں ۔" قرآن کے اس ایک فقرہ روح من اللہ نے حضرت مسیح کی پیدائش پر سے بدنامی کے داغ کو مٹادیا اور نہ آپ حرامی کہلاتے"۔ اس کا صاف جواب تویہی ہے کہ اناجیل میں

اس بات کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا کہ سیدنا عیسیٰ مسیح اورآپ کی والدہ صدیقہ کے نام پر کسی کا دھبہ تھا۔ مسلم مصنفین کا دعویٰ اس معاملہ میں حد سے بڑھا ہواہے چنانچہ خود ایک مسلمان مصنف کا بیان ہے یہ تہمت صرف مخالف یہودیوں نے ہی آپ پر لگائی تھی۔

آخری بات جس پر زور دینا چاہیے اورجس کو انجیل اور قرآن میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ والدہ کی عدم موجودگی نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک سلبی دلیل ہے بلکہ خدا کے روح القدس کا سایہ کرنا جوایک ایجابی امر ہے۔ اوراس امر کے باعث ہمارے لئے یہ دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح سے شروع کرکے اورآپ کے وسیلہ انسانی زندگی کے بہاؤمیں ایک چشمہ یا ایک ایسی پاکیزہ قوت داخل ہوئی ہے ۔ جس کا منبع انسانیت نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے باعث خدا کی نادیدہ ہستی انسانیت کے اندراپنی قوت تخلیق اور تجدید کے ساتھ جاری وساری ہوگئی ہے دوسرے لفظوں میں ایک ایسی نئی انسانیت کا آغاز ہوتاہے کہ جو اپنے ظہور میں آنے کی ابتدائی کیفیت کی کمالیت میں لاثانی ہے بلکہ جس کے متعلق یہ کہنا زیادہ موزون ہے کہ یہ وہ نئی انسانیت ہے کہ خدا کے ایک خاص فعل تخلیق نے جس کا پرانی انسانیت کی شاخ پر پیوند لگایا۔ یہ حقیقت بعض مسلمانوں کے اس کفر انگیز اعتراض کا کافی جواب ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے آباؤاجداد کا گناہ آلودہ خون آپ کی رگوں میں بہتا تھا۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ گناہ کا سلسلہ آپ میں موقوف ہوگیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے موروثی حالت کو قبول کیا تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی زندگی کی پاکیزہ حالت ہم انسان کو عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ یوحنا رسول کی انجیل خوشی کے لہجہ میں اعلان کرتی ہے کہ فضل اور سچائی سیدنا عیسیٰ مسیح کےوسیلہ ہمیں بخشی گئی۔ یوحنا باب ۱ آیت ۱۷ ۔

اب یہ سب کچھ کہہ چکنے کے بعد اس قدر اور یادرکھنا چاہیے کہ اس معاملہ میں زیر بحث پر اسی نظر سے ہم غور نہیں کرسکتے جس طرح کسی اور انسان کے متعلق تحقیق کی جاتی ہے ۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی کے واقعات کا ذکر جس طرح اناجیل میں آیا ہے خود اس بات سے روکتا ہے ۔ بلکہ ہمارے زیر بحث ایسی شخصیت ہے جو تاریخ عالم کا مرکز ہے کہ جس کی دنیاوی زندگی کے کام کا خاتمہ مرکردوبارہ جی اٹھنے پر ہوا ہے۔ ایسی شخصیت کے متعلق یہ کہنا غیر معقول نہیں ہے کہ مافوق الفطرت طریقہ سے دنیا میں آپ کا آنا آپ کی اس زندگی کا موزون آغاز تھا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ جیسی شخصیت کے علاوہ کسی اور کے متعلق مافوق الفطرت پیدائش کا خیال ہی محال ہے۔

آٹھواں باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات پر

مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ حضرت مسیح کے معجزات ہی آپ کی الوہیت کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر آپ کی الوہیت کے ثبوت میں آپ کے معجزات پیش کرنا ایک دعویٰ کو دوسرے دعویٰ سے ثابت کرنا ہے۔ صفحہ ۱۹۳ وغیرہ۔

۲۔ اگر واقعی اس قسم کا کوئی واقعہ مثلاً مردہ زندہ کرنا آپ سے ظہور میں آتا تو یہودی بجائے آپ کی موت کا منصوبہ باندھنے کے موت تک آپ کے وفادار رہتے۔ صفحہ ۱۹۲ وغیرہ۔

۳۔ حضرت مسیح کے معجزات دوسرے انبیاء کے معجزات سے جو نوشتوں میں مرقوم ہیں۔ بہت مختلف نہیں ہیں بلکہ بعض حالتوں میں ان کی حیثیت دیگر انبیاء کے معجزوں سے بھی گری ہوئی ہے۔ لیکن ان انبیاء کو الوہیت کا مرتبہ دینے کا کبھی کسی کو خواب میں بھی خیال نہیں آیا۔

۴۔ حضرت مسیح کی زندگی اس قسم کی ناممکن باتوں سے بھری ہوئی ہے کہ جنہیں کوئی نہیں کرسکتا۔ مثلاً شفا بخشنا۔ طوفان کو تھمانا وغیرہ۔ صفحہ ۲۰۲-۲۰۳

۵۔ اناجیل میں حضرت مسیح کی نشانیوں کا ذکر بکثرت ہے مگر انہی اناجیل کی بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نشانی دکھانے سے قاصر رہے مثلاً مرقس کی انجیل کے ۸ باب کی ۱۲ آیت میں صفائی سے نشانیوں کا انکار کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۸۔

۶۔ حضرت مسیح کے عجائب کام مابعد کی اختراع ہیں کیونکہ مرقس ۸ باب آیت ۱۲ میں نشانیوں کا صاف انکار موجود ہے۔ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۹۔

۷۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح نے اپنی معجزانہ قوت کا کبھی اپنے حق میں استعمال نہیں کیا مگر لوقا باب ۴ آیت ۳۰ اور یوحنا باب ۸ آیت ۵۹ میں ذکر ہے کہ آپ نے ایسا کیا۔ صفحہ ۱۹۸۔

۸۔ اگر حضرت مسیح خدا تھے تو ان کو پیشتر سے علم ہونا چاہیے کہ انجیر کا درخت بے پھل ہے اور اس تک جانے کی تکلیف نہیں گوارا کرتے۔ صفحہ ۱۹۸۔

۹۔ جو معجزات حضرت مسیح کی طرف منسوب ہیں۔ جب تک ان کا کافی ثبوت نہ دیا جائے توان کی اہمیت افسانہ سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔ صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۳۔

آٹھواں باب

معجزاتِ مسیح

سیدنا عیسیٰ مسیح کے عجیب وغریب کاموں کی مسلمانوں میں اس قدر شہرت ہے کہ آج تک جب کسی طبیب یا حکیم سے کسی لاعلاج مریض کے متعلق استدعا کی جاتی ہے تو عموماً ان کا جواب یہ ہوتاہے کہ کیا میں مسیح ہوں کہ مردے کو زندگی بخشوں ۔ چنانچہ اس کتاب کے مصنف کو ذیل کی رباعی ایک مسلمان دوست نے مسیح کی معجزانہ قوت کی عقیدت کے اظہار میں پیش کی تھی جو حسب ذیل ہے۔

جیتے تھے مُردے دم میں مسیحا کے نام سے
ہوتے تھے اچھے کوڑھی اوراندھے کلام سے
عزیز اب نجات کی ہر دم ہے آرزو
عیسیٰ مسیح حضرتِ عالی مقام سے

توبھی آج کل کے بعض مسلمان سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات کو غیر معتبر ٹھہرانے کی کوشش میں ہیں۔ مثلاً مولانا محمد علی میر جماعت احمدیہ لاہور نے اپنی کتاب محمد اینڈ کرائسٹ (محمد اور مسیح) میں جس کا اقتباس ہم پیش کرچکے ہیں یہی کوشش کی ہے اوران کی اس کوشش کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ

مسیح کی الوہیت کی تردید کریں اور حضرت محمد پر آپ کی فضیلت کا انکار کریں۔ یہ مصنف لکھتاہے اور قدیم مسیحی مناظرین کے دلائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتاہے کہ مصنف کے اس بیان میں کچھ سچائی ہے کہ حضرت مسیح کی الوہیت کا جتنا زبردست ثبوت آپ کے معجزات میں سمجھا جاتاہے آپ کی اور کسی بات میں نہیں مانا جاتا۔ آگے بڑھ کر یہ مصنف اپنے موضوع کو ثابت کرنے کے جوش میں فوراً یہ دعویٰ پیش کردیتاہے ۔" مسیحی مذہب کی مرکزی حقیقت یہی ایک معجزہ (آپ کا جی اٹھنا) ہے پس اگر مسیح مردوں سے جی نہیں اٹھا تو مسیحی ایمان اور مسیحی مذہب دونو باطل ہیں۔

عقل پرست مسلمانوں کے اس نقطہ خیال کو مدِ نظر رکھ کر یہ بتادینا ضروری ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات پر کیوں مسیحیوں کا متواتر ایمان رہا ہے اور یہ کہ مسیحی جماعت کے قدیم نقطہ نگاہ میں کیا غلطی ہے اوراس موضوع پر بحث کرنے میں مولانا محمد علی نے کہاں مغالطہ کھایاہے۔

مولانا محمد علی کا یہ فرمانا کہ اپنے پیغام کی صداقت کا یقین دلانے کے لئے نبی کو معجزہ کی ضرورت ہے ظاہر کرتاہے کہ نہ صرف وہ معجزات کے متعلق قدیم نگاہ کو درست تسلیم کرتے ہیں بلکہ معجزات کے وقوع میں آنے کے بھی قائل ہیں۔ اورپھر یہی بات ان کے اس قول سے بھی ثابت ہوتی ہے جہاں آپ کہتے ہیں کہ معجزات کا بہترین ثبوت ان کے اثر میں پایا جاتا ہے مگر مولانا موصوف نے معجزہ کی یہ کسوٹی اس بات کے دکھانے کے لئے مقرر کی ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات میں یہ تائیدی امر مفقود تھا۔ آپ دریافت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کو اپنے معجزات کے وسیلہ کیا کامیابی حاصل ہوئی اور پھر اس دلیل کے ذریعہ جو حسب ذیل ہے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح کو بہت کم کامیابی نصیب ہوئی۔

آپ لکھتے ہیں کہ اناجیل میں مختلف موقعوں پر اس قسم کے فقروں کا استعمال ہوا ہے کہ" بہتیرے اور" سب مسیح معجزہ سے شفایاب ہوئے ۔ اس لئے " بہتیرے اور" سب " بلکہ بھیڑ کی بھیڑآپ پر ایمان لے آئی ہوگی۔ اوراس سے مولانا موصوف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان معجزات کے باوجود جو اناجیل میں مرقوم ہیں حضرت مسیح کے شاگردوں کا شمار تھوڑا تھا۔ اب اگر معجزات واقعی ظہور میں آئے تھے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ۔ ان باتوں سے یہی ثابت ہوتاہے کہ یہ کہانیاں بعد میں اختراع کی گئی تھیں تاکہ حضرت مسیح کی تبلیغ کی صریح ناکامیابی کی تلافی ہوجائے۔

اس کے بعد انجیل کی سیدھی سادی جماعت کے باوجود خود اپنے بیان کی تلقیض کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس امر میں سارا قصور حضرت مسیح کا تھا آپ نے نہایت آزادی کے ساتھ استعارہ کا استعمال کیاہے۔ اوراپنے بیان کی تائید میں مولانا موصوف سیدنا عیسیٰ مسیح کے اس جواب کو پیش کرتے ہیں جو آپ نے یوحنا کو قید خانہ میں بھیجا تھا (ملاحظہ ہومتی باب ۱۱ آیات ۲ تا ۶)۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر حضرت مسیح نے لفظ غریب بطور

استعارہ کے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ آپ صرف غریبوں کو ہی انجیل نہیں سناتے تھے ۔ لیکن چونکہ آپ کے الفاظ کا مفہوم غلط سمجھا گیا اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ کی زندگی کے بیان میں ایسی کہانیوں کا اضافہ کیا جائے جن میں مردہ زندہ کرنے کا ذکر موجود ہو۔

معجزاتِ مسیح پر قرآن شریف کی شہادت

لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی کیا تشریح کی جائے کہ جن پر عموماً مسلمانوں کا پختہ ایمان ہے ۔اور جن سے سیدنا عیسیٰ مسیح کے ایک بڑے طبیب ہونے کی شہرت ماخوذ ہے۔ قرآن کی عبارت حسب ذیل ہے۔

" اور میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہوں اور خدا نے مجھ کو یہ قدرت دی ہے کہ تمہارے لئے مٹی سے پرند کی شکل کا ایک جانور بناؤں پھر اس میں پھونک ماردوں اور وہ خدا کے حکم سے اڑنے لگے اور خدا ہی کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا اور مردوں کو زندہ کردوں اور جو کچھ تم کھا کر آؤ اور جو کچھ تم نے اپنے گھروں میں سینت رکھا ہے وہ سب تم کو بتادوں۔ اگر تم میں ایمان کی صلاحیت ہے تو بیشک ان باتوں میں تمہارے لئے قدرت خدا کی بڑی نشانی ہے" (سورة آل عمران ۴۳ مقابلہ کرو سورة المائدہ آیت ۱۱۰ ۔

قرآن کی اس عبارت کو مد نظر رکھتے ہوئے مولانا محمد علی کے خیالات کے متعلق کیا کہا جائے۔ کیا عہد نامہ کی طرح قرآن پر بھی الزام لگایا جائے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی شہرت کی خاطر ان باتوں کا اضافہ کرنا ضروری سمجھا گیا ۔ مولانا موصوف نے خود اس وقت کو محسوس کیا اور آپ اپنی دلیل سے ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن میں حضرت محمد کے متعلق بھی استعارہ کا استعمال ہوا ہے اور سورة الاطفال کی ۲۴ویں آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہوئے " اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تم کو اس لئے بلاتا ہے کہ جو تمہیں زندگی دیتا ہے"۔ آپ لکھتے ہیں ۔ " رسول جو مردوں کو زندہ کرتا ہے ۔ اس سے مراد احیائے روحانی ہی ہوا کرتا ہے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ مسیح نے مُردے زندہ کئے تو ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس سے لاکھوں درجہ بڑھ کر مُردے زندہ کئے "۔ بیان القرآن فائدہ نمبر ۱۲۲۴ ۔

یوں مولانا موصوف کے خیال میں نہ صرف سیدنا عیسیٰ مسیح بلکہ حضرت محمد کے لئے بھی لکھا ہے کہ آپ نے مُردے زندہ کئے۔ غرضیکہ قرآن کے الفاظ کا جو مطلب حضرت محمد کے لئے نہیں نکال سکتے وہ حضرت عیسیٰ کے لئے بھی نہیں نکال سکتے مولانا محمد علی بیان القرآن کے فائدہ نمبر ۴۳۲ میں سورة آل عمران کی ۴۸ آیت (آیت ۴۳ بہ مطابق بیان القرآن) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کلام میں مجاز اور استعارہ کا استعمال بہت پایا جاتا ہے ۔" اور سیدنا مسیح کے معجزہ مٹی کے زندہ پرند بنانے کے متعلق جس کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے لکھتے ہیں

کہ اگر لفظ طیر (پرند) کے مجازی معنے لئے جائیں تو اس میں اعجاز کا رنگ یا نبی کی شان کے شایاں کوئی کام نہ رہا۔ بلکہ یہ زیادہ تر ایک کھیل اور تماشہ کی صورت رہی اور نبی کی شان سے یہ امر بعید ہے کہ ان لوگوں کی طبائع کو جن کی اصلاح کے لئے وہ آتا ہے ایسے کھیلوں کی طرف متوجہ کرے"۔ اور پھر فعل تخلیق کی تشریح کرتے ہوئے جس کا استعمال سیدنا عیسیٰ مسیح کے حق میں قرآن میں ہوا ہے لکھتے ہیں " جب ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو خلق بمعنے پیدا کرنا صرف ذات باری کا خاصہ قرار دیا گیا ہے۔ خواہ وہ خلق مادہ سے ہو یا بغیر مادہ کے ۔۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ نے خلق یا پیدا کرنے کے متعلق اپنا قانون اصولی رنگ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے اور کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں"۔

علامہ یوسف علی سورۃ آل عمران کی ۴۸ویں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " مٹی کے پرند بنانے کے معجزوں کا ذکر بعض موضوعہ اناجیل میں بھی آیا ہے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشنے اور مُردے زندہ کرنے کے معجزوں کا بیان ان اناجیل میں آیا ہے جو مستند سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اصلی انجیل ایسے قصوں پر مشتمل نہیں تھی جنہیں شاگردوں نے بعد میں لکھ لیا تھا بلکہ اس میں وہ حقیقی تعلیم درج تھی جو حضرت مسیح نے خود سکھائی تھی"۔

یہ مفسرین اپنے اس دعویٰ کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے کہ انجیل میں ان واقعات کا جن میں معجزات کا ذکر ہے بعد میں اضافہ کیا گیا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سب سے قدیم انجیل میں جو آج تک موجود ہے ان معجزات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بہر حال ہمیں مولانا محمد علی کے اس خیال سے پورا اتفاق ہے کہ مٹی کے پرند بنا کر اڑانا سیدنا عیسیٰ مسیح کے شان شایاں کوئی کام نہ تھا۔ اور اسی لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کلیسیا ان موضوعہ اناجیل کو رد کرتی ہے جن سے اس قسم کی کہانیاں جو قرآن میں ہیں ماخوذ ہیں۔

لیکن اناجیل کا غیر متعصبانہ مطالعہ کرنے والوں کے لئے مجازی الفاظ کے سمجھنے میں کسی قسم کے مغالطہ میں پڑنے کا امکان نہیں ہے۔ مولانا موصوف کی اس آیت کے مقابلہ میں جو انہوں نے قرآن سے پیش کی ہے (سورۃ الانفال آیت ۸) ۔ انجیل میں بھی بہتیری ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں کہ جن میں سیدنا عیسیٰ مسیح کی تعلیم واقعی استعارہ یا مجازی الفاظ میں دی گئی ہے مثلاً یوحنا باب ۶ آیت ۶۳ ۔ مگر جہاں الفاظ کا حقیقی اور مجازی مفہوم مراد ہے۔ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کی گڑبڑی نہیں ہوتی۔

لیکن سخت حیرت ہے کہ مولانا محمد علی نے اناجیل کے مطالب کو بگاڑ کر معجزات کے بیان سے کیسا غیر معقول نتیجہ نکالا ہے۔ اگر ہم معجزات کے اس ایک پہلو ہی کو لیں جس پر انہوں نے کافی زور دیا ہے۔ یعنی سیدنا عیسیٰ مسیح کے شاگردوں کی تعداد تو یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ کیوں مولانا موصوف بیان کے اس سلسلہ میں صحیح نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر رہے۔ مثال کے طور پر انجیل کے اس واقعہ کو لیجئے جس سے مولانا ضرور واقف ہونگے کہ جب سیدنا عیسیٰ مسیح کے وسیلہ دس کوڑھی شفایاب ہوئے اور صرف ایک لوٹ کر

خدا کی تمجید کرنے کو واپس آیا تو مسیح نے تعجب کرکے کہا کہ سوا اس پردیسی کے اور نہ نکلے جو لوٹ کر خدا کی تمجید کرتے (لوقا باب ۱۷ آیات ۱۱ تا ۱۹)۔اسی طرح جب یوحنا بپتسمہ دینے والے نے قید خانہ سے اپنے شاگردوں کو سیدنا عیسیٰ مسیح کے پاس بھیج کرآپ کے متعلق استفسار کیا تھا تو اس موقعہ پر اگرآپ نے واقعی اندھے کو بینائی نہیں بخشی تھی ۔لنگڑوں کو چلنے کی طاقت نہیں دی تھی۔ کوڑھی کو چنگا نہیں کیا تھا۔ بہرے کو سننے کی قوت نہیں عطا کی تھی اور مُردے کو زندہ نہیں کیا تھا تو جو جواب آپ نے یوحنا کو بھیجا تھا اس کا مفہوم کیا تھا۔ یعنی اگر واقعی یوحنا کے شاگردوں نے اس گھڑی ان معجزات کا بچشم خود مشاہدہ نہیں کیا تھا توآپ کا جواب یوحنا کے لئے بے معنی تھا۔ دیکھو متی باب ۱۱ آیات ۴تا ۶ اور لوقا باب ۷آیات ۱۸ تا ۲۳۔

مسیحی کلیسیا اور سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات

معجزات مسیح کے متعلق ایک دقت یہ ہے کہ عرصہ سے مسیحیوں نے انہیں مذہب کی بُرہانی باتوں میں شمار کیا ہے۔اور انہیں ایسی نشانیاں قرار دی ہیں جو مسیحیت کی سچائی پر حجت ہیں یا یوں کہئے کہ اس کی حقانیت کے گویا مفید ثبوت ہیں۔

جب کبھی مسیحی مذہب کی سچائی کے ثابت کرنے کی کوشش معجزات کی بنا پر کی جائے ۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ مذہب کی حقانیت کی بنیاد کمزور ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس قسم کے دلائل مسیحیت کی حمایت میں پیش کئے جا چکے ہیں مثلاً ہم پڑھتے ہیں کہ ۸۷۳ء میں ابن طولون کی ایک مسیحی راہب سے ملاقات ہوئی جس نے بلا دریغ یہ اقرار کیا کہ مسیحیت عقلی دلائل سے بالکل معرا ہے۔۔۔۔ اس کے خیال میں سمجھدار لوگوں نے اس مذہب کو محض ایسے معجزات کی بنا پر قبول کیا تھا جن کے سمجھنے سے عقل معذور تھی۔

لیکن آج مسیحی نقطہ نگاہ اس مسئلہ کے متعلق بالکل بدل چکا ہے ۔ مسیحیت کی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم آپ کی الوہیت کے ثبوت کے لئے ان کے محتاج ہیں۔ کیونکہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ الوہیت اچنبھے کاموں ہی میں پائی جائے۔آج کل مسیحی علما کے خیال میں مسیحیت کی صداقت کی دلیل سیدنا عیسیٰ مسیح کی روحانی شخصیت پرموقوف ہے۔ اورآپ کی شخصیت کا اظہار اس قسم کی باتوں سے ہوتاہے۔ مثلاً یہ کہ جنہیں آپ نے تندرست کیا تھا ان کے متعلق آپ کا زاویہ نگاہ کیا تھا۔ یعنی آپ کا فخر اس بات پر تھا کہ خدا کے بڑے بڑے کام کا ظہور آپ کے وسیلہ ان لوگوں کی زندگی میں ہورہا تھا ۔ہمیں کامل یقین ہے کہ جسمانی اور دماغی بیماریوں کے متعلق آپ کا نقطہ نگاہ اس قسم کا تھا جو آج بہتیرے شریف النفس طبیبوں اور جراحوں کا ہے یعنی چاہیے کہ بیماریوں کا وجود ہی نہ رہے اور جہاں ان کا وجود ہے ہمیں ان کے دور کرنے کی کوشش کرنا لازم ہے ۔ اور قدیم کلیسیا کا بھی یہی نقطہ نگاہ تھا۔

اس زمانہ میں معجزات سے روح القدس کی حضوری سمجھی جاتی تھی اوران سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ خدا کی قوت کلیسیامیں کام کررہی ہے۔

لیکن قرون وسطیٰ میں معجزہ کے متعلق یہ نقطہ نگاہ مفقود ہوگیا جس کا سبب یہ ہے کہ ایک خاص قسم کے معجزے اولیا اور زیارت گاہوں سے منسوب کئے جانے لگے۔ اوریوں سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات میں مسیحی ایسی باتیں متصور کرنے لگے جو تواریخی اعتبار سے درست نہیں تھیں۔ یہ مسیحی انجیل کے معجزات کو بجائے خدا کی محبت اوراس کی رحمت کا اظہار سمجھنے کے انہیں اس کی خاص عنایت کی دلیل سمجھنے لگے اور وہ ان معجزات کو سیدنا عیسیٰ مسیح کی رسالت کی سند میں اورآپ کی الوہیت پر کلیسیا عقیدہ کی تائید میں پیش کرنے لگے۔ یہ طریقہ استد لال فی الحقیقت کمزور تھا اور اٹھارویں صدی میں جب عقلیات کا دور شروع ہوااور کلیسیا کو متشککین کا مقابلہ کرنا پڑا تو اس طریقہ استد لال کی کمزوری بھی کلیسیا پر ظاہر ہوگئی ۔ اور تب معجزات کی حمایت کلیسیا کے لئے بجائے باعث فخر ہونے کے ایک بوجھ ثابت ہوا۔

سائنس کی ترقی اور مظاہر کائنات پر جدید عملی اصول کے اطلاق کے باعث کلیسیا کی یہ کمزور دلیل اس بنا پر رد کردی گئی کہ چونکہ نظام فطرت کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ اس لئے معجزوں کاوقوع ہی سرے سے ناممکن ہے۔ عقل پرستوں نے یہ دعویٰ کیا کہ انجیل کے معجزات کا وقوع میں آنا خلاف قانون فطرت ہے اوراس لئے ان کے بیان کی تواریخی حیثیت ساقط الاعتبار ہے

بعضوں نے انجیل کے ان موقعوں کو جہاں سیدنا عیسیٰ مسیح نے نشانی دکھانے سے انکار کیا ہے بیجا طور پر پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسیح نے کوئی معجزہ دکھایا ہی نہیں (دیکھو مرقس باب ۶آیات ۵، ۶، باب ۸آیت ۱۲)۔

جدید نقطہ نگاہ

لیکن یہ زوایہ نگاہ زمانہ حال میں کچھ بدل گیا ہے۔ بلکہ خود جدید مفکرین اب ماننے لگے ہیں کہ خدا شخصی طور پر انسان کی روح میں مداخلت کرتا ہے۔ یعنی یہ لوگ روحانی معجزہ کے جسے شخصی تبدیلی " کہتے ہیں نہ صرف امکان کے قائل ہیں بلکہ ان کا واقعی ظہور میں آنا بھی مانتے ہیں ۔ اور نہ ہی ہم اس کا انکار کرسکتے ہیں کہ گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ایسی شفا کے سبب جو اعتقاد اور ماہر نفسیات کے طریق علاج کے ذریعہ ظہور میں آئے ہیں سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزوں کی ایک کثیر تعداد انسانی تجربہ کی قید میں آگئی ہے ۔ ہمارے اس زمانہ میں دماغ کی قوای ذہنی کا انسان کے جسم پر غالب آنا ایک مسلمہ امر بن گیا ہے۔ اور یہ بات لوگ اب کثرت سے ماننے لگے ہیں۔ سراولیور لاج جیسے مشہور سائنسدان لکھتے ہیں ۔ " سائنس کی تحقیقات کی بنا پر ہمیں معجزات کا انکار محض اس لئے نہیں کرنا چاہیے کہ ان کا وقوع میں آنا محال تسلیم کرلیا گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح چیونٹی کے ٹیلہ اورمکھیوں کے چھتہ میں کسی انسان کی

مداخلت کرنا محال اور نہ خلافِ قانون ہے ۔ اسی طرح معجزات کا وقوع میں آنا بھی محال نہیں ہے"۔

اور یوں جدید مفکرین سیدنا عیسیٰ مسیح کے بہتیرے معجزوں کو جن میں بیماروں کو شفا بخشنے کا ذکر ہے تسلیم کرتے ہیں مگر انہیں معجزہ نہیں کہتے یہ معجزے اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق ایسی باتوں سے ہے کہ زمانہ حال میں ان کا لوگوں کو تجربہ ہوچکا ہے اوریہی وجہ ہے کہ یہ مفکرین نہ انہیں معجزہ سمجھتے ہیں اور نہ معجزہ کہتے ہیں۔ باقی رہے وہ معجزے جن کا تعلق فطرت کی قوتوں سے ہے تو ان کے خیال میں یہ ناقابل تسلیم ہیں کیونکہ ان کی نظیر ان مفکرین کو کہیں نہیں ملتی۔ لیکن غورطلب بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں گذشتہ صدی کے متشککین کے خیالات میں کتنی تبدیلی ہو گئی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اسٹراس اور رینان جیسے لوگ سیدنا مسیح کے کل معجزات کو محض افسانہ سمجھتے تھے۔ اب یہ جدید مفکرین کم ازکم ایک قسم کے معجزوں کے توقائل ہیں۔

لیکن یہ بحث ہم یہیں ختم نہیں کرسکتے بلکہ اب سوال یہ رہ جاتاہے کہ جب جدید مفکرین ایک طرف ذہنی قوت کے اثرکا جسم کے اوپر غالب ہونا مانتے ہیں اور دوسری طرف پرانے عقیدہ کے مطابق نظام فطرت میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں دیکھتے ۔ تو کیا اس سے ان کے خیال میں تناقض وارد نہیں ہوتا؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خیال خدا کو اس کے اپنے ہی دنیا کے مقرر کردہ نظام کی قید میں ایسا جکڑدیتا ہے کہ وہ انسان کی مدد کرنے سے معذور ہے۔ اس قسم کی باتیں سچ نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ جب مادی فطرت کا نظام انسانی ذہن کے اثر سے ٹل سکتاہے توخود خالق کی مرضی اوراس کا ادراک کیوں اس میں تبدیلی پیدا کرنے سے قاصر سمجھا جائے۔ ہمارے اس سوال سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ معجزے کی اس بحث میں دراصل خدا اور کائنات کے متعلق مسیحی نقطہ نگاہ کی صحت وعدم صحت کا مسئلہ درپیش ہے۔ انسان کی قوت قانون فطرت میں بہتیرے طریقوں سے اثر کررہی ہے ۔ ہمارے زمانہ کی بعض ایجادوں کو دیکھ کر ہمارے آباواجداد حیران رہ جاتے ۔ توہم دریافت کرتے ہیں کہ خدا جوزندہ اور صاحبِ ادراک ہے کیوں نہ فطرت کو جب چاہے اور جس طرح اس کی مرضی ہو مفید اغراض کے لئے استعمال میں لائے ۔ کیونکہ آخر کار فطرت سے یہی توظاہرہوتاہے کہ خدا اپنی مرضی کے حسب منشا جیسا چاہتاہے بناتاہے۔

عالم فطرت بھی انسانی جسم کی طرح خداہی کی کاریگری ہے۔ اور وہ خدا جو جسم کو تندرست کرتاہے۔ طوفان کو بھی تھماتا ہے۔ اور سیدنا عیسیٰ مسیح اسی خدا کے نام سے کلام اور کام کرتے تھے۔آپ اپنے کلام اور اپنی کل شخصیت اور روزانہ زندگی کی چال سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ خدا ہمارے اندازہ سے کہیں بڑھ کر ہمارے قرب اور صاحبِ قدرت اور پُرمحبت اور ہماری مدد کے لئے مستعد ہے۔ اگر سیدنا عیسیٰ مسیح نے ان معجزات کے متعلق جن کا تعلق فطرت کی قوتوں سے ہے ہم اس خیال کو ملحوظ خاطر رکھیں توہماری ذہنی دقت بہت کچھ

حل ہوجائیگی کہ ان کا تعلق اس قسم کے واقعات سے ہے جو ہماری دعاؤں کے جواب میں اب بھی خدا کی طرف سے ظہور پذیر ہورہے ہیں۔ مثلاً سخت طوفان کے وقت ہم ان کے لئے دعا کرتے ہیں جو سمندری سفر کے خطرہ میں ہیں توہماری دعا کا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ خطرہ کے وقت ان کو دلی اطمینان حاصل ہو اور کہ وہ اخلاقی حیثیت سے محفوظ رہیں۔ بلکہ اس دعا سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ واقعی حادثہ اور تباہی سے محفوظ رہیں۔ اب اس دعا کی تہ میں ایسے معجزے کے وقوع کا امکان موجود ہے جس کا تعلق فطرت سے ہے ۔ اوران معجزات کی ضرورت یہ ہے کہ دنیا کی کل فانی اور ستم انگیز قوتوں پر خدا کا غلبہ ظاہر ہو۔ اور ان میں خاص معجزہ سیدنا عیسیٰ مسیح کا دوبارہ جی اٹھنا ہے یعنی موت پر خدا کا غلبہ۔

معجزات کا انجیلی ثبوت

انجیل میں سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات کا ایسا کافی ثبوت موجود ہے کہ جن سے ان کے متعلق پرانے خیالات کی تردید ہوجاتی ہے۔ آپ کے معجزات محض کرشموں یا اچنبھے واقعات کے مظاہر نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے شفا بخش معجزوں سے آپ کی گہری شفقت کا اظہار ہوتا تھا۔جب کبھی لوگوں کے ایمان کے باعث آپ نے جسمانی اور دماغی بیماری کے مریضوں کو تندرست کیا توصرف اس لئے کہ یہ آپ کی طبیعت کا تقاضا تھا۔ پھر آپ کے بعض معجزے ایسی نشانیاں تھیں جن سے ضمناً آپ کے دعاوی کا مثلاً آپ کے مسیح ہونے کی تصدیق ہوتی تھی۔ دوسرے معجزے جیسے انجیر کے درخت کا آپ کے حکم سے سوکھ جانا اعلیٰ روحانی حقیقتوں کی تمثیلیں تھیں۔ یہ موخر الذکر معجزہ یروشلیم کے خلاف الہیٰ فیصلہ کی عملی تمثیل تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کی برگزیدہ قوم بنی اسرائیل کی روحانی زندگی سوکھی جارہی تھی کیونکہ اگرچہ وہ مذہب کا دعویٰ کرتے تھے توبھی خدا کے سامنے ان کی زندگی پھلدار نہیں تھی۔

نہ ہی سیدنا عیسیٰ مسیح نے کبھی اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے (متی باب ۴آیت ۱ تا ۱۱) اورنہ ہی کسی منکر کو قائل کرنے کے لئے معجزے کئے۔(مرقس ۸آیات ۱۱، ۱۲، متی باب ۶ آیات ۱ تا ۴۔ لوقا باب ۲۳آیات ۸تا ۱۰)۔ چنانچہ ایک مصنف کا بیان ہے کہ روحانی حقیقت روحانی طور سے ہی سمجھی جاتی ہے اور پھر سمجھ بھی وہی سکتے ہیں جن کا دل بچوں کی مانند ہے۔ یہ حقیقت اس طرح سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کسی مافوق الفطرت قوت کے ذریعہ انسان کے احساس کو خیرہ اور عقل کو بے حس کردیا جائے۔

علاوہ اس کے ان لوگوں کے حق میں جن کے اندر ایمان بھی شروع ہی ہوا تھا ۔ سیدنا مسیح کے خیال کے مطابق آپ کے معجزات اعلیٰ قسم کے ثبوت تھے۔ لیکن آپ بخوبی واقف تھے کہ جن میں ایمان مطلق نہیں ہے ان کو معجزوں کے ذریعہ کچھ نہیں سکھاسکتے ۔ بلکہ اس سے ان کے اندر محض جسمانی فائدہ کی خاطر اضطراب اورجوش پیدا ہوجاتاہے۔ جس سے ان کی توجہ آپ کی تعلیم سے ہٹ جاتی ہے ۔ اس سلسلہ میں آپ کے متعلق اس ایمان کے مفہوم پر بھی غور

کرنا چاہیے جہاں لکھاہے آپ جانتے تھے کہ انسان کے دل میں کیا کیا ہے (یوحنا ۲آیات ۲۳، ۲۴)۔اس قسم کےایمان پر آپ اعتبار نہیں کرتے تھے جہاں لوگوں کے ایمان کا تعلق اسی حد تک تھا جہاں تک ان کا عینی مشاہدہ کام کرسکتا تھا۔ اوراس لئے محض لوگوں کی متجسسانہ طبیعت کی تشفی کی خاطر " نشانی " دکھانے سے آپ برابر انکار کرتے رہے۔

پھر یہ بات بھی مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ کس طرح آپ ایمان اور دعا پر بار بار زور دیتے رہے۔ آپ نے بارہا فرمایا کہ آپ کے بڑے کام اور لوگوں کے ایمان کے درمیان لازمی تعلق تھا۔ اوراس حقیقت کو کہ ایمان کی دعا واقعات کا رخ پھیر دیتی ہے ۔ آپ لوگوں کے مشاہدہ میں آئے (دیکھو مرقس باب ۹ آیت ۲۳، باب ۱۰ آیت ۲۷)۔

معجزات کے ثبوت جو انجیل میں پائے جاتے ہیں قابل غور ہیں اوراب ہم ان کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ سب سے پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ متشککین کے اس خیال کے برعکس کہ معجزوں کا بیان بعد کی اختراع ہیں حقیقت یہ ہے کہ انجیلی بیانات کا پیرایہ اس قسم کا ہے کہ معجزہ اور غیر معجزہ کے حصوں میں ایک حقیقی ربط موجود ہے یعنی اگرایک حصہ کو دوسرے سے علیحدہ کردیا جائے تو سارا مطلب خبط ہوجاتاہے ۔ مثلاً سیدنا عیسیٰ مسیح کے ان اقوال پر غور کیجئے ان میں آپ سے معجزوں کے صدور ہونے کی حقیقت مستلزم اور متضمن ہے۔

تندرستوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو۔ مرقس باب ۲ آیت ۱۷ ۔

شیطان کو شیطان کس طرح نکال سکتاہے ۔ مرقس باب ۳آیت ۲۲ تا ۳۰۔

" کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں "؟ نبی اپنے وطن اوررشتہ داروں اور اپنے گھر کےسوا اورکہیں بے عزت نہیں ہوتا"اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھاسکا۔ سوا اس کے کہ تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کرانہیں اچھا کردیا۔ مرقس باب ۲ آیت ٦ ۔

یہ قسم دعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی ۔ مرقس باب ۹ آیت ۲۹ ۔

میں نے اسرائیل میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا ۔ متی باب ۸ آیت ۱۰ تا ۱۲ ۔

قیامت اور زندگی تومیں ہوں۔ یوحنا باب ۱۱ آیت ۲۵ ۔

علاوہ اس کے ان بیانات سے ایسی سنجیدگی اور عظمت نمایاں کہ جن سے بالخصوص معجزہ کرنے والے کی شان کاپتہ لگتاہے ۔ ان بیانوں میں بھی اناجیل موضوعہ اوراصل اناجیل کے بیانات کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ۔ حقیقی اناجیل میں سیدنا عیسیٰ مسیح رحیم و کریم کی حیثیت سے پیش کئے گئے ہیں جو انسانی ضرورت کو پورا کرنے اورانسان کے دکھ ودرد کو دور کرنے کے لئے

ہمیشہ مستعد نظر آتے ہیں ۔ لیکن موضوعہ اناجیل میں آپ کا نقشہ کچھ ایسا کھینچا گیا ہے جو بے ڈھنگا اور مکروہ ہے۔ اس سلسلہ میں بہتر ہے کہ ہم ان موضوعہ اناجیل سے کچھ اقتباس پیش کریں ۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان میں اور اصل انجیل کے صحیح بیان میں کتنا فرق ہے ۔ بالخصوص اس کہانی کا بیان جس میں مٹی کے پرند بنانے کا ذکر ہے اور جس سے قرآنی بیان فی الواقعی ماخوذ ہے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ بیان حسب ذیل ہے جو انجیل تھامس سے مقتبس ہے۔

" جب چھوٹا بچہ عیسیٰ پانچ سال کا تھا تو ایک روز کسی چشمہ کے کنارے کھیل رہا تھا اور اس کھیل کے موقعہ پر اس نے جھرنوں سے پانی لے کر چھوٹے چھوٹے تالاب بنائے اور پھر مٹی سانده کر باره پرند بنائے اور یہ سبت کا دن تھا اور بھی بہت سے چھوٹے بچے اس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اور ایک یہودی نے جب دیکھا کہ عیسیٰ سبت کے دن اس طرح کھیل رہا ہے تو اس نے جا کر فوراً اس کے باپ یوسف کو اطلاع دی کہ دیکھ تیرا بچہ چشمہ کے کنارے کھیل رہا ہے اور اس نے مٹی لے کر بارہ پرند بنائے ہیں اور یوں سبت کی بے حرمتی کی ہے۔ یوسف یہ سن کر اس مقام پر آیا جہاں عیسیٰ کھیل رہا تھا اور جو کچھ اس نے کیا تھا ۔ دیکھا اور چلا کر اس سے کہا۔ تو سبت کے دن ایسے کام کیوں کرتا ہے جن کا کرنا روا نہیں۔ مگر عیسیٰ نے اپنے دونو ہاتھوں سے تالی بجا کر مٹی کے پرندوں سے کہا اڑ جاؤ! اور یہ پرندے چہچہاتے ہوئے اڑ گئے اور یہودی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ اور جا کر اپنے سرداروں کو یہ ساری باتیں بتائیں جو انہوں نے عیسیٰ کو کرتے دیکھا تھا ۔ لیکن فقیہ حنا کا بیٹا یوسف کے ساتھ کھڑا تھا اور اس نے بید سے اس پانی کو جو عیسیٰ نے اکٹھا کیا تھا ادھر اُدھر کردیا۔ عیسیٰ یہ دیکھ کر غصہ ہوا اور اس سے کہا اے شریر بے دین اور بے وقوف ان تالابوں اور پانیوں نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ دیکھ اب سے تو بھی مرجھائی ہوئی ڈالی کی طرح سوکھ جائیگا اور تجھ میں نہ کوئی پتا لگیگا نہ جڑ اور نہ پھل ! اور اس لڑکے کا جسم فوراً بالکل سوکھ گیا۔ مگر عیسیٰ چلدیا اور یوسف کے گھر آیا۔ مگر اس لڑکے کے والدین جس کا جسم سوکھ گیا تھا اس لڑکے کو اٹھا کر اور اس کی جوانی کا ماتم کرتے ہوئے یوسف کے پاس لائے اور اس کو ملامت کرنے لگے کہ تیرے اس لڑکے کی ایسی کرتوتیں ہیں۔

پھر ایک اور موقعہ پر عیسیٰ گاؤں میں سے گذر رہا تھا اور ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور اس کے شانوں سے ٹکرایا۔ اور عیسیٰ کو غصہ آیا اور اس نے لڑکے سے کہا تو اپنی دوڑ ختم نہیں کر پائے گا۔ اور وہ لڑکا فوراً مر گیا۔ مگر جب بعض لوگوں نے اس ماجرے کو دیکھا تو کہنے لگے " یہ لڑکا کہاں سے پیدا ہوا ہے کہ جو بات اس کے منہ سے نکلتی ہے فوراً پوری ہوجاتی ہے " اور اس لڑکے کے والدین جو مر گیا تھا ۔ یوسف کے پاس لائے اور بولے کہ تو جس کا ایسا لڑکا ہے ہمارے گاؤں میں نہیں رہ سکتا ور نہ اسے سکھا کہ لعنت کرنے کے بجائے یہ برکت دے۔ اور یوسف نے عیسیٰ کو الگ لے جا کر تنبیہ کی اور کہا کہ تو کیوں ایسے کام کرتا ہے جس سے یہ لوگ ہمیں تکلیف دیتے ہیں اور ہم سے نفرت کرتے اور ہمیں ستاتے ہیں؟ عیسیٰ نے جواب دیا کہ " میں جانتا ہوں کہ یہ تیری اپنی

باتیں نہیں ہیں ۔بہتر میں تیری خاطر خاموش رہتا مگر یہ اپنی سزا آپ بھگتینگے"۔ اور جن لوگوں نے عیسیٰ کی شکایت کی تھی فوراً اندھے ہوگئے ۔ اور جب لوگوں نے یہ ماجرا دیکھا تو ڈر گئے اور پریشان ہوئے اور اسکے متعلق کہنے لگے کہ ہر لفظ جو اس کے منہ سے نکلتا ہے خواہ بھلا ہو یا برا پورا ہوجاتا ہے اور ایک اچنبھے کی بات بن جاتی ہے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد عیسیٰ ایک مکان کی بالائی منزل پر کھیل رہا تھا اور ان بچوں میں سے ایک بچہ جو اس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ مکان کی اس منزل پر سے گر کر مر گیا۔ باقی یہ بچے دیکھ کر بھاگ گئے عیسیٰ وہاں اکیلا رہ گیا۔ اور اس لڑکے کے والدین نے آکر عیسیٰ پر یہ تہمت لگائی کہ اس نے لڑکے کو نیچے گرادیا ہے اور عیسیٰ نے کہا میں نے اسے نہیں گرایا۔ مگر اس کے والدین پھر بھی عیسیٰ کو بُرا بھلا کہتے رہے۔ تب عیسیٰ نے چھت پر سے چھلانگ ماری اور اس لڑکے کی نعش کے پاس کھڑے ہو کر زور سے پکار کر پوچھا ۔" اے زینو! اٹھ اور بتا کہ میں نے تجھے نیچے گرایا"؟ اور فوراً وہ لڑکا اٹھ کھڑا ہوا اور بولا " نہیں خداوند نے مجھے نہیں گرایا بلکہ زندہ کردیا"۔ اور جب لوگوں نے یہ دیکھا تو حیران ہوئے اور لڑکے کے والدین نے اس نشانی کے سبب جو ظہور میں آئی خدا کی تمجید کی اور عیسیٰ کو سجدہ کیا۔

اور عیسیٰ نے استاد سے کہا اگر تو واقعی استاد ہے اور حروف کو اچھی طرح جانتا ہے تو مجھے الف کی قدرت بتا اور میں تجھے بے (ب) قدرت بتاؤنگا۔ استاد کو غصہ آیا اور اس کے سر پر مارا جس سے اس چھوٹے بچے کو چوٹ لگی اور اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ اور استاد فوراً منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور بچہ یوسف کے گھر واپس آیا۔ اور یوسف غمگین ہوا اور اس کی ماں کو کہا کہ اب سے اسے گھر کے باہر نہ جانے دو کیونکہ جو اسے غصہ دلاتا ہے مر جاتا ہے۔"

اب اگر واقعی انجیل کے معجزے وقوع میں نہیں آئے تو کیا سبب ہے کہ حقیقی انجیلوں میں اس قسم کی دوراز کار کہانیاں نہیں پائی جاتیں۔ اگر انجیل نویسوں کے پاس صحیح واقعات قلمبند کرنے کو نہ ہوتے تو موضوعہ اناجیل کے راویوں کی طرح ضرور وہ بھی اسی قسم کی غلطیوں کے مرتکب ہوتے غرضیکہ جس قسم کی کہانیوں سے یہ موضوعہ اناجیل بھری پڑی ہیں۔ قومی افسانے ایسی ہی بے تکی باتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

نہ ہی انجیلی بیانات کے وجود میں آنے کا سبب لوگوں کی سریع الاعتقادی تھی کیونکہ خود ان بیانات کی شہادت اس کے خلاف ہے چنانچہ اس قسم کے جملے اس امر پر شاہد ہیں " ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا "(متی باب ۹ آیت ۳۳)۔ دنیا کے شروع سے کبھی سننے میں نہیں آیا۔ کہ کسی نے جنم کے اندھے کی آنکھیں کھولی ہوں (یوحنا باب ۹ آیت ۳۲)۔ لوگ یہ دیکھ کر (مفلوج کا اچھا ہونا) ڈر گئے اور خدا کی بڑائی کرنے لگے۔ جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا (متی باب ۹ آیت ۸)۔ غرضکہ ان دنوں میں بھی عجیب کرشموں کا

لوگوں پروہی اثر ہوتا تھا جو جادو کا ہوتا ہے مگر جو لوگ صاف دل تھے ان دونوں کا فرق جانتے تھے۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کے دشمن بھی آپ کے معجزوں کا انکار نہ کرسکے۔ لیکن غیظ وغضب میں بھر کر انہوں نے ان معجزات کے وقوع میں آنے کی یہ وجہ بتائی کہ اس میں بدروح ہے" ملاحظہ ہو متی باب ۱۲ آیت ۳۴۔ مرقس باب ۳آیت ۲۲۔ لوقا باب ۱۱ آیت ۱۵۔ اور یوحنا باب ۱۰ آیات ۱۹ تا ۲۱۔

بہر حال سیدنا عیسیٰ مسیح کے معجزات کا قابل یقین ہونے کے لئے اگرچہ انجیل کی شہادت نہایت ضروری ہے توبھی ان کےقابل اعتبار ہونے کا مدار صرف انجیل ہی کی شہادت پر نہیں بلکہ خودآپ کی شخصیت پر ہے۔آپ جن صفات سے متصف ہیں ان کی بنا پرآپ سے معجزوں کا صدور تسلیم کرلینا آسان ہے۔آپ کی زندگی ہمارے مشاہدہ میں ایسی نیک نظرآتی ہے کہ جس میں ذرا بھر بھی کدورت کی گنجائش نہیں ہے۔ اورجوہر قسم کے گناہ سے پاک ہے اور یہ تمام معجزوں سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ آپ اس قدر نیک ہیں کہ ہر قوت جس کی آپ کوضرورت ہے ۔احتیاط کے ساتھ استعمال میں لانے کی غرض سے خدا آپ کو ودیعت کرتاہے اورآپ کے حق میں اس اندیشہ کی بالکل گنجائش نہیں کہ ان لوگوں کی طرح جن میں نیکی کی کمی ہے آپ بھی اپنی اس قوتِ موہوبہ کاغلط استعمال کرینگے ۔ چنانچہ بیابان میں آپ کی آزمائش کے واقعہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی قوت کے استعمال میں بڑے ضبط کے ساتھ کام کیا۔

آخری بات اس کے متعلق یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کو تواریخ میں وہ جگہ حاصل ہے جو کسی نے کبھی نہیں پائی ۔ آپ کے ظہور سے ایک نئے دور کاآغاز ہوتاہے۔ تو کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے کہ آپ کے معجزے جیسی بے نظیر باتیں آپ کے زمانہ میں واقع ہوئیں۔ بہر صورت اناجیل بے نظیر واقعات ہی کی شہادت دیتی ہیں۔ صرف خرابی اور بیماری ہی نہیں بلکہ قحط، طوفان اور خودموت اس شہزادہ زندگی کے سامنے مغلوب ہیں۔

نواں باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کی سیرت پر

مسلمانوں کے اعتراضات

۱ - حضرت مسیح نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ہاتھ توبہ کا بپتسمہ لیا- جس میں گناہ کا اقرار بھی شامل تھا اور یوں اپنی گنہگاری پرخود مہر لگادی(صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴)-

۲ - بپتسمہ گناہ کے دھلنے کی نشانی ہے مسیح نے بپتسمہ لیا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بپتسمہ سے قبل مسیح کامل طورپر راستباز نہیں تھے- اوریہی سبب ہے کہ بپتسمہ کے بعد خدا کے روح کو اپنے اوپر اترتےدیکھا -(صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴)-

۳- شیطان نے آپ کو آزمایا اور یہ آپ کی کامل بے گناہی کے خلاف ہے(صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶)-

۴- مسیح کی زندگی میں اور گنہگاروں کی طرح گناہ کا اقرار اور توبہ پایا جاتاہے- اور گنہگاروں کے اعمال کی طرح آپ کے اعمال بھی تھے- (صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹)-

۵- مسیح نے ایک کسبی کو اپنے اوپر عطرملنے کی اجازت دی جو اس کی حرام کی کمائی کا تھا اور اپنے بدن کو اس سے مس ہونے دیا-

۶ - عیسائی مانتے ہیں کہ مسیح جہنم میں گیا جو بدکاروں کی جگہ ہے اس سے بڑھ کر صریح ثبوت مسیح کے گنہگارہونے کا اور دوسرا نہیں مل سکتا-

۷- مسیح نے خدا پر بے اعتقادی ظاہر کی کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ اے میرے خدا اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا-(صفحہ ۱۶۰)-

۸- مسیح نے نیک ہونے کا انکار کردیا- اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے تھے(صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷)-

۹ - اگر مسیح خدا یا خدا کے بیٹے تھے تو اپنے نیک ہونے کا کبھی انکار نہیں کرتے-

۱۰ - مسیح کے دشمنوں نے صلیب پر ان کا خاتمہ کردیا اور یوں جس بات کی اوروں کو نصیحت کرتے تھے کہ بنی نوع انسان کے ساتھ محبت سے پیش آؤ- اس پر خود عمل کرکے دکھانے کا ان کو موقعہ نہیں ملا-

۱۱ - ہمارا ایمان ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ کو برائی سے محفوظ رکھا(قادیانی)-

۱۲ - مسیح سے محبت کرنے میں ہم مسلمان عیسائیوں سے کم نہیں جتنے عزیزآپ عیسائیوں کوہیں ہمیں بھی ہیں-(صفحہ ۲۱۷)-

نواں باب

سیدنا عیسیٰ مسیح کی سیرت

کل مسلمان اس بات کو مانتے ہیں کہ پیغمبروں کی جماعت کی جماعت بے گناہ تھی ۔اور بعض اوقات اس کے ثبوت میں اس قرآنی آیت کو پیش کرتے ہیں۔

" اے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے جب کبھی کوئی رسول بھیجا تو اس پر ہم وحی نازل کرتے رہے کہ ہمارے سوا کوئی اور معبود نہیں توہماری ہی عبادت کرو۔۔۔۔ اس کے معزز بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرسکتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند رہتے ہیں "۔ سورۃ الانبیاء آیات ۲۵ ، ۲۷ ۔

مولانا محمد علی اس عبارت کی دوسری آیت کے متعلق بیان القرآن فائدہ نمبر ۲۱۴۶ میں لکھتے ہیں "۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے مقام کا ذکر ہے اور ان کی عصمت پر دلیل ہے۔ وہ نہ تو قول میں اللہ تعالیٰ پر سبقت کرتے ہیں ۔ نہ عمل میں یعنی وہی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے ۔ اور ان کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ پس نہ قولاً اور نہ عملاً وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ذرہ بھی انحراف کرسکتے ہیں ۔ یہی مقام عصمت ہے۔ اور یہ آیت انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر قطعی دلیل ہے "۔

بعض اوقات مسیحی مصنفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف سیدنا عیسیٰ مسیح ہی ایک بے گناہ پیغمبر ہیں۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کی صحیح ترجمانی ہے۔ قرآن سیدنا عیسیٰ مسیح کے اوصاف کے متعلق خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہے لیکن کہیں بھی قرآن صاف لفظوں میں آپ کی بلکہ کسی نبی کی بے گناہی کے متعلق نہیں کہتا۔

حضرت عیسیٰ کی بے گناہی پر اسلام کی گواہی

بہر حال قرآن کی عبارت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ دیگر انبیاء گناہ کے مرتکب ہوئے مگر قرآن یا کسی اسلامی کتاب میں سیدنا عیسیٰ مسیح کے گناہ کا خفیف سے خفیف اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اس کے برعکس عوام الناس کے اس عقیدہ کی تائید میں کہ حضرت عیسیٰ مسیح بے گناہ تھے یہ مشہور حدیث پائی جاتی ہے جسے بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے وہ حدیث یہ ہے۔

" پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ سوائے مریم مقدسہ اوراس کے فرزند کے کوئی ایسا بنی آدم نہیں ہے جس کو پیدا ہوتے وقت شیطان نہ چھوتا ہو یہی وجہ ہے کہ شیطان کے چھونے پر بچہ چلاتا ہے"۔ اس حدیث کی مفسر بیضاوی نے سورہ آل عمران کی اس ۱۳آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے"۔ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اوراس کی نسل کو شیطان مردود کے اغوا سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

یہ حدیث دوسری صورت میں اس طرح پیش کی گئی ہے ۔ فرمایا رسول اللہ نے شیطان آدم کے ہر بچہ کے پہلو میں اپنی انگلیاں چھوتا ہے سوائے عیسیٰ ابن مریم کے ۔شیطان نے حضرت عیسیٰ کے پہلو میں بھی انگلیاں چبھونا چاہا۔مگر اس کی انگلیاں باہر کی جھلی کے خول میں رک گئیں۔

خود قرآن کے بیان کے مطابق جبرئیل فرشتہ مریم مقدسہ سے کہتا ہے کہ اسے غُلَامًا زَکِیًّا پاک لڑکا پیدا ہوگا۔ سورہ مریم آیت ۱۹ ۔ بیضاوی کی تفسیر کے مطابق اس کا مطلب طاھرامن الذنوب یعنی گناہوں سے پاک ہے۔

لیکن آج کل ان باتوں کے باوجود بغض وعناد کی بنا پر احمدیوں کا دعویٰ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی سیرت مطلق بے عیب نہ تھی۔ اس امر میں پیش قدمی اس جماعت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے کی ۔ لیکن جب راسخ الاعتقاد مسلمانوں نے ان کے نارو اور ناجائز رویئے کے خلاف ناراضگی اور غصہ ظاہر کرنا شروع کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اپنے بچاؤ کی صورت اختیار کی یہ میرا حملہ قرآنی حضرت عیسیٰ پر نہیں بلکہ اناجیل کے یسوع پر ہے ۔مگر ان کا یہ عذر کسی کو بھی دھوکا نہ دے سکا ۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کو انجیل کی عبارتوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور سیدنا عیسیٰ مسیح کو ذلیل کرنے کی غرض سے انہوں نے انجیل کی عبارتوں میں کھینچ تان کی ہے۔

لیکن مولانا محمد علی سیدنا عیسیٰ مسیح کی بے گناہی کی تردید دیگروجوہات کی بنا پر کرتے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ ہے اور بجا ہے کہ محض " بے گناہی " کسی کی عظمت کا ثبوت نہیں ہے ۔ بلکہ کسی کی عظمت اس کے ان اعمال پر منحصر ہے جو اس نے اپنے ہم جنس انسان کی بہبودی کے لئے کئے ہوں۔ مولانا موصوف کے خیال میں اگر اس معیار سے جانچا جائے تو حضرت محمد ہی تمام بنی نوع انسان کے بزرگ ترین محسن ثابت ہونگے۔ اور پھر حضرت محمد کے عہدہ رسالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس عہدہ پر مقرر ہونے کے لئے آپ کو حضرت عیسیٰ کی طرح کسی دوسرے آدمی سے بپتسمہ لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔

پس ہمارے لئے یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ کس طرح یہ احمدی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضرت عیسیٰ کی بڑی عزت وتوقیر کرتے ہیں جبکہ وہ آپ کو طرح طرح کے اخلاقی قصوروں کا مرتکب ٹھہرانے کی غرض سے انجیل کی عبارت کا زبردستی وہ مطلب نکالتے ہیں ۔ جس کا اصل عبارت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اور یوں ان احمدیوں کے اس قسم کے دعویٰ کی بھلا کیا اہمیت سمجھی جائے جوان کے ایک رسالہ میں شائع ہوا تھا کہ کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت عیسیٰ کو گالی دینے کا خیال دل میں نہیں لاسکتا۔ کیونکہ جس لمحہ وہ ایسے فعل کا مرتکب ہوگا۔ ہاں جس گھڑی وہ آپ کو خدا کا مقبول پیغمبر نہ سمجھ کر آپ کی تعظیم کرنا موقوف کردیگا اسی دم اس کا مسلمان ہونا بھی موقوف ہوجائیگا "(لائیٹ لاہور مورخہ ستمبر ۱۶ ۱۹۳۳ء)غرضکہ ہر شخص کے لئے خواہ وہ مسیحی ہو یا مسلم سیدنا عیسیٰ مسیح کے بے گناہ ہونے کا اگر کوئی مستند

اورقابل اعتبار ثبوت ہے تو وہ فقط اناجیل کا ہی واحد بیان ہے کیونکہ آپ کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کا ہمارے پاس اناجیل ہی واحد ذریعہ ہے۔

مولانا محمد علی اپنی ایک کتاب میں ایک اور مسیحی عقیدہ پر اعتراض کرتے ہوئے جس کا تعلق ہمارے اس مضمون سے ہے لکھتے ہیں ۔ مسیحیت اوراسلام میں اصولی فرق یہ ہے کہ اول الذکر کی یہ تعلیم ہے کہ انسان کا بچہ پیدائشی طورپر گنہگار ہے جبکہ موخر الذکر یہ سکھاتاہے کہ انسان کا بچہ ہر بے گناہی کی حالت میں پیدا ہوتاہے۔ اول الذکر کی تعلیم کے مطابق گناہ انسان کی فطرت میں بسا ہوا ہے اور کوئی انسان بغیر ابن اللہ کے عوضی کفارہ کے نجات حاصل کر نہیں سکتا۔ یہ نظریہ ہمارے لئے نفرت انگیز ہے ------ یہ کہنا کہ انسان پیدائش ہی سے گنہگار ہے اور گناہ انسان کی فطرت میں بسا ہواہے انسان کی نسبت رذیل رائے قائم کرنا ہے۔ اس مصنف کا بیان ہے کہ موروثی گناہ کی تعلیم اور اس پر ایمان رکھنا مسیحی مذہب کی بنیاد ہے۔

ظاہر ہے کہ مسلمان مصنف موروثی گناہ اور موروثی جرم میں امتیاز نہیں کرسکے۔ مسیحی موروثی جرم کے قائل نہیں ہیں۔

احمدی سیدنا عیسیٰ مسیح کی طرف گناہ منسوب کرتے ہیں

چونکہ احمدی حضرات موروثی گناہ کے مسئلہ سے کھینچ تان کر بہت کچھ اعتراض گھڑتے ہیں اور اس کی تشریح میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح خود بھی نسل انسانی کے اس توارثی گناہ کی آلائش سے نہ بچ سکے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ذرا صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کردیں کہ یہ بے گناہی جو سیدنا عیسیٰ مسیح کی طرف ہم منسوب کرتے ہیں درحقیقت اس کا مفہوم ہے کیا۔ بدقسمتی سے ہمارے بعض مسیحی مصنفوں نے سیدنا عیسیٰ مسیح کی بے گناہی پراس قدر زور دیا ہے کیونکہ جس فقرہ پر وہ اتنا زور دے رہے ہیں آحر وہ ایک سلبی فقرہ ہے اورایک سلبی بات کا ثابت کرنا ناممکن ہے ۔ علاوہ اس کے اس فقرہ سے یہ تصور نکلتاہے جو بالکل غلط ہے کہ اخلاقیات کے دائرہ میں کامیاب ترین انسان وہ ہے جو کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ برخلاف اس کے ہمارا اعتقاد اورایمان سیدنا عیسیٰ مسیح کے اخلاق اور سیرت کے متعلق سراسر ایجابی ہے۔ اور جس بات کی ہم آپ میں تعریف کرتے ہیں وہ آپ کی پوری زندگی کا بحیثیت مجموعی ایجابی اور کامل طور سے اس خدا کی مرضی کو پورا کرنے میں مصروف رہنا تھا۔ جسے آپ باپ کہتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کی سیرت کی اعلیٰ خوبیاں ہمارے ذہن میں آپ کی پُرزور ، سرگرم ، فیاض اور فتح مند محبت اور وفاداری ہے جو آپ کو خدا اور انسان کے ساتھ تھی جو آپ کی زندگی اور سب سے بڑھ کر آپ کی موت میں ظاہر ہوئی۔

غالباً اس فقرہ کے استعمال کی ابتدا ان علماء مسیحیت سے ہوتی ہے جنہوں نے یہ اظہار کرنے کی کوشش میں اس فقرہ کو رواج دیا کہ چونکہ آپ گنہگاروں کی خاطر عوضی کفارہ دینے کو مرے۔ اس لئے آپ گناہ کے امکان ہی پاک تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مافوق الفطرت طور

پر بے گناہ تھے۔ اور پھر اس یہودی تصور کا اثر بھی اس فقرہ میں موجود ہے کہ قربانی کے برہ کے لئے بے عیب ہونا ضرور ہے۔ بعض مسیحی علما نے یہ سمجھا کہ آپ کے بے گناہ ہونے کی وجہ اس حقیقت میں پائی جاتی ہے کہ آپ پاک کنواری سے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن در حقیقت اس قسم کے خیال میں دو قسم کی باتیں خلط ملط ہو گئی ہیں۔ یعنی گناہ کی طرف فطرت انسانی کا رحجان یا گناہ کرنے کا امکان اور دوسری بات گناہ بالفعل، حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی کسی فعل کو موروثی طور پر حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی ایسے فعل کا قصور وار ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ جس کا وہ مرتکب ہی نہیں ہوا۔ ہاں انسان کا گناہ کے ساتھ پیدا ہونا یا جسے زیادہ صاف الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایسی طبیعت لے کر دنیا میں آنا جو بُری آزمائش سے متاثر ہوسکتی ہے بالکل دوسری بات ہے۔

اس امتیازی فرق کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو نہ تو اس بات کے ماننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انجیلی بیانات میں اس بات کے ثبوت کی تلاش کی جائے کہ آپ مافوق الفطرت طور پر کل بُری آزمائشوں کے اثر سے محفوظ تھے۔ یقیناً فقط ماں سے بن باپ کے پیدا ہونا گناہ سے اس قسم کی بریت نہیں دے سکتا۔ پس بغیر کسی قسم کی بے ادبی کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہاں خدا ماں سے بن باپ کے پیدا ہونے والے بچہ کو اپنا مظہر بناسکتا ہے تو وہ اس بچہ کو بھی اپنا مظہر بناسکتا ہے جو ماں باپ دونوں سے پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال شوہر کا نہ ہونا، مریم مقدسہ کو بے گناہ ثابت نہیں کرتا۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کی بے گناہی پر اناجیل کی شہادت

الہیٰاتی مسلمات اور مفروضات سے خالی الذہن ہو کر سیدنا عیسیٰ مسیح کے اخلاقی چال چلن کے مسئلہ پر غور کرنا زیادہ تسلی بخش ثابت ہوگا۔

جب ہم پہلی تین انجیلوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو سوائے چوتھی انجیل کے جو خاص وجوہات کی بنا پر ان تینوں سے مختلف ہے۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کے چال چلن کے بارے میں کوئی خاص الہیٰاتی مسئلہ نہیں پاتے ۔ اس موضوع پر تین انجیلوں کا سکوت اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ متی، مرقس، اور لوقا نے اپنی مورخانہ حیثیت کے باعث انہی باتوں کو لکھا ہے ۔ جن کا تعلق الہیٰات سے نہیں بلکہ تاریخ سے ہے۔ ان مصنفین نے اپنا اپنا بیان اس خوبی اور صفائی سے قلمبند کیا ہے کہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے بیانات حقیقی زندگی پر مبنی ہیں اوران میں کوئی تصنع یا بناوٹی بات نہیں پائی جاتی۔ ان کے بیان سے پوری پوری سچائی ٹپکتی ہے جس سیدنا عیسیٰ مسیح کو وہ پیش کرتے ہیں وہ نہ سریع الاعتقاد اور نہ ہی سریع الحس ہے بلکہ ایک جواں مرد ہے جو صاحبِ عزم، دلیر، مستقل مزاج، مخالفوں کے اعتراضات کے جواب دینے میں تیز، فہم اور سر گرم، نا راستوں پر غصہ کرنے میں غضب ناک، ریا کاروں کو لعن طعن کرنے میں بیباک اور پھر بھی ان باتوں کے باوجود گناہ سے سراسر پاک ہے۔

تو بھی انجیلی بیانات میں کئی ایک ایسے واقعات پائے جاتے ہیں جواگرچہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی طرف کوئی گناہ منسوب نہیں کرتے لیکن پھر بھی سطحی نظر خداوند کی ذات کو بے گناہی کی حالت سے خارج کرتے ہوئے معلوم دیتے ہیں اور چونکہ احمدی حضرات نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح گنہگار تھے ان کا بار بار حوالہ دینا ہے۔ اس لئے ان واقعات کا ہم اجمالی ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کی اصلیت ظاہر ہوجائے۔

یہ خاص تین واقعات ہیں جن کے سمجھنے میں ذرا دقت معلوم ہوتی ہے۔

اوّل ۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کا بپتسمہ لینا (مرقس باب ۱آیات ۴، ۵، ۹۔ متی باب ۳آیات ۱۳ تا ۱۷)۔

یہاں لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ منجئی عالم نے کیوں ایسی رسم کو پورا کرنا قبول کیا جس کا پورا ادا کرنا دوسروں کے لئے گناہ کا قرار تھا۔

اس کے سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ہمیشہ بپتسمہ کی غرض وغایت دوسروں کے لئے بھی محض گناہ کے اقرار سے کہیں بڑھ کر تھی۔ حقیقت میں یہ سب کے لئے علانیہ مخصوصیت کا نشان تھا۔ جس سے زندگی کے ایک نئے دور کی ابتدا ہوتی تھی۔ چنانچہ پولوس رسول فرماتے ہیں۔

ہم جتنوں نے سیدنا عیسیٰ مسیح میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا۔۔۔۔ تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال سے مردوں میں سے جلایا گیا اسی طرح ہم بھی نئی زندگی کی راہ چلیں"۔ رومیوں باب ۶آیات ۳، ۴۔

سیدناعیسیٰ مسیح کے بپتسمہ کا بھی یہی مطلب تھا یعنی یہ آپ کی زندگی کے ایک نئے دور کی ابتدا تھی۔ لیکن آپ نے اس سے کہیں بڑھ کر اس کا مقصد اپنی زندگی کے لئے سمجھا۔ اس سلسلہ میں ذیل کی چند باتیں غور ہیں۔

۱۔ یہودیوں کے نزدیک روح القدس کا نزول" دورمسیحائی" کی ایک موعودہ علامت تھی ملاحظہ ہو۔ یوایل باب ۲آیات ۲۸، ۲۹۔ " میں اپنے روح کو سارے بشر پر ڈھالونگا اور تمہارے بیٹے بیٹیاں نبوت کرینگے اور تمہارے بوڑھے خواب دیکھینگے ۔ اور تمہارے جوان رویتیں۔ بلکہ میں انہیں دنوں میں اپنے روح کو غلاموں اور لونڈیوں پر ڈھالونگا"۔ بپتسمہ کے موقعہ پر روح کے سی نزول کا تجربہ سیدنا عیسیٰ مسیح کو ہوا جس کا ذکر سارے انجیل نویسوں نے کیا ہے۔ملاحظہ ہو مرقس باب ۱آیت ۱۰۔ متی باب ۳آیت ۱۶۔ لوقا باب ۳آیت ۲۲۔ یوحنا باب ۱آیت ۳۲۔

۲۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کا اس رسم کو ادا کرنا آپ کے عہدہ مسیحائی کے لئے آپ کی علانیہ مخصوصیت کا یہ ایک نشان تھا اور راستبازی کا یہ وہ حصہ تھا جس کا پورا کرنا سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنا فرض سمجھا۔ ملاحظہ ہو متی باب ۳آیت ۱۵۔

۳۔ علاوہ اس کے بپتسمہ کی رسم کی ادائیگی سے سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنے آپ کو بہ حیثیت ابن آدم کے نسل انسانی کا شریک کیا۔ چنانچہ اس موقعہ پر آپ کے اس قول سے خود یہ ظاہر ہوتاہے "۔ کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنی مناسب ہے(متی باب ۳آیت ۱۵)"۔ اور پھر عبرانیوں کے خط کے لکھنے والے کا یہ قول بھی اس پرشاہد ہے" اس کو سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بننا لازم ہوا"۔ (عبرانیوں باب ۲آیت ۱۷) پس اس کا مطلب یہ ہے کہ بہ حیثیت ابن آدم کے آپ نے بپتسمہ لیا۔ آپ عوام الناس میں شامل ہوئے اور اپنے آپ کو ان کا شریک سمجھا ۔لیکن توبھی بے گناہ رہے اس رسم کے بعد ہی آپ کو سخت آزمائش آئی کہ آپ لوگوں سے اپنے آپ کو دوررکھیں۔ اور بہ حیثیت ابن اللہ ہونے کے اپنے آپ کو ان سے افضل سمجھیں۔ مگر یوں آپ نے تجسم کی غرض کو اس طرح پورا کیا کہ بپتسمہ کی رسم کو ادا کرنے کے کل بنی نوع انسان کا اپنے آپ کو شریک ظاہر کیا۔ توبھی یہ بات قابل غور ہے کہ آپ کے بپتسمہ میں اس بات کا ذرا بھر اشارہ نہیں پایا جاتا کہ آپ نے پاکیزگی کی ضرورت محسوس کی یا آپ نے کسی گناہ کا اقرار کیا۔

دوم۔ سیدنا عیسیٰ مسیح کی آزمائش ۔ پہلی تین انجیلوں کے بیانوں سے یہ حقیقت صاف آشکارا ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح واقعی آزمائے گئے ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو مرقس باب ۱آیات ۱۲ ، ۱۳ ، متی باب ۴آیات ۱ تا ۱۱ ۔ لوقا باب ۴آیات ۱ تا ۱۳ ۔ اوراسی خیال کا اظہار عبرانیوں کے خط سے ہوتاہے جیسا کہ اس خط میں لکھاہے " اس نے خودہی آزمائش کی حالت میں دُکھ اٹھایا (باب ۲آیت ۱۸)۔ اورپھر یہ کہ " وہ ساری باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا "(باب ۴آیت ۱۵)۔

اب ہم اس صریح بیان سے کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں ؟ یقیناً یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ آپ آزمائے گئے اس لئے گنہگار تھے ۔ ہر گز نہیں۔ کیونکہ آزمائش سے گناہ کا ارتکاب لازم نہیں آتا۔ چنانچہ یعقوب رسول فرماتے ہیں کہ آزمائش صبر پیدا کرتی ہے اور وہ آدمی جو صبر کی برداشت کرتاہے اوراس پر غالب آتاہے قابل ستائش ہے(یعقوب باب ۱آیات ۲، ۱۲)۔

سچ تو یہ ہے کہ صحیح معنوں میں آپ کی آزمائش نہیں ہوسکتی تھی اگر واقعی آپ میں اس بات کا امکان نہ ہوتا کہ اگر آپ چاہتے توآزمائش میں گرسکتے تھے مگر اناجیل اس امر پر بخوبی شاہد ہیں کہ آپ نے آزمائش میں گرنا ہر گز اختیار نہیں کیا۔ یعنی انسان ہونے کے سبب سیدنا عیسیٰ مسیح آزمائے تو گئے لیکن یہ حیثیت ایسے انسان ہونے کے جیسے کچھ کہ آپ تھے آپ گناہ میں نہیں گرے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مزاحمت یا کسی درد سے آپ بچائے نہیں گئے ۔ آپ کو اپنی طاقت کا استعمال کرکے آزمائش کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس حقیقت کا نقشہ جس خوبی اور وضاحت کے ساتھ گتسمنی کے باغ میں کھینچا گیا ہے اور کہیں نظر نہیں آتا۔ آپ کو ادنیٰ سے ادنیٰ بدی کا بھی دوسروں سے کہیں زیادہ احساس تھا لیکن اس کے خلاف آپ کا ردعمل ہمیشہ اس سے کنارہ کشی کی صورت میں

رہا۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ " وہ ساری باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا "۔ تو اس سے یہ مراد ہے کہ آپ اپنی بے گناہ چال چلن کی ہر باتوں میں اسی طرح آزمائے گئے جس طرح ہم اپنی گنہگار چال چلن کی ہر باتوں میں آزمائے جاتے ہیں۔ اور یہ بات اگر کسی کے حق میں کہی جاسکتی ہے کہ بعض باتیں ایسی تھیں جن کا کرنا اس کے لئے محال تھا تو یہ سیدنا عیسیٰ مسیح ہی کے حق میں درستی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔ آپ کے حق میں یہ بات بالکل درست ہے کہ آپ کی قوت ارادی کا غلب ان باتوں کو پاس تک نہ بھٹکنے دینے کی عظیم الشان قدرت میں پایا جاتا ہے جن کا نہ کرنا ہی درست ہے۔

لیکن اگر آپ کی بے گناہی کا کوئی اور نقطہ نگاہ اس کے علاوہ اختیار کیا جائے تو آپ کی سیرت کو اخلاقی پہلو سے خالی کردیگا۔ اگر تیس برس کی عمر میں جسمانی اور روحانی معاملات میں آپ پر حقیقی آزمائش نہ آتی تو آپ تاریخ عالم میں اخلاقی قوت کے مبداء نہ ہوتے ۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے دلیری سے تمام آزمائشوں پر فتح پائی تو اس سے ہمیں بھی جو لڑرہے ہیں مدد ملتی ہے اور پاک کلام کے اس قول کو ثابت کرتی ہے کہ جس صورت میں اس نے خود ہی آزمائش کی حالت میں دکھ اٹھایا تو وہ ان کی بھی مدد کرسکتا ہے جن کی آزمائش ہوتی ہے (عبرانیوں باب ۲ آیت ۱۸)۔

سوم۔ اب ایک اعتراض اور رہ جاتا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح کے اپنے قول میں ہے کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے ۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا (مرقس باب ۱۰ آیت ۱۷)۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ان الفاظ میں ناکامیابی کا اعتراف اور بے گناہ ہونے کا صاف انکار موجود ہے۔ لیکن یقیناً ان الفاظ کی ایسی تشریح سے مرقس کی انجیل کا سارا مطلب خبط ہوجاتا ہے کیونکہ اس انجیل کی تعلیم کا مفہوم ہی یہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ ہی وہ مسیح ہے کہ جس میں خدا کی راستبازی خارجی اوراحساسی صورت میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی ہے۔

سارے اناجیل سیدنا عیسیٰ مسیح کو ایک منزہ عن المظاہادی معلم اور نمونہ کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں۔ غرض کہ یہ تحدی اگر بالتصریح نہیں تو بھی کنایتہً ہر جگہ پائی جاتی ہے کہ تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے۔

حقیقت میں اس فقرہ زیر بحث کا سیدنا عیسیٰ مسیح کی بے گناہی سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نوجوان حاکم کا جو کچھ تصور نیکی کے متعلق تھا سیدنا عیسیٰ مسیح اس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے کیونکہ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ اس حاکم نے خاص نیت سے سوال کیا تھا تو بھی صاف ظاہر ہے کہ ان الفاظ پر جنہیں وہ استعمال کررہا تھا۔ اس نے خاطر خواہ غور نہیں کیا تھا۔

علاوہ اس کے سیدنا مسیح کے جواب میں اس نوجوان کی بے سوچے سمجھے تعریف کا ہی محض انکار نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ آپ اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ کامل نیکی پر جو خدا کی ایک صفت ہے غور کرے اور پھر نیکی کے اس

معیار سے اپنی راستبازی کو جس کا وہ مدعی ہے ناپے یعنی اسے لازم ہے غور کرے کہ خدا کے حضور نیکی کا کیا مطلب ہے اور تب سوچنا چاہیے کہ سیدنا عیسیٰ کو نیک کہنا درحقیقت کیا معنے رکھتاہے۔ کامل نیکی انسانی صفت نہیں بلکہ صرف خداہی کی صفت ہے۔

اور اب یوں یہ قابل غور نتیجہ نکلتاہے کہ نیکی کے حقیقی مفہوم پر واجبی طور سے غور وفکر کرنے اور پھر یہ دیکھنے کے بعد کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی حقیقت سے اس کا کیا تعلق ہے ۔ انسان سیدنا عیسیٰ مسیح کی حقیقی اورواجبی تعریف کے لائق بنتا ہے اور پھر محض تعریف میں کافی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا مطالبہ ہے اوراس کی توقع بھی رکھتے ہیں کہ آپ کی اطاعت بھی کی جائے۔ اور یہی وہ بات تھی جس میں یہ نوجوان حاکم بُری طرح سے صریحاً ناکامیاب رہا۔ بہتیرے مسلمانوں کی طرح اس نوجوان کو بھی سیدنا عیسیٰ مسیح کی تعریف کرنی سہل معلوم ہوئی ۔ لیکن جب آپ کی پیروی کرنے کاواجبی کام اس کے سامنے رکھا گیا توپیچھے لوٹ گیا۔ یہ نوجوان غرضکہ اس قربانی کے لئے تیار نہیں[1] تھا۔

[1] بشپ لیغرائے جولاہور کے بشپ تھے وہ اس فقرہ میں لفظ کیوں پرزور دیتے تھے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ مجھے نیک کہنے کا تمہارا کیا مقصد ہے۔ کیا تم میری اطاعت کرنی چاہتے ہو۔

سیدنا عیسیٰ مسیح گناہ سے ناواقف

آخر میں ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اناجیل سے صاف ظاہر ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے شعور وذہن میں اخلاقی خطا کا احساس بالکل مفقود تھا۔ آپ نے اپنی معافی کے لئے کبھی خدا سے دعا نہیں کی ۔ لیکن اوروں کو معافی مانگنے کی بے شک تلقین کی ۔ آپ نے خدا سے میل ملاپ کرنے کی ضرورت کا کبھی کوئی اظہار نہیں کیا۔ اور نہ آپ کی زندگی میں کبھی کسی ایسے موقعہ کا ذکر ہے کہ اپنی خطا کے احساس سے اپنے آپ کو پست کیا ہو۔ چونکہ آپ کی زندگی کی ہر منزل گناہ کے احساس سے بری تھی ۔ اس لئے زندگی کی ہر منزل میں آپ کی مرضی گناہ کے اثر سے بے ضرررہی ۔ یعنی آپ کی اندرونی زندگی میں خود غرضی نہیں تھی۔ اس لئے شکست کا بھی کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ یہ بات ایسی ہے کہ جو سوائے متعصب شخص کے ہر ایک کوآپ کی بے گناہی سے متاثر کرتی ہے۔

سیدنا عیسیٰ مسیح میں یہ دل آویز خوبی آپ کی زندگی کا لازمی اور حقیقی جزوہے۔ یہ آپ کے کسی مصنوعی انداز کا نتیجہ نہیں ہے۔ آپ نے اوروں میں ریاکاری کی سخت ترین الفاظ میں ملامت کی مگر خود اپنی زندگی میں اپنے دعویٰ بے گناہی کو اپنی ایسی خصوصیت کے ساتھ جو بالکل صاف اور قطعی تھی آپ نے اکٹھا کردیا تھا۔ باقی تمام لوگ ہاں دنیا کے بڑے سے بڑے بزرگوں میں بھی کمی کا احساس موجود ہے۔ حتیٰ کہ مقدسین کو بھی اپنی ناقابلیت کا ایسا احساس ہے جواوروں سے کہیں تیز ہے۔ لیکن سیدنا عیسیٰ مسیح کو خدا کے رویا کے سبب ایسا

سکون قلب حاصل تھا جو کبھی غبار آلودہ نہیں ہوا۔ اور سخت آزمائش کے درمیان بھی خدا باپ کے ساتھ آپ کا کامل رفاقت کا سلسلہ بلا ٹوٹے بدستور قائم رہا۔ اور خدا کے ساتھ آپ کی اس کامل ہم آہنگی میں کبھی کوئی فرق نہیں پڑا۔

سیدنا عیسیٰ مسیح کی اس پاکیزہ سیرت کو جو نئے عہد نامہ کے مختصر بیانات پر مبنی ہے بعض لوگ اس بنا پر مشکوک بتاتے ہیں کہ آپ کی تبلیغی خدمت سے قبل کیا کچھ آپ نے کہا۔ وہ کہتے ہیں ہمیں نہیں معلوم ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے ایک رسالہ توحید بخلاف تثلیث میں لکھتے ہیں کہ "حضرت عیسیٰ کے کل ایسے سوانح نویسوں نے کہ جنہوں نے تنقیدی نگاہ سے آپ کی زندگی لکھی ہے ۔ اس غور طلب بات کا ذکر کیا ہے کہ انجیل نویسوں نے آپ کی اوائل زندگی کا سرسری ذکر کرنے سے بھی بڑی احتیاط کے ساتھ اجتناب کیا ہے۔ اناجیل کے مصنفوں نے آپ کی زندگی کے حالات اس وقت سے لکھنا شروع کیا۔ جب آپ یردن کے مقدس پانی سے پیشتر کی بہ نسبت زیادہ پاک اور بہتر بن کر نکلے" ۔ مرزا صاحب کا یہ بیان بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس کے برعکس انجیل میں لکھا ہے وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا۔ اور خدا کا فضل اس پر تھا"۔ اور پھر جب آپ بارہ سال کے ہوئے۔ تو آپ کی زندگی کی ایک جھلک ہمیں دکھائی گئی ہے جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے ۔ سیدنا عیسیٰ حکمت اور قدوقامت میں اور خدا کی اور انسانیت کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔ لوقا باب ۲ آیات ۴۰، ۵۲۔

غرض کہ اس قسم کے الزام کا کافی جواب یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی زندگی پر کوئی داغ نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی کسی قسم کا تاسف ہم آپ میں پاتے ہیں اور نہ پچھتاوے کے الفاظ آپ کے لب مبارک سے سنائی دیتے ہیں اور یوں آپ کی زندگی کے حالات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ کی اوائل زندگی کی کیفیت بھی اخلاقی اعتبار سے ویسی ہی تھی جیسی آپ کی تبلیغی زندگی کے چند سال غرضکہ آپ کی ساری کی ساری زندگی خدا باپ کے ساتھ گہری رفاقت میں گذری ۔ مختصر یہ کہ اناجیل میں آپ کے گناہ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ کوئی گناہ آپ کی زندگی میں قلمبند کرنے کو تھا ہی نہیں۔

دسواں باب

قیامت مسیح پر مسلمانوں کے اعتراضات

۱۔ انجیل سے نہ حضرت مسیح کا قتل ہونا اور نہ آپ کادوبارہ جی اٹھنا ثابت ہے۔

۲۔ جب حضرت مریم اور آپ کے شاگرد حضرت مسیح کو نہیں پہچان سکے تو پھر یہ کیسے مان لیاجائے کہ واقعی آپ مسیح تھے۔ (صفحہ ۲۲۵)۔

۳۔ حضرت مسیح نے انجیل میں یہ کہیں نہیں فرمایاہے کہ جب آپ مر کرجی اٹھینگے توآپ کی صورت بدل جائیگی۔

۴۔ اگر حضرت مسیح نے اپنی موت اور پھر دوبارہ جی اٹھنے کی اطلاع شاگردوں کو پیشتر ہی دے دی تھی تو پھر وہ ضرور اس واقعہ کا فوراً یقین کرلیتے(صفحات ۲۲۷تا ۲۲۹)۔

۵۔ اگر حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کے اس شوروغل کے بجائے عیسائی مشنری صرف یہی ثابت کرنے کی تکلیف گوارا کرتے کہ آپ زندہ انسان ہیں توبہتیرے متلاشیانِ حق کی تسلی کا باعث ہوتا اورہم بھی بلا دریغ آپ کوزندہ تسلیم کرلیتے۔ (قادیانی معترض)۔

دسواں باب

قیامتِ مسیح

سیدنا عیسیٰ مسیح کی قیامت یعنی آپ کا دوبارہ جی اٹھنا حقیقت میں مسلمانوں کے لئے تصیفہ طلب نہیں ہے۔ ہم غور کرچکے ہیں کہ راسخ الاعتقاد مسلمان سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت کے قائل نہیں ہیں اور یوں ان کے لئے آپ کے دوبارہ جی اٹھنے کا سوال اٹھتا ہی نہیں۔ لیکن اس معاملہ میں احمدی اپنی جماعت کے بانی مرزا صاحب کی تعلیم کے معتقد ہیں جس نے اپنے دعاوی کے قائم کرنے کی غرض سے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ سیدنا عیسیٰ مسیح مردہ ہیں۔ لیکن جہاں تک صلیبی واقعہ کا تعلق ہے ہم دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے اس بے بنیاد نظریہ کو اختیار کیا کہ مسیح کی صلیب پر سے غشی کی حالت میں اتارے گئے اور پھر آپ ہوش میں لائے گئے اور بعد میں آپ کی وفات ہوگئی ۔ اور اس طریقہ سے انہوں نے سیدنا عیسیٰ مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے کی تواریخی حقیقت کا بھی انکار کردیا۔

مرزاصاحب کے شاگرد خاص مولانا محمد علی صاحب سیدنا عیسیٰ مسیح کی موت اورآپ کے جی اٹھنے کی تردید کو مرزاصاحب کا سب سے بڑاکمال اورآپ کی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

آپ (مرزا صاحب) نے صلیب توڑ ڈالی ------ کیونکہ اناجیل سے آپ نے ثابت کردیا کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے جیسا کہ انیس سو سال سے عیسائی غلطی سے مانتے چلے آرہے ہیں ۔ بلکہ زخمی ہو کر بچ نکلنے کے بعد ایک سو بیس کی عمر میں فطری موت سے آپ نے وفات پائی اور یہ بیان ایک تذکرہ میں تحریری صورت میں موجود ہے --- یہ اس خون کے سبب تھا جو صلیب پر بہا " (کلسیوں باب ۱ آیت ۲۰)۔ کہ نجات خریدی گئی اور" اگر مسیح نہیں جی اٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے (۱ کرنتھیوں باب ۱۵ آیت ۱۴) ۔ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور نہ مردوں میں سے جی اٹھا۔ اس لئے مسیحی مشنریوں کی منادی بے فائدہ ہے اور بے فائدہ ہے ان کا ایمان بھی۔ مسیحی مذہب نے اپنی بنیاد مسیح کی صلیبی موت اور اس کے بعد پھر اس کے جی اٹھنے پر رکھی ہے۔ لیکن یہ دونو بیانات خود اناجیل کی تاریخی شہادت سے بالکل غلط ثابت کردئے گئے ہیں پس اس بنیاد کے باطل ثابت ہونے پر مسیحیت کی پوری عمارت بھی زمین پر گر پڑتی ہے"۔

ایسے مصنف کے متعلق کیا کہا جائے جو انیس سو برس کے ایک بنیادی عقیدہ کو محض ایک افواہ کی بنا پر آسانی سے باطل قرار دیدے اور اس کے متعلق ثبوت بہم پہنچانے سے بھی قاصر ہو۔ بہر حال معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مصنف کے ذہن میں روسی سیاح نکولس نٹووچ کی کہانی ہے۔ جس نے ۱۸۸۷ء میں لداخ کا سفر کیا تھا اور بعد میں یہ بیان شائع کیا تھا کہ شہر لیہ کے ایک بدھ مندر میں ایک قلمی نسخہ کسی پرانی کتاب کا اس کی نظر سے گذرا جس میں یہ لکھا ہے کہ مسیح اپنی جوانی کے دنوں میں ہندوستان آئے تھے۔ اس بیان سے فرانس کے ملحد رینان کو بھی دھوکا لگا تھا"۔ مگر اس سلسلہ میں جو کچھ تحقیقات کی گئی تھی اس سے مشہور میکس مولر کی تشفی ہوگئی تھی اور اسے یقین آگیا تھا کہ روسی سیاح کا بیان صریح جھوٹ[1] ہے۔

لیکن اس معاملہ میں مقدس پولوس کی تحریر سے سیدنا عیسیٰ مسیح کے زندہ نہیں ہونے کا ثبوت ڈھونڈ نا فضول ہے۔ جس شخص نے پولوس رسول کا وہ بیان پڑھاہے ۔جہاں سے مذکورہ بالا عبارت لی گئی ہے ۔ وہ اس ادھورے اقتباس سے دھوکا نہیں کھا سکتا ۔ کیونکہ پولوس رسول اس جملہ شرطیہ کے بعد" اگر مسیح نہیں جی اٹھا" لکھتے ہیں " لیکن فی الواقع مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سوگئے ہیں ان میں پہلا پھل ہوا" بلکہ اس باب کی ابتدائی آیتوں میں

[1] نوٹووچ کے بیان مذکورہ کے شائع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد ڈاکٹر احمد شاہ صاحب سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں تبت تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک آپ نے قیام کیا اور اپنے قیام کے دوران میں ان مقامات کا سفر کیا جن کا نوٹووچ نے اپنے بیان میں ذکر کیا تھا۔ اور اس روسی سیاح کے بیانات کی بھی تحقیق کی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس سفر کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی تھی جو تبت میں چار سال کے نام سے شائع ہوئی تھی ۔ آپ اس کتاب میں نوٹووچ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک روسی جاسوس تھا اور شملہ کی خفیہ پولیس اس کا پیچھا کررہی تھی"۔ اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ شہر لیہ کے ایک مسلمان افسر مسٹر مصطفیٰ سے جب نوٹووچ کی اس دریافت کے متعلق جس کا وہ مدعی تھا پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا لاحول ولاقوۃ ۳۲ سال سے یہاں مقیم ہوں اور میں نے آج تک اس قسم کی بات نہیں سنی۔

واقعات کا یعنی تاریخی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتےہیں کہ مسیح کم از کم چارمرتبہ جی اٹھنے کے بعد دکھائی دیا۔(۱کرنتھیوں باب ۱۵آیات ۱تا ۲۰)۔

اناجیل کی عبارت سے زبردستی غلط مطلب نکالنا

احمدیوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے یہ بات ہر ایک کے مشاہدہ میں آسکتی ہے کہ مسیح کی صلیب کے یہ نئے دشمن جنہیں تعصب نے اندھا کردیاہے کس طرح آپ کی موت اور قیامت کے صریح بیانات کو اس طرح بگاڑنے سے ذرا نہیں جھجکتے کہ ان کا مفروضہ مسئلہ ثابت ہوجائے۔

مولانا محمد علی نے اس دعوٰی کے ثبوت میں کہ مسیح نہ صلیب پر مرے اور نہ ہی دوبارہ زندہ ہوئے سورۃ النساء کی ۱۵۶آیت کی تفسیر میں جہاں لکھاہے کہ یہودیوں نے نہ تو مسیح کو قتل کیا اور نہ صلیب دی اپنی انگریزی تفسیر القرآن کے فائدہ نمبر ۶۴۵ اوراردو بیان القرآن کے فائدہ نمبر ۲۶۳ میں چند دلائل پیش کرتےہیں جن میں سے کئی ایک حسب ذیل ہیں جنہیں ان کے انگریزی قرآن سے ہم یہاں نقل کرکے ان کی تنقید کرتےہیں۔

۱۔ تیسرے دن جب قبر دیکھی گئی تو اس کے منہ پر سے پتھر اہٹاہوا پایا گیا۔ اگر حضرت مسیح فوق الفطرت طورپر زندہ ہو کر قبر سے نکلے تھے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

لیکن مولانا کا یہ دعویٰ ذیل کی حقیقتوں کی بنا پر غلط ہے۔

ا۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ جب یوسف قبر بند کرچکے تھے اوراس پر سرکاری مہر لگ چکی تھی تو اس کے بعد پتھر لڑھکاہوا پایا گیا۔ اوریہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دوسری تحریروں کے علاوہ یہ بیان سب سے پہلی انجیل یعنی مرقس کی انجیل میں ملتاہے۔ مرقس باب ۱۶آیت ۴متی باب ۲۸آیت ۲۔ باب ۲۴آیت ۲۔ یوحنا باب ۲۰آیت ۱۔

ب۔ دوسری حقیقت جو حقیقت مذکورہ کی طرح معتبر شہادت پر مبنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کی قبر خالی پائی گئی۔ اس واقعہ کی کل تحریری شہادتوں کے لئے عید قیامت کی صبح کی یہ امتیازی حقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ سردار کاہنوں تک نے اس واقعہ کا سچا ہونا تسلیم کرلیا۔ اگرچہ اس واقعہ کی وجہ بیان کرنے میں انہوں نے جھوٹ کہا۔ متی کی انجیل کے باب ۲۸آیات ۱۱تا ۱۵ میں لکھاہے " اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر فرمایا (۱۳) یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سورہے تھے تو اس کے شاگرد آکر اسے چرالے گئے۔ (۱۴) اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچالیں گے۔(۱۵) پس انہوں نے روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا"۔ اورپھر ملاحظہ ہو مرقس باب ۱۶آیت ۶۔ لوقا باب ۲۴آیات ۱تا ۶۔ یوحنا باب ۲۰آیت ۲۔

ج۔ تیسری حقیقت جوان سب سے بڑھ کر حیرت زا ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ مسیح واقعی قبر کے باہر دکھائی دئیے اور آپ کے جی اٹھنے کی بہتیروں نے گواہی دی۔ اس واقعہ کا اصل ثبوت نہ تو پتھر اور نہ ہی خالی قبر پر منحصر ہے کیونکہ اگر قبر پر سے پتھر لڑھکا ہوا پایا جانا اور قبر کا خالی ہونا دو حقیقی واقعات ہیں تو بھی آپ کی قیامت کی قطعی دلیل کسی اور بات پر منحصر ہے اور اسی لئے جب رسول سیدنا عیسیٰ مسیح کے جی اٹھنے کی گواہی دیتے ہیں۔ تو نہ تو وہ عورتوں کے اس مشاہدہ کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ قبر کا پتھر لڑھکا ہوا پایا گیا۔ اور نہ ہی وہ خالی قبر کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن جس بات پر وہ زور دیتے ہیں وہ یہ حقیقت ہے۔ کہ خدا نے مسیح کو مردوں میں سے جلایا۔ اس کے ہم گواہ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ اعمال باب ۱ آیت ۲۲۔ باب ۲آیت ۳۲۔ باب ۳آیت ۱۵۔ باب ۴آیت ۲۔ باب ۱۰ آیت ۴۰۔

۲۔ جب مریم نے حضرت مسیح کو دیکھا تو اس نے آپ کو باغبان سمجھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھیس بدلا ہوا تھا۔

مولانا کا یہ کہنا کہ آپ نے بھیس بدلا ہوا تھا غلط ہے۔ ایسا خیال کرنا سیدنا عیسیٰ مسیح پر دھوکے بازی کا الزام لگانا ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ مریم نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اور جو حالت اس وقت مریم کی تھی اس حالت کے باعث پہچاننا مشکل بھی تھا۔ وہ رو رہی تھیں اور سیدنا مسیح سے ملنے کی انہیں بالکل توقع نہیں تھی۔ علاوہ اس کے سیدنا مسیح کی صورت جی اٹھنے پر بدل گئی تھی۔ آپ اپنی گفتگو کے لہجہ سے جس سے آپ کے شاگرد واقف تھے آپ اپنے کو رفتہ رفتہ ان پر ظاہر کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو یوحنا باب ۲۰آیات ۱۱ تا ۱۸۔ مثلاً اس واقعہ کو یاد کیجئے۔ جب آپ اپنے دوشاگردوں سے اماؤس کے راستہ پر ملے تو انہوں نے آپ کے روٹی توڑنے کے انداز سے آپ کو پہچانا۔ ملاحظہ ہو لوقا باب ۲۴آیات ۳۰تا ۳۵۔

۳۔ اگر آپ مردوں میں سے جی اٹھے تھے تو اس بھیس بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔

مولانا پھر غلطی پر ہیں۔ آپ نے بھیس نہیں بدلا تھا بلکہ آپ کی صورت بدل گئی تھی۔ آپ روحانی جسم میں اٹھائے گئے تھے اور آسمانی جلال میں تھے۔ دیکھو ۱ کرنتھیوں باب ۱۵ آیات ۲۵ تا ۲۸۔

۴۔ شاگردوں نے آپ کو اسی گوشت و پوست کے جسم میں دیکھا تھا یہاں تک کہ زخموں کے نشان تک موجود تھے جو اس قدر گہرے تھے کہ انسان ان میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا تھا۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ موت کے بعد جی اٹھنے کا مسئلہ انسان کی سمجھ میں آنا دشوار ہے مگر سیدنا عیسیٰ مسیح کے متعلق ہمیں صفائی سے بتایا گیا ہے کہ یہ وہی گوشت و پوست کا جسم نہیں تھا۔ آپ کی دوسری صورت تھی۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کو روح سمجھا۔ علاوہ اس کے آپ بند دروازوں

سے مکان میں داخل ہوجاتے تھے۔ ملاحظہ ہو مرقس باب ۱۶ آیت ۱۲۔ لوقا باب ۲۴ آیت ۳۷۔ یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۹۔

۵۔ آپ کو بھوک لگتی تھی اور اپنے شاگردوں کی طرح آپ کھانا کھاتے تھے۔

بھوک! جس موقعہ کی طرف اشارہ ہے وہاں آپ کی بھوک کا ذکر مطلق نہیں ہے آپ کا کھانا کھانا شاگردوں کی انسانی کمزوری کی خاطر تھا۔ تاکہ ان کا خوف اور شک دور ہوجائے ملاحظہ ہو لوقا باب ۲۴ آیات ۳۷ تا ۴۳۔

۶۔ حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ گلیل کا سفر کیا جو آپ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے جس سے معلوم ہوتاہے کہ آپ پناہ ڈھونڈنے کے لئے بھاگ رہے تھے کیونکہ اگر آپ کی غرض آسمان پر صعود کرنے کی تھی تو آپ گلیل کا سفر نہیں کرتے[1]۔

پناہ ڈھونڈنے کی غرض سے گلیل کو بھاگنے کی بھی خوب کہی! بلکہ اصل واقعہ تو کہتاہے کہ آپ اسی رات یروشلیم میں واپس آئے ۔ ملاحظہ ہو لوقا باب ۲۴ آیات ۳۳ تا ۳۶۔

۷۔ صلیبی واقعہ کے بعد حضرت مسیح چھپتے اور پناہ لیتے دکھائی دیتے ہیں گویا دوبارہ گرفتار ہوجانے کا ان کو خطرہ تھا۔

اس کے برعکس سوال یہ ہے کہ کن پر اپنے آپ کو ظاہر کرنا آپ کے لئے زیادہ مناسب تھا۔ دشمنوں پر یا دوستوں پر ۔ کتب مقدسہ کی ذیل کی عبارتوں کو مد نظر رکھ کر اس سوال پر غور کرنا چاہیے جس سے معلوم ہوتاہے کہ زندہ خداوند کا عمل اس معاملہ میں کس قدر ادانشمندی اور معقول پسندی پر مبنی تھا۔

اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تیئں نہیں بچاسکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اتر آئے۔ تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ متی باب ۲۷ آیت ۴۲۔ لیکن کیا وہ واقعی ایمان لے آتے۔

اس نے اس سے کہا جب وہ موسیٰ اور نبیوں ہی کی نہیں سنتے تو اگر مردوں میں سے کوئی جی اٹھے تو اس کی بھی نہ مانینگے۔لوقا باب ۱۶ آیت ۳۱۔

اس یہوداہ نے جو اسکریوتی نہ تھا اس سے کہا۔ اے خداوند کیا ہوا کہ تو اپنے آپ کو ہم پر تو ظاہر کیا چاہتا ہے مگر دنیا پر نہیں۔ سیدنا مسیح نے جواب میں اس سے کہا کہ اگر کوئی مجھ سے محبت رکھے گا وہ تو میرے کلام پر عمل کریگا۔ اور میرا باپ اس سے محبت رکھیگا۔ اور ہم اس کے پاس آئینگے ۔ اور اس کے ساتھ سکونت کرینگے جو مجھ سے محبت نہیں رکھتا۔ وہ میرے کلام پر عمل نہیں کرتا۔ یوحنا باب ۱۴ آیات ۲۲ تا ۲۴۔

اس کو خدا نے تیسرے دن جلایا اور ظاہر بھی کردیا نہ کہ ساری اُمت پر بلکہ ان گواہوں پر جو آگے سے خدا کے چنے ہوئے تھے۔ یعنی ہم پر جنہوں نے

---

[1] مولانا محمد علی اپنے استاد مرحوم مرزا صاحب کا سکھایا ہوا سبق کہ حضرت مسیح کو صلیب پر غشی طاری ہوگئی تھی فراموش کرگئے!

اس کے مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد اس کے ساتھ کھایا پیا۔ اعمال باب ۱۰ آیات ۴۰تا ۴۲۔

قیامتِ مسیح کا ثبوت

یہاں تک تو ہم نے اس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ سیدنا مسیح نے صلیب پر وفات ہی نہیں پائی اس لئے آپ مردوں میں سے جی بھی نہیں اٹھے ۔ اب ہم احمدیوں کے اس دعویٰ کی تردید کرینگے کہ اناجیل کی " صاف شہادت " سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کے خلاف ہے اوراس کے برعکس نئے عہد نامہ میں جو ثبوت آپ کے جی اٹھنے کا ملتاہے ان پر غور کرینگے ۔ بعض بڑی حقیقتیں اس امر کے متعلق حسب ذیل ہیں۔

۱ ۔ سب سے پہلے اپنی موت اور پھر جی اٹھنے کے متعلق خود سیدنا عیسیٰ مسیح کی صاف صریح اور مکرر پیشینگوئیاں موجود ہیں۔

وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا اوران سے کہتا تھا کہ ابن آدم آدمیوں کے حوالے کیا جائیگا ۔ اور وہ اسے قتل کرینگے ۔ اور وہ قتل ہونے کے تین دن بعد جی اٹھیگا ۔ لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہ تھے اوراس سے پوچھتے ہوئے ڈرتے تھے مرقس باب ۹ آیات ۳۱تا ۳۲۔ متی باب ۱۷ آیات ۲۲تا ۲۳۔ لوقا باب ۹ آیات ۴۳تا ۴۵۔

پھر قیصریہ فلپی کے گاؤں کا وہ مشہور واقعہ ہے جب مسیح نے اپنی موت اور پھر جی اٹھنے کی پیشینگوئیاں کی اور پطرس آپ کو الگ لے جا کر ملامت کرنے لگا اور سیدنا مسیح نے جواب میں اس کی ملامت کی اورکہا " اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو کیونکہ تو خدا کی باتوں نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال کرتاہے ۔" مرقس ۸ باب ۲۷تا ۳۳آیات۔

اورہم پڑھتے ہیں کہ آخر کار شاگرد بھی اپنے آقا کی موت کی بابت سمجھنے لگے تھے اور ان کے آخری سفر کا نظارہ انجیل میں دکھا گیاہے کہ کس طرح سیدنا مسیح یروشلیم جارہے تھے اور شاگرددوڑتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور وہ یروشلیم کو جاتے ہوئے راستے میں تھے اور سیدنا مسیح ان کے آگے آگے جارہے تھے۔ اور وہ حیران ہونے لگے۔ اورجو پیچھے پیچھے چلتے تھے ڈرنے لگے۔ مرقس باب ۱۰ آیات ۳۲۔ متی باب ۲۰ آیات ۱۷تا ۱۹ ۔ لوقا باب ۱۸ آیات ۳۱تا۳۳۔

ان کے علاوہ آپ کا وہ پُر اسرار قول ہے جب آپ نے فرمایا اس مقدس کو ڈھادو تو میں اسے تین دن میں کھڑا کردونگا۔ غور کیجئے کہ آپ نے یہ فقرہ کیوں استعمال کیا۔ یہ فقرہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے ہیکل کو ناجائز خریدوفروخت سے پاک وصاف کیا تھا اور آپ کی نگاہ خدا کے گھر کی غیرت کے مارے چمک رہی تھی ۔ اوریہودی غصہ میں بھرے ہوئے نفرت کے مارے بیتاب ہورہے تھے ۔ اور آپ نے ان کی آنکھوں کو دیکھ کر معلوم کیا کہ وہ آپ کے قتل کے درپے ہیں تو آپ نے فرمایا اس مقدس کو ڈھادو تو میں اسے

تین دن میں کھڑا کردونگا۔ اور انجیل نویس لکھتاہے کہ اس نے اپنے بدن کے مقدس کی بابت کہا تھا (یوحنا باب ۲ آیت ۱۳ تا ۲۲)۔

تعجب ہے کہ توبھی احمدی مصنف اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش میں کہ سیدنا عیسیٰ مسیح صلیب پر نہیں مرے لکھتاہے کہ حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو کبھی یہ تعلیم نہیں دی کہ آپ مرکرجی اٹھینگے اوران آیات کو اناجیل سے اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتا ہے کہ یہ باتیں انہیں کہانی سےمعلوم ہوئیں لوقا ۲۴ باب آیت ۱۱ اور یہ کہ وہ اب تک اس نوشتے کو نہ جانتے تھے جس کے بموجب اس کا مردوں میں سے جی اٹھنا ضرور تھا یوحنا باب ۲۰ آیت ۹[1]۔

شاگردوں کی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی

۲۔ دوسرا امر سیدنا عیسیٰ مسیح کے جی اٹھنے کے واقعہ کی تائید میں شاگردوں کی زندگی کی کایا پلٹ ہے۔ اورہم دریافت کرتے ہیں کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ تھی ۔ ہمارے سیدنا مسیح کی زندگی کے آخری واقعات ان شاگردوں کے حق میں مصائب کا ایک سلسلہ تھا۔ جس نے ان کے حوصلوں کومٹادیا تھا۔ ایک شاگرد نے آپ کو گرفتار کرایا تو دوسرے نے آپ کا صاف انکار کردیا اور باقی کا یہ حال تھا کہ آپ کو تنہا چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے ۔یہودیوں کی صدرعدالت نے آپ کے مسیح ہونے کے دعویٰ کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر رد یا کردیا۔ شاگردوں کو یہ معلوم ہوا کہ خدا نے بھی آپ کو چھوڑدیا تھا۔ غرضکہ ان کی دہشت ناک واقعات کی ہیبت اور شرم کو محسوس کرکے سوچنے لگے کہ خدا نے بھی آپ کومرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور موت بھی کیسی ۔آہ سولی کی موت! پھر ان کی کیا حقیقت تھی کہ خدا کے فیصلہ کے سامنے اپنے آقا کے کلام اور آپ کے معجزانہ کام کواس وقت خیال میں لاکر حوصلہ پکڑتے۔ اب ان کے لئے اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ ماہی گیری کے کام پر واپس جائیں (یوحنا باب ۲۱ آیت ۳)

اور یہ بالکل سچ ہے کہ اگران کے آقا کی زندگی کا یہی انجام تھا تو پھر ان بیچارے مایوسی کے مارے شاگردوں سے اس کے سوا اور توقع ہی کیا تھی کہ آپ جس غرض کو لے کر دنیامیں تشریف لائے تھے ان کے ہاتھوں اس کا بھی خاتمہ ہوجائے۔ لیکن غور کیجئے کہ واقعات کیا بتاتےہیں۔

ہر شخص دیکھ سکتاہے کہ کس صفائی سے تحریری شہادتیں بتارہی ہیں کہ مایوسی نے آخری فتح نہیں پائی ۔آخر کار شاگردوں کے لئے صلیب مایوسی کا نشان نہیں رہا۔ اس واقعہ مشہورہ کا شمار دنیا کی عظیم ترین انقلابات میں ہے اور یہ انقلابات صرف کسی بڑی قوت محرک اور طاقت عظیم کے اثرسے ہی ظہور میں آسکتا تھا ۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس انقلاب کے لانے والے وہ سیدھے سادے لوگ ہونگے جن کی جماعت مختلف قسم کے افراد پر مشتمل تھی اورجواپنے سردار کے

[1] ریویو آف ریلیجین قادیان جنوری ۱۹۳۳ء

مصلوب ہونے اور اس کی سخت بے عزتی اورموت کے صدمہ سے پریشان حال تھے یعنی جب طوما جیسا فطرتاً شکی اور پطرس جیسا ضعیف الایمان اور یوحنا ایسا متفرق خیالات اور متی جیسا واقف کار میر محصول اور اندریاس اور نتھانیل جیسے چند ملاح اور پھر عورتیں۔ یہ تو ایسی جماعت تھی کہ جس سے کسی تبدیلی کا ظہور میں آنا محال معلوم دیتا ہے تو بھی تاریخ صفائی سے شہادت دیتی ہے کہ واقعی ان کے ذریعہ ایک حیرت انگیز انقلاب ظہور میں آیا۔

کیونکہ عور کیجئے کہ یروشلیم ہی میں جو آپ کے دشمنوں کا مرکز تھا شاگرد بڑی دلیری کے ساتھ سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کا علانیہ اعلان کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھاہے کہ " رسول بڑی قدرت سے سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کی گواہی دیتے رہے "۔اعمال باب ۴آیت ۳۵۔ شاگرد اس خبر کو لے کر اس شہر میں آئے۔ اور بعید ازقیاس دلیری کے ساتھ صوبہ یہودیہ کے اس علمی مرکز تروشلیم میں اسے پھیلایا اوراس کی اشاعت میں اپنے زمانہ کے قابل سے قابل مناظرین کا سامنا کیا اور پھر ان تمام مخالفانہ تدبیروں کا مقابلہ کیا جو صدر عدالت جیسی یہودیوں کی منظم مجلس کی اختراعات تھیں۔ اورجو بڑے بڑے فاضل اراکیں پر مشتمل تھی مگر پھر بھی فتح ان ہی کی رہی۔

اس حیرت انگیز تبدیلی کا سبب

ان مایوس شاگردوں کی زندگی میں اس حیرت از تبدیلی کے واقع ہونے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے کہ جس سے اس تبدیلی کی وجہ پورے طور پر سمجھ میں آجائے۔ محض نیک تمنا یا رویا۔ اس کی وجہ نہیں ہوسکتی اور پھر دروغ گوئی تو اس تبدیلی کا سبب کسی طرح ہوہی نہیں سکتا۔ توآخر اس تبدیلی کی کیا وجہ تھی ۔ اس کا جواب ہمیں شاگردوں کی اس بات میں ملتاہے ۔ جسے وہ بار بار پیش کرتے ہیں کہ انہیں یقین کامل تھا کہ ان کا آقا مردوں میں سے جی اٹھا اور کہ وہ زندہ ہے۔ اورہم اس بات کومکرر کہتے ہیں کہ اس اٹل یقین کے بغیر مسیحیت کے لئے آئندہ کو ترقی کرنا بالکل محال تھا۔

۳۔ تیسری حقیت مسیح کی قیامت کے متعلق یہ ہے کہ سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کی خبر شروع ہی سے رسولی پیغام کامرکز تھا۔ مثلاً جب رسولوں کی مجلس یہوداہ اسکریوتی کی جگہ ایک دوسرا رسول منتخب کرنے کو فراہم ہوئی تو اسی پر زوردیا گیا تھا کہ ایک شخص منتخب کیا جائے جو ہمارے ساتھ اس کے جی اٹھنے کا گواہ بنے"اعمال باب ۱آیات ۲۱، ۲۲۔

پھر رسولوں کا سب سے پہلاوعظ بھی جو پاک نوشتہ میں موجود ہے اسی حقیقت کا اعلان کرتاہے کہ جہاں ہم پڑھتے ہیں کہ پینتیکوست کے روز پطرس رسول گیارہ کے ساتھ کھڑے ہو کر روح القدس کے نزول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" اے اسرائیلیو یہ باتیں سنو کہ عیسیٰ ناصری ------ جب وہ خدا کے مقررہ انتظام اور علمِ سابق کے موافق پکڑوایا گیا---- تو تم نے بے شرع

لوگوں کے ہاتھ سے اسے صلیب دلوا کر مارڈالا۔ لیکن خدا نے موت کے بند کھول کر اسے جلایا" اعمال باب ۲آیات ۲۲تا ۲۴۔

اسی طرح خوبصورت نامی دروازہ پر جنم کے لنگڑے کو شفا بخشنے کے بعد پطرس رسول اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں " تم نے اس قدوس اورراستباز کا انکار کیا اور درخواست کی کہ ایک خونی تمہاری خاطر چھوڑا جائے ۔ مگر زندگی کے مالک کو قتل کیا جسے خدا نے مردوں سے جلایا۔ اس کے ہم گواہ ہیں اعمال باب ۳آیات ۱۴ ، ۱۵ ، اورملاحظہ ہو باب ۴آیات ۱۰ ، ۳۲ وباب ۵آیت ۳۰۔

۴۔ چوتھی حقیقت قیامت مسیح کے متعلق پولوس رسول کی زندگی کی حیرت انگیز تبدیلی کا واقعہ ہے۔ یہ پولوس اپنی تبدیلی سے پیشتر مسیحیوں کے کٹر مخالف تھے۔ اس نوجوان اور دوراندیش فریسی نے نہایت صفائی سے یہ محسوس کیا کہ اگر یہ نئی تحریک بلاروک وٹوک پھیلتی رہی توکہاں تک ترقی کریگی اوراس لئے اس نوجوان نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ اپنی کل خداداد طاقتوں کو اس نئی تحریک کے مٹانے میں وہ صرف کریگا۔ اور اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے حقیر ناصری کے غریب پیروؤں کو ستانے کی اس نے دل میں ٹھان لی۔ پولوس رسول خود اس بات سے واقف تھے کہ مسیح ناصری کے پیروؤں کے عقیدہ میں مسیح کے جی اٹھنے کے اعتقاد کو اولین جگہ حاصل ہے۔

ان سب باتوں کے ہوتی ہوئے اور پھر اس سراسیمگی کے باوجود پولوس پر اس خبر سے اسی طرح طاری ہوئی ہوگی ۔ جس طرح سیدنا مسیح کے شاگردوں کو بھی اس خبر سے طاری ہوئی تھی کہ ایک مصلوب شخص مسیح ہونے کا مدعی ہے۔ پولوس کی زندگی میں ایک تعجب خیز واقعہ پیش آیا۔ کہ یہ مغرور فریسی اوراس نئی تحریک کے ماننے والوں کو بے رحمی سے ستانے والا یکایک خود اس کا ایک کٹر پیروؤ اوراس عیسیٰ ناصری کا جوشیلا مبشر بن گیا۔ کیا سبب ہے کہ اس سخت تربیت کا آدمی کہ اس کا صحیح العقل اور جبری الطبع ہونا مسلم ہو اپنےعزیز ترین عقائد سے نکل کر اپنے سخت نفرت انگیز دشمنوں سے اس طرح یکایک جا ملے جیسے ہوا بھوسے کو اڑا لے جاتی ہے اور ان کے عقائد کو جو اس کی طبیعت کے بالکل خلاف تھے قبول کرے۔ کیا سبب ہے کہ یہ شخص جس کا شمار اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علما میں ہے ایک لمحہ میں اپنے عقیدہ کو ترک کرکے دوسرا عقیدہ قبول کرے حالانکہ اس کے اپنے عقیدہ میں اوراس میں آسماں وزمین کا فرق ہے۔

پولوس رسول خود اس کی وجہ بتاتے ہیں

اس قسم کی تعجب انگیز اور غیر متوقع تبدیلی جو ظاہرا محال نظر آتی ہے کسی کافی سبب کی متقاضی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا کیا سبب تھا اور پولوس رسول خود اس کی وجہ صفائی سے بتاتے ہیں جس سے معلوم ہوتاہے کہ یہاں بھی وہی سبب موجود تھا کہ جس کے باعث شاگردوں کی زندگی میں تبدیلی

واقع ہوئی۔ یعنی زندہ خداوند کا ظہور چنانچہ آپ لکھتے ہیں " اور سب سے پیچھے مجھ کو جو گویا ادھورے دنوں کی پیدائش ہوں دکھائی دیا۔ ۱ کرنتھیوں باب ۱۵ آیت ۸۔ یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ اس واقعہ نے مقدس پولوس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اس وقت سے اس زبردست قائلیت کے زیر اثر تھے کہ مسیح واقعی مردوں میں سے جی اٹھا۔ چنانچہ افسیوں کے خط کے باب ۱ آیات ۱۹، ۲۰۔ میں آپ لکھتے ہیں " اور ہم ایمان لانے والوں کے لئے اس کی بڑی قدرت کیا ہی بے حد ہے۔ اس کی بڑی قوت کی تاثیر کے موافق جو اس نے مسیح میں کی۔ جب کہ اسے مردوں میں سے جلا کر اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں پر بٹھایا"۔

۵۔ سیدنا مسیح کی قیامت کے دلائل انہیں باتوں پر موقوف نہیں ہیں بلکہ ایک اور ثبوت اس واقعہ کا یہ ہے کہ پولوس رسول خود بتاتے ہیں کہ آپ فی الواقعی ایسے لوگوں سے ملے جنہوں نے زندہ مسیح کو دیکھا تھا۔ پہلے کرنتھیوں کے پندرہ باب کی تیسری آیت نویں آیت کی عبارت میں ان موقعوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جب سیدنا مسیح اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوئے یہ عبارت اس واقعہ کی قدیم ترین تحریری شہادت ہے جو سیدنا مسیح کی موت کے قریب ۲۵ برس بعد ہی لکھی گئی اور ثبوت اس واقعہ کا یہاں قلمبند ہے وہ اس سے کہیں پیشتر کا ہے۔ گلتیوں کے خط کے پہلے باب کی ۱۸، ۱۹ آیتوں میں پولوس رسول بتاتے ہیں کہ اپنی اس عجیب تبدیلی کے تین برس بعد پطرس رسول سے ملاقات کرنے کی غرض سے آپ یروشلیم تشریف لے گئے۔ اور ان کے ساتھ پندرہ دن قیام کیا۔ یہ وہی پطرس رسول ہیں جن کی منادی کا خاص مضمون سیدنا مسیح کا دوبارہ جی اٹھنا ہے۔

پولوس رسول اس بات کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا مسیح کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد پطرس اور یعقوب رسول اور دوسرے شاگردوں نے ایک موقعہ پر جن کا شمار پانچ سو سے زیادہ تھا زندہ مسیح کو دیکھا اور آپ کے جی اٹھنے کا پورا یقین کیا۔ اور پھر بھی پولوس رسول کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ مثلاً آپ ان عورتوں کا ذکر نہیں کرتے جنہوں نے زندہ مسیح کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی شہادت پر زور دیتے ہیں جو ایک معنی میں ذمہ دار اشخاص تھے یعنی وہ گواہ جو برابر سیدنا مسیح کے ساتھ رہ چکے تھے۔

بعض اوقات یہ اعتراض کیا جاتاہے کہ سیدنا مسیح کا اپنی موت کے بعد دکھائی دینا محض خیال رویا تھا۔ مگر اس قسم کا رویا اسی صورت میں ممکن ہے کہ دیکھنے والے کو شخص مرئی کے دکھائی دینے کی توقع ہو۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ شاگردوں کو سیدنا مسیح کے دکھائی دینے کی توقع تھی۔ اس کے برعکس لوقا انجیل نویس صفائی سے لکھتاہے کہ جب سیدنا مسیح نے اپنی موت کا جو ان پر آنے والی تھی اور پھر جی اٹھنے کا ذکر کیا تو شاگرد آپ کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہے۔ دیکھو لوقا باب ۱۸ آیات ۳۱ تا ۳۴۔

علاوہ اس کے اس قسم کے رویا کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو جس شخص کی رویت کی توقع ہوتی ہے یا جس کا خیال لگا ہوتا ہے وہ شخص مطلوب جب رویا میں اسے دکھائی دیتا ہے تو وہ فوراً پہچان لیا جاتا ہے لیکن سیدنا مسیح کے جی اٹھنے کی تاریخی شہادتیں بار بار یہ بتاتی ہیں کہ زندہ مسیح کو شاگردوں نے فوراً نہیں پہچانا۔ آپ میں ایک قسم کی تبدیلی ہو گئی تھی اور آپ کے شاگرد آپ کے گفتگو کے لہجہ یا کسی کام کے طرز سے ہی پہچانتے تھے۔

دوسری طرف اگر ہم آپ کے زندہ ہونے کے واقعہ کو اور خالی قبر کی حقیقت کو درست تسلیم کرلیں تو یہ سارا واقعہ ایک ایسی تاریخی حقیقت بن جاتی ہے جو ذہنی رویا کے نظریہ سے کہیں بڑھ کر تشفی بخش ہے یعنی کل واقعات پُرمطلب بن جاتے ہیں اوران میں مطابقت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور شاگردوں کی زندگی بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے اور کوئی حل طلب معمہ ان کی زندگی میں نہیں باقی رہتا ۔ اور معلوم پڑتا ہے کہ عام انسانوں کی طرح وہ بھی انسان ہیں اور سب سے بڑھ کر سیدنا مسیح کی شخصیت میں ایک قسم کا اتحاد اور ربط پیدا ہو جاتا ہے اور پورے نئے عہد نامہ کے بیانات بھی بامطلب ہوجاتے ہیں۔

خالی قبر

۶ ۔ چھٹی حقیقت قبر کا خالی پایا جانا آپ کے جی اٹھنے کا صاف ثبوت ہے بعض لوگوں نے اس حقیقیت کی تشریح میں تاویلیں پیش کی ہیں۔ مثلاً کسی نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ متی باب ۲۸ آیت ۶ کے ان الفاظ " وہ یہاں نہیں ہے" مطلب یہ ہے کہ آپ کا جسم اس قبر میں جہاں عورتیں آئی تھیں موجود نہیں ہے بلکہ دوسری قبر میں ہے۔اس کے برعکس مرقس کی انجیل کی یہ صاف عبارت کی مریم مگدلینی اور یوسیس کی ماں مریم دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہاں رکھا گیا ہے (مرقس باب ۱۵ آیت ۴۷)۔ تاویل مذکورہ کی تردید کرتی ہے۔ علاوہ اس کے متی کی انجیل میں پوری عبارت یوں ہے" وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اپنے کہنے کے موافق جی اٹھا ہے"(متی باب ۲۸ آیات ۶)۔

اس بے سروپا نظریہ کے متعلق ایک مغربی مصنف نے برجستہ سوال کیا ہے کہ اگر کسی صورت سے سیدنا مسیح کا جسم قبر سے نہیں نکلا تو آخر یہ جسم کہاں گیا ؟ بعض اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ بیشک کھو گیا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا انسان کی لاش اس آسانی سے کبھی کھو بھی جاتی ہے ؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس روز جب یروشلیم میں ایک طرف تو آپ کے دوستوں کی محبت کا دریا جوش پر تھا اوردوسری طرف دشمنوں کی عداوت کا طوفان امڈ رہا تھا آپ کے جسم کی پروانہ دوستوں نے کی اور نہ دشمنوں نے یہ بات انسانی سمجھ سے باہر ہے۔ کیا ان عورتوں میں کوئی بھی ایسی وفادار نہ نکلی کہ ذرا ٹھہرتی تو سہی۔ اورآپ کے دفن ہونے کے مقام کو یا تو یادرکھتی ۔ کیا حضرت مریم میں اپنے بیٹے کے لئے اتنی بھی محبت نہیں تھی۔ جو بعض اوقات اس قسم کے موقعوں پر بہنوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ دکھائی ہے۔ کیا آپ کے دشمنوں میں کسی بھی صدوقی یا فریسی میں اتنی بھی دوراندیشی اور ہوشیاری نہ تھی کہ جسے کم ازکم اتنی

سمجھ توہوتی جو یہ سوچتا کہ اگرآپ کی لاش علانیہ پیش کردی جائے تو بے شک یہ ایمان شروع ہی میں مٹ جائیگا۔ کیا یہ غفلت سردار کاہن کا ئیفا کے چال چلن کے حسب حال ہے۔

یہودیوں کی یہ افترا پردازی کہ شاگرد اسے چرا کرلے گئے ایک معنی میں آپ کے زندہ ہونے کے واقعہ کی تاریخی حقیقت کا ثبوت بہم پہنچاتاہے۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ جسم کے غائب ہوجانے کی کوئی اوروجہ نہیں نکل سکتی۔ اوراگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سپاہیوں کو اس مقام کا پتہ نہیں تھا جہاں آپ دفن ہوئے تھے توان کورشوت دینا بے معنی ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ اگرشاگردوں کوقبر کے خالی ہونے کا پورا یقین نہ ہوتا یا دوسرے لفظوں میں اگر انہیں اس بات کا ذرا بھر بھی گمان ہوتا کہ آپ کا جسم کھوگیاہے توحکام کا مقابلہ اس وثوق کے ساتھ ہر گز نہ کرتے کہ جس کا اظہار انہوں نے کچہریوں میں کیا۔ علاوہ اس کے ہم واقف ہیں کہ شاگرد بھی اس معجزانہ واقعہ کی صحت کو تسلیم کرنے کے قبل جھجکتے تھے۔ جیسا کہ لوقا کی انجیل کے باب ۲۴آیات ۱۱ میں لکھاہے ۔مگر یہ باتیں انہیں کہانی سی معلوم ہوئیں۔ اورانہوں نے ان کا یقین نہ کیا۔

۷۔ یہ باتیں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم پولوس رسول کے ان الفاظ کو جو کرنتھیوں کے پہلے خط کے پندرھویں باب کی ۲۵آیت سے تا آخر کی عبارت میں درج ہیں لفظاً قبول کریں۔ اور ان کو ظاہری معنوں پر محمول کریں۔ اور جس " جی اٹھنے کا ذکر اس موقعہ پرآپ کررہے ہیں ہم مان لیں کہ اس کا تعلق یقیناً قبر اور دفن سے ہے۔ اب اگر پولوس رسول کے ذہن میں جسمانی طور پر سے جی اٹھنے کا عقیدہ نہیں تھا تو پھر کسی قیامت کے متعلق ذکر کرنے کا انہیں اختیار نہیں ہے۔ بلکہ وہ روحانی قیامت تک کا ذکر نہیں کرسکتے۔

یہ غور کرنے کی بات ہے کہ کرنتھیوں کے پہلے خط کی اس عبارت میں پولوس رسول گناہ اور موت اور جسم اور روح اور پھر جسم کی آخری تبدیلی صورت کا بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سیدنا مسیح کی قیامت کے کسی ایسے نظریہ کے قائل تھے جس کے باعث خالی قبر کی کوئی اور تاویل کرنی ممکن ہے ؟ یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ آپ کے یہ خیالات صحیح تھے یا غلط بلکہ ہمارے زیر بحث ایک حقیقت ہے۔ اور وہ حقیقت اس مقام کی پوری عبارت سے اورآپ کےفقروں سے جن کا آپ نے استعمال کیا ہے صاف اور صریح طور سے ظاہر ہے ۔ یعنی یہ کہ آپ کے ایمان کا مرکز مسیح کے جی اٹھنے کا پیغام ہے۔ اوراس بات میں آپ نئے عہد نامہ کے تمام شاگردوں کے ساتھ یک دل اورایک زبان ہیں۔ اور مسیح کی قیامت کا یہ ایمان نئے عہدنامہ کی پُراُمید خوشی کا پیغام ہے۔

فتح مند خوشی کا دنیا میں آغاز

پاک کلام کی اس قسم کی عبارت اس پُرامید خوشی کے پیغام کی امتیازی خصوصیت کا اظہار کرتی ہے۔

" ہمارے سیدنا مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو جس نے عیسیٰ مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کے باعث اپنی بڑی رحمت سے ہمیں زندہ امید کے لئے نئے سرے سے پیدا کیا"۔(۱ پطرس باب ۱ آیات ۳)۔

حمد اور شکر کا یہ پُرجوش نعرہ نہ صرف اس بات کے حقیقی احساس کی گہری خوشی کا اظہار کررہا ہے کہ گناہ کی طاقت کا زور اب ٹوٹ گیا۔ بلکہ انسانی غم اور ستم کے بیکار کردینے والے اثرات سے رہائی کے احساس کا بھی اس میں اعلان ہے ۔ نیکی غالب ہوئی ! خدا نے اپنے بیٹے کی سچائی ثابت کردی ! اوریہی پُرجلال خوشخبری ہے جس نے دنیا کو بدل دیا۔ مسیح کی قیامت کے سوا مسلمانوں بلکہ دنیا کے تمام لوگوں کے لئے اور کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے کہ جس سے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین حاصل ہو۔ کیونکہ پاک کلام کہتاہے کہ " سیدنا عیسیٰ مسیح" جو سوگئے ہیں ان میں پہلا پھل ہوا "(۱ کرنتھیوں باب ۵ ۱ آیات ۲۰)۔

۸۔ آخری حقیقت مسیح کے جی اٹھنے کے متعلق یہ ہے کہ ہمیں پھر محسوس کرنا چاہیے کہ دنیا کا کوئی معمولی واقعہ ہمارے زیر بحث نہیں ہے بلکہ تاریخ کا سب سے بڑا اور فیصلہ کن واقعہ ہمارے سامنے ہے۔

سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو کلام کیا اور دعوے اور وعدے کئے ہیں اور امیدیں دلائیں ایسی باتیں ہیں کہ ان کو سچا ثابت کرنے کی ضرورت تھی اور خودخدا نے عیسیٰ مسیح کو مردوں میں سے زندہ کرکے ان باتوں کو سچا دکھایا۔ ان کے سچے ہونے کی یہی ایک نشانی تھی جو خدا نے شاگردوں کو ان کی سخت بیچارگی کی حالت میں عطا کی ۔ عیدِ قیامت کے اتوار کی صبح کا ظہور جب ہوا تو آپ کی قبر خالی پائی گئی ورنہ مسیح کی دنیاوی زندگی کی سعید منزلوں کی آخری منزل افسوس ناک ہوتی۔خالی قبر کے سوا اور کسی طرح بھی مابعد کے عجیب واقعات کا حل ہو نہیں سکتا۔ کیا کوئی تعجب کی بات ہے کہ رسولوں کے لئے مسیح کی قیامت خدا کی بے حد قدرت (افسیوں باب ۱ آیت ۲۰) کاایک ایسا مضمون بن گیا جو ان کی زبان پر ہمیشہ رہتا تھا۔

لیکن مسیح کے جی اٹھنے کا واقعہ اس قسم کا ہے کہ اس کا تاریخی ثبوت یعنی خالی قبر اور شاگردوں پر آپ کا ظاہر ہونا کہ جن سے ان کی تشفی ہوگئی تھی۔ ان شاگردوں کی طرح ہم نہیں پاسکتے ۔ اور نہ ہی جس طرح اس سے ان کی تشفی ہوئی تھی ہماری ہوسکتی ہے۔مگر خدا نے ہمیں اور کل دنیا کو مسیح اور مسیحیت کی سچائی کا ایک اور ثبوت دیا ہے۔ اور وہ سیدنا مسیح کے دعاوی کا واقعات تاریخی کے ذریعہ متواتر درست اور راست ٹھہرنا ہے۔ یہ آپ کے وہ دعاوی ہیں جنہیں لوگ آزماسکتے ہیں ۔ اور آزمایا بھی ہے۔اور آپ کی زندگی اور آپ کے دعاوی امتحان میں ہمیشہ پورے اترے ہیں۔ زمانہ کی یہی پکار ہے۔ اے گلیلی تو غالب رہا!۔

مردوں اور عورتوں کی زندگی میں آپ کی سدا کامیابی کا کیا سبب ہے۔
اور آپ کا پُرفضل اثر اور آپ کی قدرت کیونکر ہماری زندگیوں میں جاری ہے۔
اس کا ایک ہی سبب ہے کہ آپ ہمیشہ زندہ ہیں آپ جو مر گئے تھے۔ **اب**
ابدالآباد زندہ ہیں۔(مکاشفہ باب ۱ آیت ۱۸)۔